معلم التقریر

المعروف بہ

مواعظِ رضویہ

مصنف

مولانا نور محمد صاحب مدظلہ

خواجہ بک ڈپو

دہلی

معلم التقریر

المعروف بہ

مواعظ رضویہ

حصہ پنجم

مصنف

مولانا نور محمد صاحب مدظلہ

خواجہ بکڈپو

KHWAJA BOOK DEPOT
419/2, Matia Mahal, Jama Masjid
Delhi-6 Mob: 9313086318, 9136455121
Email: khwajabd@gmail.com

خواجہ بکڈپو
۴۱۹/۲، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۶

نام کتاب	:	مواعظِ رضویہ (حصّہ پنجم۔ششم)
نام مصنف	:	مولانا نور محمد قادری رضوی
تصحیح	:	محمد جہانگیر حسن
کمپوزنگ	:	صفدر علی
پہلی بار	:	اکتوبر ۲۰۰۵ء
اشاعت جدید	:	نومبر ۲۰۱۴ء
تعداد	:	۱۱۰۰
قیمت	:	300/=

ملنے کے پتے

☆ عرشی کتاب گھر، پتھر کٹی، حیدر آباد، (اے.پی.)

☆ نور الدین کتب خانہ، کھجرانہ، اندور (ایم.پی)

☆ صوفی کتب خانہ، نزد موتی مسجد رائچور، کرناٹک

☆ عبدالرحمن کتب فروش، پچپڑوا بازار، بلرام پور (یو.پی)

☆ مکتبہ باغ فردوس، مبارک پور، اعظم گڑھ (یو.پی)

Name of Book	: **Mawaaiz-e-Rizvia (Part V-VI)**
Auther	: Maulana Noor Muhammed Qadri Rizvi
First Edition	: October 2005
Second Edition	: November 2014
Publisher	: **Khwaja Book Depot,** 419/2, Matia Mahal, Jama Masjid Delhi-6, Mob: 9313086318, 9136455121 E-mail: khwajabd@gmail.com
Price	**: 300/=**

فہرست مضامین

پیش لفظ

مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں

تجارت نہ صرف دنیاوی اعتبار سے اہم ہے بلکہ دین میں بھی تجارت پر خاطر خواہ زور دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ تجارت میں ایمانداری و دیانت داری برتنے کی سخت تاکید تلقین کی گئی ہے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ برآمدات پر مناسب منافع لیا جائے اور جو کچھ فروخت کیا جائے اس کی کوالٹی بہتر سے بہتر ہو، مثلاً: دودھ کی تجارت ہو تو اس میں پانی نہ ملایا جائے اور اُناج کی تجارت ہو تو وزن بڑھانے کے لیے اس میں خراب اناج کی ملاوٹ نہ کی جائے۔ اسی طرح اگر کتابوں کی تجارت کی جائے تو وہ درست متن (Text) کے ساتھ شائع کی جائیں، خصوصاً دینی کتابوں کی تجارت میں اس کا خاص خیال رکھنا چاہیے، تاکہ قرآن و احادیث کا متن صحیح صحیح عوام الناس تک پہنچ سکے۔ اس سے جہاں دنیاوی فائدے یعنی منافع حاصل ہوں گے وہیں دینی فائدے یعنی انعام الٰہی کے بھی حقدار ہوں گے۔ (ان شاء اللہ)

اسی مقصد کے پیش نظر ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمارے مکتبے سے جو بھی کتابیں شائع ہوں گی، پہلے ان کتابوں کی خوب اچھی طرح تصحیح کر لی جائے اور پھر اُن کو پریس کے حوالے کیا جائے گا۔ اسی اشاعتی سلسلے کی ایک اہم کڑی ''مواعظ رضویہ مکمل'' بھی ہے۔ اب تک اس کتاب ''مواعظ رضویہ'' کے جتنے بھی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں ان میں قرآن واحادیث کی عبارتوں کے ساتھ پروف کی بھی بہت ساری خامیاں ہیں۔ مزید برآں زبان وبیان کے الجھاؤ کے باعث اس کی عوامی افادیت بھی تقریباً ختم ہو کر رہ گئی تھی، نیز قابل مطالعہ مواد پر مشتمل ہونے کے باوجود عام قارئین اس کتاب سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا پاتے تھے۔

لیکن ہم جو جدید ایڈیشن شائع کر رہے ہیں، یہ کیا خواص اور کیا عوام، ہر ایک کے لیے یکساں مفید ثابت ہوگا، کیوں کہ اس جدید ایڈیشن میں بطور خاص قرآن کریم کی آیات اور احادیث کریمہ کو اصل متن (Text) سے ملانے کے ساتھ عربی عبارتوں پر درست اعراب لگانے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے، تاکہ خواص کے ساتھ عام قارئین بھی اس کتاب سے اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق فائدہ حاصل کر سکیں۔

ان تمام باتوں کے باوجود کہ ہم نے اس کتاب سے خامیوں کو حتی الامکان دور کرنے کی کوشش ہے پھر بھی ہمیں یہ دعویٰ نہیں کہ ''مواعظ رضویہ'' تمام خامیوں سے پاک ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں، کیوں کہ ہم بھی ایک انسان ہی ہیں اور انسان کے خمیر میں بھول چوک کے عناصر شامل ہیں، اس لیے قارئین سے گزارش ہے کہ اگر ہماری اصلاحات کے بعد بھی ''مواعظ رضویہ'' میں کسی بھی طرح کی کوئی خامی اور غلطی دیکھیں تو برائے کرم مکتبہ کو آگاہ کریں، تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔ شکریہ

ادارہ

پہلا وعظ: 1

مسئلہ علم غیب احادیث کی روشنی میں

حضرات! اس سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا ثبوت قرآن پاک کی آیتوں سے مواعظ رضویہ چہارم میں بیان کیا گیا ہے، اب خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان گوہر فشاں سے ثابت کیا جاتا ہے:

1- سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّ اللهَ زَوىٰ لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا ۔ (مسلم، مشکوۃ، فضائل سید المرسلین، صفحہ: 512)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ساری زمین سمیٹ دی، پس میں نے تمام مشرقوں اور مغربوں کو ملاحظہ فرمایا۔

فائدہ: اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ زمین کا چپہ چپہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ہے اور زمین کا کوئی قطعہ، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ نہیں، بلکہ آپ (باذنہ تعالیٰ) زمین و مافیہا کے جملہ احوال جانتے ہیں۔

ملا علی قاری اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں: حَاصِلُهُ أَنَّهُ طَوىٰ لَهُ الْأَرْضَ وَجَعَلَهَا مَجْمُوعَةً كَهَيْئَةِ كَفٍ فِي مِرْأَةِ نَظَرِهِ ۔ (مرقات بحوالہ مشکوۃ، صفحہ: 512)

یعنی اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زمین سمیٹ دی اور تمام زمین کو آپ کی نظر کے شیشے میں ہتھیلی نما کر دیا۔

غرض کہ ساری زمین شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی ہے جیسے ہتھیلی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے، آپ زمین کے دانے دانے کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

2- سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ فَوَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ

ثَدْیَیَّ فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (دارمی، مشکوٰۃ، صفحہ:70)

ترجمہ: میں نے اپنے رب بزرگ و برتر کو اچھے حال میں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی میرے شانوں کے درمیان رکھی تو میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے دونوں پستانوں کے درمیان (قلب میں) پایا، پس میں نے ہر اس چیز کو جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

فائدہ: حدیث اس مضمون میں نص ہے کہ آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا علم غیب عطا فرمایا گیا کہ آپ تمام آسمانوں اور زمینوں کے ذرے ذرے کو جانتے ہیں۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

یَعْنِیْ مَا اَعْلَمَہُ اللہُ مِمَّا فِیْہِمَا مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ وَالْاَشْجَارِ وَغَیْرِھِمَا وَھُوَ عِبَارَۃٌ عَنْ سِعَۃِ عِلْمِہِ الَّذِیْ فَتَحَ اللہُ عَلَیْہِ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہر وہ چیز بتائی ہے جو آسمان و زمین میں ہے، مثلاً فرشتے، درخت وغیرہ۔ یہ آپ کے وسعت علم کی دلیل ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر کھولا ہے۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح فرماتے ہیں:

پس دانستم ہر چہ در آسمان ہا و ہر چہ در زمین بود عبارت است از حصول تمامہ علوم جزوی و کلی و احاطہ آں۔ (اشعۃ اللمعات، جلد اول، صفحہ:333)

ترجمہ: جو کچھ آسمانوں میں تھا اور جو کچھ زمین میں تھا اس کو میں نے جان لیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو جزئی اور کلی تمام علوم حاصل ہو گئے اور اُن کا احاطہ کر لیا۔

اس حدیث اور اس کی شرح سے معلوم ہوا کہ آپ کو علم غیب کلی حاصل ہے۔

3- علامہ زرقانی شرح مواحب للدنیہ میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللہَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَاِلٰی مَا ھُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ۔ (انوار محمدیہ، صفحہ:481)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرما دیا، تو میں اس دنیا کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے، اس کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھ رہا ہوں۔

فائدہ: حضرات! ہمارے آقا و مولیٰ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح واضح الفاظ میں بیان فرما دیا کہ ہر شئے میری نظر میں ہے اور میں اس کو دیکھ رہا ہوں مگر اللہ تعالیٰ ہدایت

دے منکرین کو جو ایسے واضح ارشاد کے باوجود بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کرنے کو شرک و کفر کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ منکرین، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کمال کے منکر نظر آتے ہیں اور ایسے صاف ارشادات سے اپنی آنکھیں بند کر کے اندھے بن جاتے ہیں، واقعی یہ لوگ دل کے اندھے ہیں، جس کی وجہ سے کمال مصطفوی کو دیکھ نہیں پاتے۔

4- قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰی دَخَلَ اَھْلُ الْجَنَّۃِ مَنَازِلَھُمْ وَاَھْلُ النَّارِ مَنَازِلَھُمْ حَفِظَ ذٰلِکَ مَنْ حَفِظَہٗ وَنَسِیَہٗ مَنْ نَسِیَہٗ۔ (بخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:506)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں ایک جگہ قیام فرمایا اور اولین مخلوق کی خبر دی، یہاں تک کہ جنتی لوگ اپنی منزلوں میں داخل ہو گئے اور جہنمی اپنی منزلوں میں۔ جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اُس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

فائدہ: اس مبارک حدیث سے معلوم ہوا کہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام میں دو قسم کے واقعات کی خبر دی کہ اس عالم کی پیدائش کی ابتدا کس طرح ہوئی، پھر عالم انتہا کس طرح ہوگی، یعنی آپ نے روز ازل سے تا قیام قیامت ایک ایک ذرے و قطرے کو بیان کر دیا۔ اب منکرین بتائیں کہ وہ کون شئے باقی رہ گئی جس کا علم حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں تھا؟ اللہ منکرین کو عقل سلیم عطا فرمائے جس سے ان مبارک ارشادات کو سمجھ سکیں۔ (آمین)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث مذکور کے تحت لکھتے ہیں:

یعنی احوال مبدأ و معاد از روز اول تا آخر ہمہ را بیان کرد۔ (اشعۃ اللمعات، جلد رابع، صفحہ:44)

یعنی آپ نے مبدأ و معاد کے احوال اول سے آخر تک تمام کو بیان فرما دیا۔

5- حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْفَجْرَ وَصَعِدَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الظُّھْرُ فَنَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰی غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخْبَرَنَا بِمَا ھُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ قَالَ: فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا۔ (مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:543)

ترجمہ: ایک دن رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر چڑھے، پھر خطبہ

دیا، یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا، آپ منبر سے اترے اور نماز ادا کی، پھر منبر پر چڑھے اور خطبہ دیا، یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا، پھر آپ اترے اور نماز ادا کی، پھر منبر پر چڑھے، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، آپ نے ہم کو ہر اس چیز کی خبر دی جو قیامت تک ہونے والی ہے، راوی کا بیان ہے کہ ہم میں زیادہ علم والا وہ ہے جو اس کو زیادہ سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے تمام حوادثات اور عجائب وغرائب جو بھی دنیا میں ہونے والے تھے، قیامت تک بیان فرما دیے، کیوں کہ آپ کو ان تمام چیزوں کا علم حاصل ہے۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث پاک کی شرح میں لکھتے ہیں:

پس خبر دار ما را بہ چیز یکہ پیدا شوندہ است از حوادث ووقائع وعجائب وغرائب تا روز قیامت۔

ترجمہ: آپ نے ہم کو ہر اُن واقعات، حوادثات، عجائبات اور غرائب کی خبر دی جو قیامت تک پیدا ہونے والے ہیں۔

غرض کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے جملہ واقعات جانتے ہیں اور کوئی شئ آپ کے علم سے باہر نہیں۔ دوستو! رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر علم غیب دیا گیا کہ آپ ہر شئ کا ہر وقت علم رکھتے ہیں۔

6- حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: قَامَ فِينَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ فِي مَقَامِهِ ذٰلِكَ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهِ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ۔ (مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:461)

یعنی ایک مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے روبرو کھڑے ہوئے اور اس شئ کی خبر دی جو اپنے مقام میں قیامت تک ہونے والی ہے، جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

فائدہ: اس حدیث پاک سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ قیامت تک ہونے والے تمام واقعات جانتے ہیں اور ان کی خبر بھی اپنے صحابہ کو دی، یہ علم غیب ہی ہے جو باذن اللہ آپ جانتے ہیں۔

☆☆☆

دوسرا وعظ: 2

مسئلہ علم غیب احادیث کی روشنی میں

7- حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: وَاللّٰهِ! مَا تَرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدِ فِتْنَةٍ إِلٰى أَنْ تَنْقَضِيَ الدُّنْيَا يَبْلُغُ مَعَهُ ثَلٰثَ مِائَةٍ فَصَاعِدًا إِلَّا قَدْ سَمَّاهُ لَنَا بِاسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيهِ وَاسْمِ قَبِيلَتِهِ۔ (ابوداود، مشکوٰۃ، صفحہ:463)

یعنی واللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر فتنہ باز کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلے کا نام بتا دیا جو دنیا ختم ہونے تک پیدا ہونے والا ہے، جن کے ساتھی تین سو یا اس سے زیادہ تک پہنچیں گے۔

فائدہ: دیکھ لو! سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک آنے والے فتنہ پردازوں، ان کے باپ اور ان کے قبیلے کا نام تک بیان فرما دیا، کیا یہ علم غیب نہیں؟

اعتراض: بعض ناواقف منکرین ان سابقہ حدیثوں کے متعلق یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ بات عقل تسلیم نہیں کر سکتی کہ آپ نے ایک مقام پر کھڑے ہو کر قیامت تک کے واقعات وحوادثات تفصیلاً بیان فرما دیے ہوں، اتنے مختصر وقت میں اتنے بے شمار واقعات کیسے بیان ہو سکتے ہیں؟

جواب: علما اور عرفا کے نزدیک بسط زمان کے سمٹنے کا مسئلہ مسلمات اور مقررات سے ہے، یعنی تھوڑے وقت میں بہت کام کر لینا یہ بسط زبان ہے اور ہونا انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے لیے معجزہ اور اولیائے عظام کے لیے کرامت ہے۔ توریت ایک بہت بڑی کتاب اور دفتر ہے، جس کی وجہ سے اس کا یاد کرنا انبیائے اسرائیل کے لیے معجزہ سمجھا گیا، مگر اسی بڑی کتاب توریت کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: خُفِّفَ عَلٰى دَاوُدَ الْقُرْاٰنُ فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَوَابِّهِ تُسْرَجُ فَيَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ أَنْ تُسْرَجَ دَوَابُّهُ وَلَا يَأْكُلُ إِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ۔

(بخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:508)

ترجمہ: حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرآن (زبور) اس قدر آسان کر دیا گیا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو زین لگانے کا حکم دیتے تھے اور ادھر زین لگانے سے پہلے قرآن (زبور) پڑھ لیتے تھے اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے کھانے کا کام بھی کرتے تھے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں: قَدْ دَلَّ الْحَدِيْثُ عَلٰى أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُطَوِّلُ الزَّمَانَ لِمَنْ شَآءَ مِنْ عِبَادِهٖ كَمَا يُطْوَى الْمَكَانُ لَهُمْ وَهٰذَا الْبَابُ لَا سَبِيْلَ إِلٰى إِدْرَاكِهٖ إِلَّا بِالْفَيْضِ الرَّبَّانِيِّ۔ (مرقاۃ بحوالہ مشکوٰۃ، صفحہ:508)

یعنی یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے وقت کو لمبا کر دیتا ہے، مثلاً ان کے لیے وقت لپیٹ دیا جاتا ہے اور یہ مسئلہ ایسا ہے جس کا ادراک کرنا فیض ربانی کے سوا کوئی طریقہ نہیں۔

فائدہ: اگر داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک تھوڑی سی مدت میں ایک بڑی کتاب ختم کر لیتے ہیں، تو بطریق اولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھوڑی سی مدت میں تمام واقعات روزِ ازل سے قیامت تک بیان کر سکتے ہیں، بلکہ بیان فرما دیے ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ جب ایک رکاب میں قدم رکھتے تو قرآن شریف شروع فرماتے اور دوسری رکاب میں قدم رکھنے سے پہلے قرآن مجید ختم کر دیتے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: از سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیز نقل است کہ در رکاب پائے می نہاد تا پائے دیگر در رکاب نہادن ختم قرآن می کرد و در روایتے از ملتزم کعبہ تا باب وے۔ (اشعۃ اللمعات، جلد رابع، صفحہ:457)

ترجمہ: سیدنا امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ ایک پاؤں ایک رکاب میں رکھنے اور دوسرا پاؤں دوسرے رکاب میں رکھنے تک پورا قرآن ختم کر لیتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ ملتزم کعبہ سے کعبہ کے دروازے تک ختم قرآن پاک فرما لیتے تھے۔

8- سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فَرَأَيْتُهٗ وَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهٖ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ۔ (ترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:72)

ترجمہ: میں نے رب تعالیٰ کو دیکھا کہ اس نے اپنی ہتھیلی میرے کندھوں کے درمیان رکھی،

تو میں نے اپنے پستانوں (قلب) میں اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک کو محسوس کیا، پھر مجھ پر ہر چیز اس قدر روشن ہو گئی کہ میں نے ہر چیز کو پہچان لیا۔

فائدہ: اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ آپ باذن اللہ ہر شئے کو جانتے ہیں اور کوئی شئے آپ کے علم سے باہر نہیں ہے، کیوں کہ فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ موجبہ کلیہ ہے، اگر اس سے کوئی شئے باہر ہوگی جو علم مصطفیٰ (ﷺ) میں نہیں ہے، تو موجبہ کلیہ صادق نہ آئے گا، اس لیے کہ موجبہ کلیہ سالبہ جزئیہ کی نقیض ہے اور جب سالبہ جزئیہ صادق ہوگا تو موجبہ کلیہ ہرگز صادق نہ آئے گا۔

افسوس، صد افسوس! منکرین کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فلاں چیز کا علم نہ تھا، مگر خود سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے ہر شئے کا علم ہے، یہ لوگ اُمتی بن کر اپنے نبی پاک کے خلاف عمل کر رہے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ وہ اعلیٰ درجے کے موحد اور جنت کے اکیلے ٹھیکہ دار بنتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت بخشے)

9- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ حِيْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى الظُّهْرَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ وَذَكَرَ أَنَّ بَيْنَ يَدَيْهَا أُمُوْرًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْأَلْ عَنْهُ فَوَاللّٰهِ لَا تَسْأَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ بِهٖ مَا دُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا قَالَ أَنَسٌ فَأَكْثَرَ النَّاسُ الْبُكَاءَ وَأَكْثَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِيْ. قَالَ أَنَسٌ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ: أَيْنَ مَدْخَلِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ النَّارُ. فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُذَيْفَةَ قَالَ: مَنْ أَبِيْ؟ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: أَبُوْكَ حُذَيْفَةُ. قَالَ: ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِيْ سَلُوْنِيْ. فَبَرَكَ عُمَرُ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا قَالَ: فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَالَ عُمَرُ ذٰلِكَ۔ (بخاری، جلد ثانی، صفحہ:1083)

ترجمہ: سورج ڈھلنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، آپ نے ظہر ادا کی اور سلام پھیر کر منبر پر کھڑے ہوئے، پھر قیامت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں، پھر فرمایا کہ جو شخص کچھ پوچھنا چاہے وہ پوچھ لے؟ واللہ! مجھ سے جس چیز کے بارے میں پوچھو گے اس کی خبر دوں گا، جب تک میں اپنے اس مقام (منبر) پر ہوں۔ حضرت

انس کا بیان ہے کہ (یہ سن کر) لوگ بہت رونے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے فرمانے لگے کہ مجھ سے سوال کرو، تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا: میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ یارسول اللہ! فرمایا: دوزخ، پھر حضرت عبداللہ بن حذیفہ نے کھڑے ہو کر پوچھا: یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: تیرا باپ حذیفہ ہے، راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ بار بار فرماتے کہ مجھ سے پوچھو۔ اسی بیچ حضرت عمر اپنے دونوں گھٹنوں پر بیٹھ کر عرض کیا: ہم اللہ کے رب ہونے پر راضی، اسلام کے دین ہونے پر راضی اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رسول ہونے پر راضی ہیں۔ جب حضرت عمر کی یہ بات سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکوت فرمالیا۔

فائدہ: اس حدیث پاک کے لفظ لفظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب ثابت ہورہا ہے۔ اولاً یوں کہ یہ مبارک فرمان فَوَاللّٰہِ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُکُمْ۔ (واللہ! جس چیز کے بارے میں تم سوال کروگے، میں اس کی تم کو خبر دوں گا۔) یہاں شی نکرہ ہے جو نفی میں زیادتی تعمیم کا فائدہ دے گا، تو مطلب یہ ہوگا کہ ہر شئے سے سوال کرو میں جواب دوں گا، اگر آپ کو ہر شئے کا علم حاصل نہیں تو کیا آپ کا دعویٰ سچا ہوگا، اگر دعویٰ سچا ہے اور حقیقت میں سچا ہی ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ آپ ہر شئے کے عالم ہیں۔ پھر مخالفین کیوں اعتراض کرتے ہیں کہ فلاں شئے کا علم آپ کو نہیں تھا۔

ثانیاً یہ کہ سائل سے فرمانا کہ تیرا ٹھکانہ دوزخ ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علم غیب من جانب اللہ حاصل ہے، جس سے آپ دوزخی اور جنتی کو پہچانتے ہیں۔ ثالثاً اس طرح کہ حضرت عبداللہ کو ان کے اصلی باپ حضرت حذیفہ کے بارے میں بتانا، واضح کرتا ہے کہ ایسے غیبی امور کا علم رکھتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ اور حضرت عبداللہ کی والدہ ہی واقفیت رکھتی تھی، ایسے غیبی امور اور پوشیدہ بات کو بتادینا آپ کے علم غیب کو ثابت کرتا ہے۔ ایسی صاف اور واضح تصریحات کے باوجود منکرین کی بات کو کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب نہیں حاصل تھا۔

10- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں فرمایا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَّیَضَعُ یَدَہٗ عَلَی الْاَرْضِ ھٰھُنَا وَھٰھُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ اَحَدُھُمْ عَنْ مَوْضِعِ یَدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (مسلم، جلد دوم، صفحہ: 102)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے اور

اپنے ہاتھ مبارک کو ادھر ادھر زمین پر رکھتے رہے۔ راوی کا بیان ہے کہ مقتولین میں سے کوئی ایک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس کی جگہ سے نہ ہٹا۔

فائدہ: منکرین بڑے زور سے علم غیب کی نفی کے لیے یہ آیت پڑھتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔

(سورۂ لقمان، آیت: 34)

یعنی واقعی قیامت، بارش، رحم مادر کا علم، کل کیا ہونے والا ہے اس کا علم اور کون کہاں انتقال کرے گا اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

اس کا پورا جواب تو اپنے مقام میں آئے گا، مگر یہ کہ کوئی نفس یہ نہیں جانتا ہے کس زمین پر کون مرے گا، اب بتاؤ کہ سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ بتایا کہ نہیں کہ فلاں کافر کہاں مرے گا اور فلاں کہاں۔

معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو باذن اللہ علم غیب حاصل ہے، جس کی وجہ سے آپ جانتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں جگہ مرے گا، نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس آیت کا وہ معنی صحیح نہیں ہے، جو منکرین کرتے ہیں، ورنہ قرآن وحدیث میں تعارض واقع ہوجائے گا۔

11- شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عُرِضَتْ عَلَیَّ اُمَّتِیْ فِیْ صُوَرِھَا فِی الطِّیْنِ کَمَا عُرِضَتْ عَلٰی اٰدَمَ وَاُعْلِمْتُ مَنْ یُّؤْمِنُ بِیْ وَمَنْ یَّکْفُرُ بِیْ فَبَلَغَ ذٰلِکَ الْمُنَافِقِیْنَ فَقَالُوْا اسْتِھْزَاءً زَعَمَ مُحَمَّدٌ اَنَّہٗ یَعْلَمُ مَنْ یُّؤْمِنُ بِہٖ وَمَنْ یَّکْفُرُ مِمَّنْ لَّمْ یُخْلَقْ بَعْدُ وَنَحْنُ مَعَہٗ وَمَا یَعْرِفُنَا فَبَلَغَ ذٰلِکَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰہَ تَعَالٰی وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ طَعَنُوْا فِیْ عِلْمِیْ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ فِیْمَا بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ السَّاعَةِ اِلَّا اَنْبَئْتُکُمْ بِہٖ فَقَامَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ حُذَافَةَ السَّھْمِیُّ فَقَالَ: مَنْ اَبِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! فَقَالَ حُذَافَةُ. فَقَامَ عُمَرُ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا وَّبِکَ نَبِیًّا فَاعْفُ عَنَّا عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ. فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَھَلْ اَنْتُمْ مُنْتَھُوْنَ فَھَلْ اَنْتُمْ مُنْتَھُوْنَ۔ (خازن، جلد اول، تفسیر زیر سورۂ آل عمران: 179)

ترجمہ: مجھ پر میری اُمت اپنی اپنی مٹی والی صورتوں میں پیش کی گئی جیسے حضرت آدم پر پیش کی گئی اور مجھے بتایا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون میرا انکار کرے گا۔ جب یہ خبر منافقوں تک پہنچی تو وہ ہنس کر کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ کون ان پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا، حالاں کہ وہ لوگ ابھی پیدا نہیں کیے گئے، جب کہ ہم ان کے ساتھ ہیں اور ہم کو نہیں پہچانتے۔ جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے منبر پر کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا کہ ان قوموں کا کیا حال ہے جو ہمارے علم پر طعن کرتے ہیں؟ تم مجھ سے جس چیز سے سوال کرو، اب سے قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کی تم کو خبر دوں گا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: حذافہ، پھر حضرت عمر کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر، قرآن کے امام ہونے پر اور آپ کے نبی ہونے پر راضی ہیں، ہم کو معاف فرماؤ کہ اللہ آپ کو معاف فرمائے، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ یہ فرمایا: کیا تم رک جاؤ گے۔

فائدہ: اس حدیث پاک سے دو باتیں ثابت ہوئیں: ایک یہ کہ ہمارے پیارے رسول قیامت تک کے واقعات کے عالم ہیں، دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر طعن کرنا منافقوں کا شیوہ ہے۔ گویا منکرین کے لیے یہ حدیث مبارک سوطِ عذاب ہے کہ اگر وہ اب بھی آپ کے علم غیب میں زبانِ طعن دراز کریں، تو اُن کے منافق ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا۔

☆☆☆

تیسرا وعظ: 3

مسئلہ علم غیب، علما و اولیا کے اقوال کی روشنی میں

حضرات! منکرین کہتے ہیں کہ ہم اہل سنت ہیں اور ہم اولیائے کرام کو مانتے ہیں، مگر ان کا یہ دعویٰ صرف زبان سے ہے، دل سے اس کا تعلق بالکل ہی نہیں، کیوں کہ اگر وہ اہل سنت ہوتے اور اولیائے کرام کو صحیح طور پر مانتے تو علمائے اہل سنت اور اکابر اولیا کے ارشادات کو بھی تسلیم کرتے، مگر معاملہ برعکس ہے۔ وہ نہ تو علمائے اہل سنت کے اقوال کو مانتے ہیں اور نہ ہی اکابر اولیا کے ارشادات پر کان دھرتے ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ منکرین نہ تو اہل سنت ہیں اور نہ ہی اولیائے کرام کو تسلیم کرتے ہیں۔ دیکھ لیجیے کہ اکابر علمائے اہل سنت اور اکابر اولیائے کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب عطائی کے قائل ہیں، مگر منکرین قائل نہیں، پتہ چلا کہ منکرین اپنے دعویٰ میں بالکل کاذب ہیں۔ آیئے علم غیب سے متعلق علمائے اہل سنت اور اولیائے کرام کے زرّیں اقوال سنیے:

فاضل جلیل عالم نبیل شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا ارشاد اول ہے:

وے صلی اللہ علیہ وسلم دانا است بہمہ چیز از شیونات ذات الٰہی واحکام وصفات حق واسما وافعال وآثار وبجمیع علوم ظاہر وباطن اول وآخر احاطہ نمودہ ومصداق فوق کل ذی علم علیم شدہ علیہ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التحیات اتمہا واکملہا۔ (مدارج، جلد اول، صفحہ: 3)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام چیزوں کے عالم ہیں، ذات الٰہی کی شانیں، احکام الٰہی، صفات حق واسما اور افعال وآثار سے اور تمام علوم ظاہری وباطنی اور اول وآخر پر احاطہ فرما کر فَوقَ کُلِّ ذِی عِلمٍ عَلِیم کے مصداق بن گئے۔

فائدہ: دیکھو! شیخ محدث دہلوی واضح الفاظ میں یہ بیان فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام اشیا کے عالم اور تمام علوم ظاہری وباطنی اور اول وآخر پر احاطہ فرما ہیں، اب بتاؤ

کون سی شئے باقی رہ گئی ہے جس کو آپ نہیں جانتے؟ (اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت فرمائے۔)

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کا دوسرا ارشاد ہے: ہر چہ در دنیا است از زمانِ آدم تا اوانِ نفخہ اولیٰ بروے منکشف ساختند تا ہمہ احوال را از اول تا آخر معلوم گردد و یارانِ خود را نیز از بعضے از اں احوال خبر داد۔ (مدارج النبوۃ، جلد اول، صفحہ:175)

ترجمہ: آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے پہلے نفخے تک جو کچھ دنیا میں ہے، وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر منکشف کر دیا گیا ہے، یہاں تک کہ آپ کو اول سے آخر تک تمام احوال معلوم ہو گئے اور اپنے دوستوں کو بھی بعض احوال کی خبر دی۔

فائدہ: شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمادی ہے کہ آپ کو تمام احوال اول سے آخر تک معلوم ہیں، پھر بھی منکرین کا یہ کہنا ہے کہ فلاں حال رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھا، باطل ہو گیا۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تیسرا ارشاد ہے:

ہر کہ مطالعہ کند احوال شریف او را از ابتدا تا انتہا بہ بیند کہ چہ تعلیم کردہ است او را پروردگار و افاضہ کردہ است بروے علوم و اسرار ما کان و ما یکون۔ (مدارج، جلد اول، باب دوم، صفحہ:44)

یعنی جو شخص آپ کے احوال کا ابتدا سے انتہا تک مطالعہ کرے اور دیکھے کہ آپ کو پروردگار نے کیا سکھایا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ پر ما کان و ما یکون کے علوم و اسرار کے فیضان فرمائے ہیں۔

فائدہ: اس عبارت سے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمادی کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ما کان و ما یکون کے عالم ہیں، مگر ضدی منکرین یہ تسلیم نہیں کرتے اور پھر بھی اہل سنت بنتے ہیں۔

حضرت قاضی ابوالفضل عیاض اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا ارشاد ہے:

اَطْلَعَهُ عَلَيْهِ مِنْ عِلْمِ مَا يَكُوْنُ وَمَا كَانَ وَعَجَائِبِ قُدْرَتِهٖ وَعَظِيْمِ مَلَكُوْتِهٖ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:60)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ما کان و ما یکون کے علم، اپنی قدرت کے عجائبات اور اپنی سلطنت و ملکیت کی عظمت سے مطلع فرمایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ہر وہ شئے جو آپ نہیں جانتے تھے اللہ نے آپ کو سکھا دیا اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

قاضی ابوالفضل عیاض اندلسی کا دوسرا ارشاد ہے: هٰذَا مَعَ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَكْتُبُ وَلٰكِنَّهٗ اُوْتِيَ عِلْمَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى قَدْ وَرَدَتْ اٰثَارٌ بِمَعْرِفَتِهٖ حُرُوْفَ الْخَطِّ وَحُسْنَ تَصْوِيْرِهَا كَقَوْلِهٖ لَا تَمُدُّوْا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رَوَاهُ ابْنُ شَعْبَانَ مِنْ طَرِيْقِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَوْلُهٗ فِي الْحَدِيْثِ الْاٰخَرِ الَّذِيْ يُرْوٰى عَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّهٗ كَانَ يَكْتُبُ بَيْنَ يَدَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ اَلْقِ الدَّوَاةَ وَحَرِّفِ الْقَلَمَ وَاَقِمِ الْبَاءَ وَفَرِّقِ السِّيْنَ وَلَا تُعَوِّرِ الْمِيْمَ وَحَسِّنِ اللّٰهَ وَمُدَّ الرَّحْمٰنَ وَجَوِّدِ الرَّحِيْمَ۔ (شفا، جلد اول، صفحہ:235)

ترجمہ: اس کے باوجود کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے نہ تھے، لیکن آپ کو ہر شئے کا علم عطا کیا گیا، یہاں تک کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ کتابت کے حروف کو پہچانتے تھے کہ کس طرح لکھنے سے تحریر خوبصورت ہوگی جیسا کہ آپ نے بسم اللہ کو کشش سے لکھنے سے منع فرمایا، یعنی سین میں دندانے ہوں نری کشش نہ ہو، اس حدیث کو ابن شعبان نے، ابن عباس سے روایت کیا اور آپ کا قول دوسری حدیث میں جو حضرت معاویہ سے مروی ہے کہ یہ حضور کے سامنے لکھ رہے تھے کہ آپ نے ان کو فرمایا کہ دوات میں صوف ڈالو اور قلم پر ترچھا قط دو، پھر بسم اللہ کی ب کھڑی لکھو اور س کے دندانے جدا رکھو، م کو اندھا نہ کردو، یعنی اس کے چشمے کی سفیدی کھلی رہے، لفظ اللہ خوبصورت لکھو اور لفظ رحمن میں کشش ہو اور رحیم اچھا لکھو۔

فائدہ: ان دونوں مبارک ارشادات سے ظاہر ہے کہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ما کان و ما یکون کا علم حاصل ہے اور ہر شئے کا علم معلوم ہے، یہ کلمہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر شئے کا علم ہے، منکرین کے قلعے کو پاش پاش کر دیتا ہے اور بدمذہبیت کی ساری امیدوں کو خاک میں ملا دیتا ہے، نیز منکرین کا یہ اعتراض بھی مردود ہو گیا کہ آپ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ غرض کہ قصر بدمذہبیت کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اہل سنت کا عقیدہ نصف النہار کی طرح ثابت ہو گیا اور اہل سنت کے ایمان ان ارشادات سے تروتازہ ہو گئے۔

عارف باللہ مفسر قرآن شیخ احمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: اَنَّهٗ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَحَاطَ بِوَقَائِعِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (تفسیر صاوی، جلد دوم، صفحہ:9)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس وقت تک تشریف نہیں لے گئے، جب تک کہ

آپ نے دنیا و آخرت کے جملہ واقعات پر احاطہ نہ فرما لیا۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: وَالَّذِيْ يَجِبُ الْاِيْمَانُ بِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ يَنْتَقِلْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيْعِ الْمُغَيَّبَاتِ الَّتِيْ تَحْصُلُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَهُوَ يَعْلَمُهَا كَمَا هِيَ عَيْنَ يَقِيْنٍ لِمَا وَرَدَ رُفِعَتْ لِيَ الدُّنْيَا فَاَنَا اَنْظُرُ فِيْهَا كَمَا اَنْظُرُ اِلٰى كَفِّيْ هٰذِهٖ۔

(تفسیر صاوی، جلد دوم، صفحہ:97)

ترجمہ: اس (عقیدہ) پر ایمان رکھنا واجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس وقت تک تشریف نہیں لے گئے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُن تمام غیبوں کا علم عطا نہ فرما دیا، جو دنیا و آخرت میں حاصل ہوتے ہیں، پس آپ ان سب کو عین الیقین کی طرح جانتے ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ دنیا میرے سامنے پیش کی گئی ہے اور میں اس کو اس طرح دیکھتا ہوں جیسے میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔

فائدہ: علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد کیسا ایمان افروز ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام غیبوں کے عالم ہیں، پھر اس پر مزید کہ اس عقیدہ پر ایمان لانا واجب و ضروری ہے، مگر اندھے منکرین کا برا ہوا کہ وہ اُلٹا اس عقیدے کو کفر و شرک کہتا ہے، یعنی اس ضدی کے نزدیک وجوب کفر و شرک ہے۔ (العیاذ باللہ)

☆☆☆

چوتھا وعظ: 4

مسئلہ علم غیب علما و اولیا کے اقوال کی روشنی میں

قطب زمان واصل باللہ سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

وَاَقْوَى الْاَرْوَاحِ فِيْ ذٰلِكَ رُوْحُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّهَا لَمْ يَحْجُبْ عَنْهَا شَيْءٌ مِنَ الْعَالَمِ مُطَّلِعَةٌ عَلٰى عَرْشِهٖ وَعُلُوِّهٖ وَسُفْلِهٖ وَدُنْيَاهُ وَاٰخِرَتِهٖ وَنَارِهٖ وَجَنَّتِهٖ لِاَنَّ جَمِيْعَ ذٰلِكَ خُلِقَ لِاَجْلِهٖ۔ (ابریز، صفحہ:47)

ترجمہ: اس میں زیادہ قوی روح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے، بے شک اس پاک روح سے جہاں میں کوئی بھی شئے پوشیدہ نہیں، پس یہ عرش، اس کی بلندی و پستی، دنیا و آخرت اور جنت و دوزخ پر مطلع ہے، کیوں کہ یہ تمام اشیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے پیدا کی گئیں۔

فائدہ: ایک عظیم عارف باللہ نے تصریح فرمادی ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی شئے پوشیدہ نہیں اور آپ کی نظر فرش سے عرش تک برابر پہنچتی ہے، اب بھی اگر منکرین انکار کریں تو ان کا یہ عناد ہے، جس کا علاج اللہ ہی فرما سکتا ہے۔

شیخ عبدالعزیز دباغ کا دوسرا ارشاد ہے: مَا السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُوْنَ السَّبْعُ فِيْ نَظْرِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ اِلَّا كَحَلْقَةٍ مُلْقَاةٍ فِيْ فَلَاةٍ مِّنَ الْاَرْضِ۔ (ابریز، صفحہ:242)

ترجمہ: ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں مومن کامل کی وسعت نگاہ میں ایسی ہیں جیسے ایک لق و دق میدان میں ایک چھلا پڑا ہو۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اولیا کی نگاہ میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ہیں اور ان میں سے کوئی چیز ان پر مخفی نہیں، تو بدرجہ اولیٰ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم میں ساتوں

آسمان اور ساتوں زمینیں ہوں گی اور آسمان وزمین کی کوئی شئے آپ سے مخفی نہیں۔
قطب زمان شیخ عبدالعزیز دباغ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے تحت فرماتے ہیں:
اسماسے مراد اسمائے عالیہ ہیں نہ کہ سافلہ، کیوں کہ ہر مخلوق کے دو نام ہیں: علوی وسفلی۔ سفلی نام تو صرف مسمّٰی سے ایک گونہ آگاہی دیتا ہے اور اسم علوی وہ ہوتا ہے جو مسمّٰی کی حقیقت وماہیت سے آگاہی دیتا ہے اور اس سے آگاہی دیتا ہے کہ وہ کس سے بنا ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے؟ (مثلاً) کلہاڑی کس چیز کی صلاحیت رکھتی ہے باقی چیزوں کی بہ نسبت جو اس میں استعمال کی جاتی ہیں اور لوہار کی صنعت کی کیفیت جو اس کے لیے ہے، پس جانا جاتا ہے کہ محض اس لفظ کے سننے سے یہ علوم ومعارف جو کلہاڑی سے متعلق ہوتے ہیں اسی طرح ہر مخلوق۔ اللہ تعالیٰ کے قول اَلْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سے مراد وہ اسما ہیں جن کی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام طاقت رکھتے ہیں اور تمام انسان ان کی طرف محتاج ہیں یا ان کا ان کے ساتھ تعلق ہے اور یہ ہر مخلوق (شئے) ہے جو زیر عرش سے زیر فرش تک ہے۔ ان میں جنت ودوزخ اور ساتوں آسمان داخل ہیں اور جو کچھ ان میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ آسمان وزمین کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین جیسے جنگلوں، صحراؤں، وادیوں، دریاؤں اور درختوں میں ہیں۔
غرض کہ تمام مخلوقات جو اس میں ناطق اور غیر ناطق ہیں سب کو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے نام سے پہچان لیتے ہیں، یہ تین امور ہر شئے کی اصل وفائدہ اور ان کی ترتیب کی کیفیت اور ان کی شکل کی وضع کہ اس شکل پر ہے، چنانچہ انھوں نے جنت کے نام سے جان لیا کہ وہ کہاں سے بنی ہے، کس لیے بنی ہے اور اس کے مرتبوں کی ترتیب کیا ہے؟ تمام حوروں کو جو اس میں ہیں اور اس کے رہنے والوں کی تعداد جو قیامت کے بعد داخل ہوں گے، نیز اسی طرح نار کے سننے سے جان لیا اور اسی طرح لفظ آسمان سے جان لیا کہ پہلا آسمان وہاں کیوں ہوا اور دوسرا دوسری جگہ کیوں ہوا؟ اسی طرح ہر آسمان الگ الگ جگہوں پر کیوں ہوا؟ لفظ ملائکہ سے جان لیا کہ کس چیز سے پیدا کیے گئے اور کیوں کر بنے اور ان کے مرتبوں کی ترتیب کیا ہے اور یہ فرشتہ کس لیے اس مقام کا مستحق ہوا اور دوسرا دوسرے کا مستحق کس لیے ہوا، اسی طرح عرش سے زیر زمین ہر فرشتہ کا حال ہے، پس یہ تمام علوم آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام، آپ کی اولاد سے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے کاملین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہیں۔ ذکر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاص کیا گیا، کیوں کہ وہ ان سے اول ہیں جنھوں نے ان علوم کو جانا اور اپنی

اولاد سے جنھوں نے ان کو جانا ہے، بے شک ان کا جاننا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ہے اور یہ مراد نہیں کہ ان کو فقط آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی جانتے ہیں۔ بے شک، ہم نے اس کے ساتھ تخصیص کی جس کی طرف آدم اور ان کی اولاد محتاج ہے، اس کے ساتھ کہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں، تاکہ عدم تخصیص سے جملہ معلومات الٰہیہ کا احاطہ لازم نہ آئے۔ ان علوم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام میں یہ فرق ہے کہ جب یہ حضرات ان علوم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان کو مشاہدۂ حق سبحانہ وتعالیٰ سے ایک گونہ غفلت سی ہوجاتی ہے اور جب مشاہدۂ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں تو ان علوم کی طرف سے ایک قسم کی نیند آجاتی ہے، مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی کمال قوت کے سبب ایک علم دوسرے سے مشغول نہیں کرتا، پس وہ عین مشاہدۂ حق کے وقت مشاہدۂ تام حاصل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ان علوم اور جن کی طاقت کسی میں نہیں اور ان کے غیر کا مشاہدہ بھی آپ کو حاصل ہوتا ہے اور جس وقت ان علوم کی طرف متوجہ ہوں تو آپ کے لیے یہ علوم مشاہدۂ حق کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں، پس آپ کا مشاہدۂ حق مشاہدۂ خلق سے پردہ نہیں بنتا اور نہ مشاہدۂ خلق مشاہدۂ حق سے حاجب ہوتا ہے۔ (ابریز، صفحہ: 368-369)

فائدہ: قطب زمان شیخ دباغ کی اس تفصیل نے بتادیا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ودیگر انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عرش تا فرش اور جنت ودوزخ تمام اشیا کا علم رکھتے ہیں، مگر منکرین کسی ولی کی بات نہ سنتے ہیں اور نہ مانتے ہیں اور اولیائے کرام کے ارشادات کو بھی (معاذ اللہ) کفر وشرک کہہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائے، مگر گستاخ وبے ادب کے لیے ہدایت کہاں؟

عارف باللہ سیدنا حضرت سید احمد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مبارک ارشاد ہے:

اَطْلَعَهُ عَلٰى غَيْبِهٖ حَتّٰى لَا تَنْبُتُ شَجَرَةٌ وَلَا تَخْضَرُّ وَرَقَةٌ اِلَّا بِنَظَرِهٖ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اسے اپنے غیب پر مطلع کرتا ہے، یہاں تک کہ ہر درخت اور اس کا ہر پتہ ان ہی (محبوبان الٰہی) کی نگاہ کے سامنے سر سبز ہوتا ہے۔

عارف باللہ شیخ رسلان دمشقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مبارک قول ہے: اَلْعَارِفُ مَنْ جَعَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ قَلْبِهٖ لَوْحًا مَنْقُوْشًا بِاَسْرَارِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَبِاِمْدَادِهٖ بِاَنْوَارِ حَقِّ الْيَقِيْنِ يُدْرِكُ

حَقَائِقَ تِلْكَ السُّطُوْرِ عَلٰى اِخْتِلَافِ اَطْوَارِهَا وَيُدْرِكُ اَسْرَارَ الْاَفْعَالِ فَلَا تَتَحَرَّكُ حَرَكَةٌ ظَاهِرَةً اَوْ بَاطِنَةً فِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ اِلَّا وَيَكْشِفُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ عَنْ بَصِيْرَةِ اِيْمَانِهٖ وَعَيْنِ عَيَانِهٖ فَيَشْهَدُهَا عِلْمًا وَّ كَشْفًا۔ (طبقات الکبریٰ، صفحہ:123)

ترجمہ: عارف وہ ہوتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایک لوح رکھی ہے کہ جملہ اسرار موجودات اس میں منقوش ہیں اور حق الیقین کے انوار سے اسے امداد دی ہے کہ وہ ان لکھی ہوئی چیزوں کی حقیقتیں خوب جانتا ہے، یہاں تک کہ ان کے طور کس قدر مختلف ہیں اور افعال کے راز جانتا ہے تو ظاہری یا باطنی کوئی جنبش ملک وملکوت میں واقع نہیں ہوتی، مگر یہ اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کی نگاہ اور اس کے معائنے کی آنکھ کھول دیتا ہے تو عارف اسے دیکھتا ہے اور اپنے علم وکشف سے جانتا ہے۔

فائدہ: ان دونوں ایمان افروز ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ اولیا ہر شئے کو باذن اللہ ضرور جانتے ہیں۔

☆☆☆

پانچواں وعظ:5

مسئلہ علم غیب اکابر علما و اولیا کے اقوال کی روشنی میں

امام اجل سیدی علی وفا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان افروز ارشاد ہے:

لَيْسَ الرَّجُلُ مَنْ يُقَيِّدُهُ الْعَرْشُ وَمَاحَوَاهُ مِنَ الْاَفْلَاكِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَاِنَّمَا الرَّجُلُ مَنْ نَفَذَ بَصَرُهٗ اِلٰى خَارِجِ هٰذَا الْوُجُوْدِ كُلِّهٖ وَهُنَاكَ يَعْرِفُ قَدْرَ عَظْمَةِ مُوْجِدِهٖ سُبْحَانَهٗ۔ (الیواقیت والجواہر، حصہ دوم، صفحہ:36)

ترجمہ: مرد وہ نہیں جسے عرش اور جو کچھ اس کے احاطے میں ہے، آسمان وجنت ونار سے محدود ومقید کرلیں، بلکہ مرد وہ ہے جس کی نگاہ اس تمام عالم کے پار بھی گزر جائے، تو وہاں اپنے خالق سبحانہ کی عظمت کی قدر پہچان لے۔

فائدہ: جب مرد کامل کی نظر عرش، جنت ودوزخ سے پار ہو جاتی ہے اور تمام چیزیں اس کے پیش نظر ہوتی ہیں تو امام الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت نگاہ کا کیا عالم ہوگا؟ یقیناً جملہ عالم آپ کی نگاہ کے سامنے ہوگا، ہر شئے آپ کے پیش نظر ہوگی اور کوئی شئے آپ کی پاک نگاہ سے مخفی نہ ہوگی۔

شیخ الشیوخ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پاک ارشاد ہے: لِلْمُجْتَهِدِيْنَ الْقَدَمُ الرَّاسِخُ فِيْ عُلُوْمِ الْغَيْبِ۔ (الیواقیت والجواہر، حصہ دوم، صفحہ:97)

ترجمہ: علم غیب میں ائمہ مجتہدین کے لیے مضبوط قدم ہے۔

فائدہ: جب اُمت مسلمہ کے ائمۂ مجتہدین کو علوم غیب حاصل ہیں تو ان اماموں کے امام، بلکہ انبیا کے امام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتنا کثیر علم غیب حاصل ہوگا؟! اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔

شیخ کامل سیدی علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مبارک ارشاد ہے:

لَایَکْمُلُ الرَّجُلُ عِنْدَنَا حَتّٰی یَعْلَمَ حَرَکَاتِ مُرِیْدِہٖ فِیْ اِنْتِقَالِہٖ فِی الْاَصْلَابِ وَھُوَ نُطْفَۃٌ مِّنْ یَوْمِ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ اِلٰی اِسْتِقْرَارِہٖ فِی الْجَنَّۃِ اَوِ النَّارِ۔

(کبریت احمر، امام شعرانی، حصہ اول، صفحہ:165)

ترجمہ: ہمارے نزدیک مرد، کامل نہیں بن سکتا، جب تک کہ وہ اپنی مرید کی حرکتوں کو جان نہ لے جب کہ باپ کی پشتوں میں ایک نطفہ ہوتا ہے اور یوم الست سے لے کر جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک جان نہ لے وہ مرد، کامل نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا کامل ولی اپنے مریدوں کی ہر حرکت اور دخول جنت کو جانتا ہے تو سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے ہر فرد کا حال بھی بطریق اولیٰ جانتے ہیں۔

قطب ربانی سیدنا محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نورانی ارشاد ہے:

مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ حَتّٰی تُسَلِّمَ عَلَیَّ وَتَجِیْئُ السَّنَۃُ اِلَیَّ وَتُسَلِّمُ عَلَیَّ وَتُخْبِرُنِیْ بِمَا یَجْرِیْ فِیْہَا وَیَجِیْئُ الشَّھْرُ وَیُسَلِّمُ عَلَیَّ وَیُخْبِرُنِیْ بِمَا یَجْرِیْ فِیْہِ وَیَجِیْئُ الْاُسْبُوْعُ وَیُسَلِّمُ عَلَیَّ وَیُخْبِرُنِیْ بِمَا یَجْرِیْ فِیْہِ وَیَجِیْئُ الْیَوْمُ وَیُسَلِّمُ عَلَیَّ وَیُخْبِرُنِیْ بِمَا یَجْرِیْ فِیْہِ وَعِزَّۃِ رَبِّیْ اِنَّ السُّعَدَآءَ وَالْاَشْقِیَاءَ لَیُعْرَضُوْنَ عَلَیَّ، عَیْنِیْ فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ اَنَا غَائِصٌ فِیْ بِحَارِ عِلْمِ اللّٰہِ۔

(بہجۃ الاسرار، صفحہ:22)

ترجمہ: سورج نکلنے سے پہلے مجھے سلام کرتا ہے، سال میرے پاس آتا ہے مجھے سلام کرتا ہے اور مجھے اس چیز کی خبر دیتا ہے جو اس میں جاری ہوتی ہے، مہینہ آتا ہے مجھے سلام کرتا ہے اور مجھے اس چیز کی خبر دیتا ہے جو اس میں جاری ہوتی ہے، ہفتے آتے ہیں مجھے سلام کرتے ہیں اور جو کچھ ان میں جاری ہونے والا ہوتا ہے مجھے اس کی خبر دیتے ہیں، دن آتا ہے مجھے سلام کرتا ہے اور ہر اس شئے کی مجھے خبر دیتا ہے جو اس میں جاری ہوتی ہے، پروردگار کی قسم ہے! سب سعید و شقی میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ میری آنکھ لوح محفوظ میں ہے اور میں اللہ کے علم کے دریاؤں میں غوطہ لگاتا ہوں۔

فائدہ: مذکورہ مبارک ارشاد سے دو امر ثابت ہوئے: اول یہ کہ سورج، سال و ماہ، ہفتے،

ایام سب پیران پیر دستگیر شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بے دام غلام ہیں اور آپ ان کے آقا و مولیٰ ہیں، اسی لیے وہ سب آپ کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ آپ کی نگاہ لوح محفوظ پر رہتی ہے، جس میں ما کان وما یکون کے علوم مندرج ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا ایک فرد کامل علم ما کان وما یکون کا عالم ہے، تو کیا خود والی امت کو ما کان وما یکون کا علم نہ ہوگا؟ چنانچہ اس کا انکار جاہل و معاند ہی کر سکتا ہے۔

قطب ربانی سیدنا محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا ایک اور رشاد ہے:

لَوْلَا لِجَامُ الشَّرِیْعَۃِ عَلٰی لِسَانِیْ لَاَخْبَرْتُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ اَنْتُمْ بَیْنَ یَدَیَّ کَالْقَوَارِیْرِ اَرٰی مَا فِیْ بَوَاطِنِکُمْ وَظَوَاہِرِکُمْ۔ (بہجۃ الاسرار، صفحہ:24)

ترجمہ: اگر میری زبان پر شریعت کی روک نہ ہوتی تو میں تمھیں خبر دیتا جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو، تم میرے سامنے شیشے کی مانند ہو اور میں تمہارا ظاہر و باطن سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے محبوب ربانی شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ علم عطا فرمایا ہے کہ جس سے آپ لوگوں کے پیٹ اور گھروں میں رکھی ہوئی چیزیں جانتے ہیں، نیز ہر ایک ظاہر و باطن سے مکمل واقف ہیں، اس لیے اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم باذن اللہ اس سے زائد علم غیب کے مالک ہیں تو کیا تعجب؟

قطب ربانی محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

قَلْبِیْ عَلٰی اَسْرَارِ الْخَلِیْقَۃِ نَاظِرٌ اِلٰی وُجُوْہِ الْقُلُوْبِ قَدْ صَفَاہُ الْحَقُّ عَنْ دَنَسِ رُؤْیَۃِ سِوَاہُ حَتّٰی صَارَ لَوْحًا یَنْقُلُ اِلَیْہِ مَا فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَسَلَّمَ اللّٰہُ اَزِمَّۃَ اُمُوْرِ اَھْلِ زَمَانِہٖ وَصَرَّفَہٗ فِیْ عَطَآئِھِمْ وَمَنْعِھِمْ۔

(بہجۃ الاسرار، صفحہ:24)

ترجمہ: میرا دل اسرار مخلوقات پر مطلع ہے، سب دلوں کو دیکھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے رویت کے ماسوا کے میل سے صاف کر دیا کہ ایک لوح بن گیا، جس کی طرف وہ منتقل ہوتا ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل زمانہ کے کاموں کی باگیں اسے سپرد فرمادیں اور اجازت فرمائی کہ جسے چاہیں عطا کریں اور جسے چاہیں منع فرمادیں۔

فائدہ: حضرات! غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ نورانی ارشاد کیسا ایمان افروز اور بدمذہبیت سوز ہے۔ منکرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی بھی مخلوق کی مخفی بات کو نہیں جان سکتا اور نہ ہی دلوں پر کسی کو اطلاع ہوتی ہے، مگر غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا رد بلیغ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں مخلوقات کے جملہ احوال جانتا ہوں اور ان کے قلوب میرے پیش نظر ہیں، نیز منکرین یہ بھی کہتے ہیں کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کا مالک نہیں، محمد اور علی کسی چیز کے مختار نہیں، اس کا بھی رد فرمایا کہ میں تمام اہل زمانہ کے امور کا مالک ومختار ہوں جسے چاہوں عطا کروں اور جسے چاہوں منع فرمادوں۔ (باذن اللہ)

الحاصل جب غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو تمام مخلوقات کے حالات کا علم ہے تو امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ علم غیب کیوں نہ ہوگا؟ عارف معارف حقیقت سالک شریعت حضرت امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب، انبیاء واولیا کو نہیں ہوتا، میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں غیبات کا ان کو دریافت ادراک ہوتا ہے، اصل میں یہ علم حق ہے۔ (شمائم امدادیہ، صفحہ: 115)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا ارشاد ہے:

عارف جنتی ودوزخی کو اسی عالم میں جان لیتا ہے۔ (شمائم امدادیہ، صفحہ: 169)

فائدہ: حضرات! یہ حاجی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو منکرین کے دینی، مذہبی اور روحانی پیشوا ہیں، ان کی تصریح یہ ہے کہ انبیا واولیا علم غیب جانتے ہیں، نیز اسی عالم میں جنتی ودوزخی کو جانتے ہیں۔ ان کے پیشوا کا عقیدہ یہ ہے اور مرید اس عقیدے کو شرک کہتے ہیں، یہ ایک عجیب بات ہے کہ منکرین نے اپنے روحانی پیشوا کے عقیدے کو ٹھکرا دیا، بلکہ اسے شرک قرار دیا، کیا دینی پیشوا کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے؟

اولیا کے سردار حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا نورانی ارشاد ہے:

سَلُوْنِیْ فَوَاللّٰہِ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُکُمْ۔ (ذخائر العقبیٰ، صفحہ: 83)

یعنی مجھ سے سوال کرو، واللہ! مجھ سے جو کچھ سوال کروگے میں اس کی خبر دوں گا۔

فائدہ: میں نے آخر میں تبرک کے لیے امام الاولیاء حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایمان افروز بدمذہبیت سوز نورانی ارشاد ذکر کیا ہے جس میں آپ نے دعویٰ فرمایا کہ تم جو چاہو اور جس چیز سے چاہو، مجھ سے پوچھو میں بفضل اللہ اس کی تم کو خبر دوں گا اور یہ دعویٰ تبھی صحیح ہو سکتا ہے کہ آپ کو ہر شئے کا علم ہو اور ہر شئے کا علم جب امام الاولیاء کو حاصل ہے تو بتاؤ کہ امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر شئے کا علم غیب حاصل نہ ہوگا، ضرور ہوگا؟

غرض کہ ان تمام مبارک ارشادات سے نصف النہار کی طرح واضح ہوگیا کہ ہمارے رسول پاک حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بفضل الٰہی علم غیب حاصل ہے۔

☆☆☆

چھٹا وعظ: 1

مسئلہ علم غیب سے متعلق شبہات کا ازالہ

منکرین، علم غیب پر بہت اعتراضات کرتے رہتے ہیں کہ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل نہیں تھا، اگرچہ ان کے اعتراضات مثل عنکبوت ہیں کہ وہ اپنی جہالت سے ان کو صحیح اعتراضات سمجھ کر کہہ دیتے ہیں کہ ثابت ہوا کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل نہ تھا۔ ہم بفضلہ تعالیٰ ان آیات واحادیث کو بیان کرتے ہیں جن سے منکرین اپنی نافہمی سے اپنے دعویٰ کو ثابت کرتے ہیں اور پھر ان کا صحیح مفہوم بیان کریں گے جس سے آپ خود بخود اندازہ لگالیں گے کہ ان آیات واحادیث کو علم غیب کی نفی کے ساتھ کوئی واسطہ ہی نہیں، صرف منکرین کی خوش فہمی ہے، مگر آیات واحادیث کی تفسیر وتشریح میں بہت اختصار کیا جائے گا، کیوں کہ ان کی تفصیل سے اہل سنت کی کتب لبریز ہیں، ان کا مطالعہ کریں۔

منکرین کے بڑے شبہات حسب ذیل ہیں:

1- قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ (سورۂ انعام)

ترجمہ: آپ فرمادیں کہ میں تم کو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں اپنے آپ غیب جان لیتا ہوں۔

اعتراض: منکرین یہ آیت بطور اعتراض پیش کرتے ہیں کہ دیکھو قرآن مجید میں موجود ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو علم غیب نہیں تھا۔

پہلا جواب: اس اعتراض کے بہت سے جوابات ہیں: ایک جواب تو خود ہمارے پیش کردہ ترجمہ سے ظاہر ہے کہ میں خود غیب نہیں جانتا اور ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بغیر بتائے اور سکھائے خود بخود غیب جانتے ہیں، بلکہ ہمارا تو دعویٰ ہے کہ آپ اللہ

تعالیٰ کے سکھانے اور بتانے سے علم غیب جانتے ہیں، اس آیت میں ایسے علم غیب کی نفی نہیں ہے جس کی نفی کی گئی ہے، وہ ہمارا مقصود نہیں اور جو مقصود ہے اس کی نفی نہیں۔

دوسرا جواب: دوسرا جواب یہ ہے: لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ کا عطف عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ کے محل پر ہے تو یہ بھی لا اقول کا مقولہ بنے گا، مطلب یہ ہوگا کہ میں نہ تو یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں غیب جانتا ہوں، پس یہاں دعویٰ کی نفی ہے اور دعویٰ کی نفی سے مدعیٰ کی نفی لازم نہیں آتی، یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں غیب بھی جانتا ہوں، مگر ان کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں ہے:

اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ۔ (مشکوٰۃ، باب فضائل سید المرسلین)

یعنی مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔

علم غیب کے متعلق فرمایا: سَلُوْنِیْ فَوَاللّٰہِ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُکُمْ مَا دُمْتُ فِیْ مَقَامِیْ ھٰذَا۔ (بخاری، جلد دوم، صفحہ: 183)

واللہ! تم مجھ سے کسی شئے کے بارے میں سوال کرو گے میں تم کو خبر دوں گا جب تک میں یہاں پر ہوں۔

لیکن یہ دعویٰ نہیں، چنانچہ یہاں دعویٰ کی نفی کی گئی ہے جیسا کہ تفسیر مدارک میں ہے:

وَمَحَلُّ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ النَّصْبُ عَطْفًا لِاَنَّہٗ مِنْ جُمْلَۃِ الْمَقُوْلِ کَاَنَّہٗ قَالَ لَآ اَقُوْلُ لَکُمْ ھٰذَا الْقَوْلَ وَلَا ھٰذَا الْقَوْلَ۔ (تفسیر مدارک، جلد دوم، صفحہ: 16)

یعنی لا اعلم الغیب محلاً نصب ہے، اس لیے عندی خزائن اللہ کے محل پر معطوف ہے کہ یہ بھی مقولہ قول کا ہے، گویا آپ نے یہ فرمایا کہ میں تم سے نہ یہ قول کہتا ہوں اور نہ یہ قول۔

فائدہ: دیکھئے! علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمادی کہ یہاں قول دعویٰ کی نفی ہے اور دعویٰ کی نفی مدعیٰ کی نفی کو مستلزم نہیں ہوتی۔ فانظر إنہ احق بالقبول۔

تیسرا جواب: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بطور تواضع اور انکسار کے طریقے پر ہے، اس سے علم غیب کی نفی پر دلیل پکڑنا سخت جہالت ہے۔

علامہ خازن اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱- اِنَّمَا نَفٰی عَنۡ نَفۡسِهِ الشَّرِیۡفَةِ هٰذِهِ الۡاَشۡیَاءَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ تَعَالٰی وَاعۡتِرَافًا لِلۡعُبُوۡدِیَّةِ۔ (تفسیر خازن، جلد دوم، صفحہ:17)

ترجمہ: حضور ﷺ نے اپنی ذات سے ان چیزوں کی نفی اظہار عاجزی اور اقرار بندگی کے لیے فرمائی۔

2- وَلَوۡ کُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ لَاسۡتَکۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَیۡرِ۔ (سورۂ اعراف)

ترجمہ: اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی۔

فائدہ: منکرین اس سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں ہے، یہ بھی ان کی خوش فہمی ہے، ورنہ اس آیت میں بھی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب عطائی کی نفی نہیں ہے، کیوں کہ سرکار دو عالم ﷺ کا یہ کلام بارگاہ الٰہی میں تواضع وانکساری کے بطور ہے، یعنی آپ اللہ کے فضل سے علم غیب جانتے ہیں مگر تواضع اور انکساری کرتے ہوئے علم غیب کی نفی فرمائی۔

علامہ صاوی حاشیہ جلالین میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

اِنۡ قُلۡتَ اَنَّ هٰذَا یُشۡکِلُ مَعَ مَاتَقَدَّمَ لَنَا مِنۡ اَنَّهٗ اُطۡلِعَ عَلٰی جَمِیۡعِ مُغَیَّبَاتِ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ فَالۡجَوَابُ اَنَّهٗ قَالَ ذٰلِكَ تَوَاضُعًا۔ (تفسیر صاوی، جلد دوم، صفحہ:97)

یعنی اگر تو کہے کہ یہ آیت گزشتہ کلام کے خلاف ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام دینی و دنیاوی غیبوں پر مطلع کر دیے گئے تو جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ کلام بطور انکسار فرمایا ہے۔

اسی طرح علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بیان فرمایا:

فَاِنۡ قُلۡتَ قَدۡ اَخۡبَرَ النَّبِیُّ عَلَیۡهِ السَّلَامُ عَنِ الۡمُغَیَّبَاتِ وَقَدۡ جَاءَتۡ اَحَادِیۡثٌ فِی الصَّحِیۡحِ بِذٰلِكَ وَهُوَ مِنۡ اَعۡظَمِ مُعۡجِزَاتِهٖ فَکَیۡفَ الۡجَمۡعُ بَیۡنَهٗ وَبَیۡنَ قَوۡلِهٖ لَوۡ کُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ قُلۡتُ یَحۡتَمِلُ اَنۡ یَّکُوۡنَ قَالَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ عَلٰی سَبِیۡلِ التَّوَاضُعِ وَالۡاَدَبِ۔ (تفسیر خازن، جلد دوم، صفحہ:154)

یعنی اگر تم کہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت سی غیب کی باتوں کی خبر دی ہے اور اس کے متعلق بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں اور علم غیب تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا

معجزہ ہے تو ان باتوں اور دوسری آیت لو کنت اعلم الغیب میں مطابقت کس طرح ہوگی؟ میں کہتا ہوں کہ احتمال ہے کہ یہ کلام آپ نے تواضع اور ادب کے طریقے پر فرمایا ہو۔

فائدہ: ان دونوں تفسیروں سے ثابت ہوگیا کہ لو کنت اعلم الغیب بطور ادب و انکساری فرمایا گیا ہے، اس لیے اس سے عدم علم غیب پر استدلال کرنا ایک حماقت ہے۔

چوتھا جواب: اگر یہ ہم تسلیم کرلیں کہ یہاں علم غیب کی نفی سمجھی جاتی ہے تو جواب یہ ہے کہ یہاں علم غیب ذاتی کی نفی ہے جو اہل سنت کو مضر نہیں، کیوں کہ ہم علم غیب عطائی کے قائل ہیں، اس لیے علم غیب ذاتی کی نفی سے ہمارے دلوں میں کوئی فرق نہیں آتا۔ الحاصل حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطائی حاصل ہے، علم غیب ذاتی نہیں ہے، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

دیکھو علامہ سلیمان نے اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

اَیۡ قُلۡ لَّا اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ فَیَکُوۡنُ فِیۡهِ دَلَالَةٌ اَنَّ الۡغَیۡبَ بِالۡاِسۡتِقۡلَالِ لَا یَعۡلَمُ اِلَّا اللّٰهُ۔ (تفسیر جمل، جلد دوم، صفحہ:258)

یعنی فرمادو کہ میں غیب نہیں جانتا، پس اس آیت میں اس پر دلالت ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی علم غیب ذاتی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پانچواں جواب: علم دو قسم کا ہے: ایک یہ ہے کہ ایک چیز کا علم ہو مگر اس چیز کے حصول یا دفع پر قدرت حاصل نہ ہو، جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ایک وقت بڑھاپا آئے گا، اس وقت ہم کو بہت تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا، یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنے بڑھاپے کے دفع پر ہم کو قدرت نہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ جس شئے کا علم ہو اس کے حصول یا دفع پر قدرت بھی ہو اس کو علم ذاتی کہتے ہیں۔ یہ لازم الوہیت ہے، اس آیت میں جس علم کی نفی ہے وہ یہی علم ذاتی ہے جو اللہ جل شانہ کے ساتھ خاص ہے۔ باقی رہا عطائی قسم کا علم تو اس کی نفی نہیں اور اہل سنت کے نزدیک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم غیب حاصل ہے وہ عطائی قسم کا ہے، اس لیے یہ آیت ہمارے دعویٰ کے مخالف نہیں۔

علامہ صاوی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کا ایک یہ مطلب بھی بیان کیا ہے:

اَوْاَنَّ عِلْمَہٗ بِالْمُغَیَّبِ کَلَا عِلْمٍ مِّنْ حَیْثُ اَنَّہٗ لَا قُدْرَۃَ لَہٗ عَلٰی تَغْیِیْرِ مَا قَدَّرَ اللّٰہُ وُقُوْعَہٗ فَیَکُوْنُ الْمَعْنٰی حِیْنَئِذٍ لَوْکَانَ لِیْ عِلْمٌ حَقِیْقِیٌّ بِاَنْ اَقْدِرَ عَلٰی مَا اُرِیْدُ وُقُوْعَہٗ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ۔ (تفسیر صاوی، جلد دوم، صفحہ:97-98)

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کا جاننا نہ جاننے کی طرح ہے، اس لیے کہ آپ کو اس چیز کے بدلنے پر قدرت نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمادی، پس اس وقت معنی یہ ہوگا کہ اگر مجھ کو علم حقیقی ہوتا تو میں اپنی مراد کے واقع کرنے پر قادر ہوتا اس طرح بہت سا خیر جمع کر لیتا۔

3- وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَآ اِلَّا ھُوَ۔ (سورۂ انعام)

ترجمہ: اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، انھیں وہی جانتا ہے۔

منکرین اس آیت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔

جواب: یہ آیت بے شک حق ہے لیکن اس سے یہ ثابت کرنا کہ حق سبحانہ نے کسی کو غیب کا علم عطا نہیں فرمایا، یہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے، اس لیے کہ نہ یہ آیت کا ترجمہ ہے اور نہ مفاد، بلکہ اس آیت میں علم ذاتی کی نفی ہے، یعنی بے تعلیم خود بخود علم غیب کوئی نہیں جانتا، اگر آیت کا یہ مطلب نہ ہو بلکہ منکرین نے جو مطلب سمجھا ہے وہ ہو کہ اللہ جل شانہ کے سوا کسی کو غیب کا علم عطائے الٰہی سے بھی حاصل نہیں ہوسکتا تو دو خرابیاں لازم آئیں گی: اول اللہ جل شانہ کا عجز لازم آئے گا کہ اللہ نے علم غیب تو دیا مگر اس کے سکھانے سے بھی علم غیب حاصل نہ ہوا۔ (نعوذ باللہ)

دوسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ اللہ جل شانہ کے پاک کلام میں تعارض وتناقض لازم آئے گا جو محال ہے، کیوں کہ اس آیت سے منکرین کے طریقے پر علم غیب عطائے الٰہی سے بھی کسی کو حاصل نہیں اور دوسری آیتیں نص ہیں اس مسئلے میں کہ اولوالعزم رسول کو علم غیب بہ عطائے الٰہی حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ۔

ترجمہ: اللہ کی شان یہ نہیں کہ تم (انسانوں) کو غیب پر مطلع فرمائے لیکن اپنے رسولوں سے جسے چاہے چن لیتا ہے (اور انھیں علم غیب عطا فرماتا ہے)۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔

یعنی عالم الغیب (اللہ) اپنے غیب سے صرف اپنے پسندیدہ رسولوں کو آگاہ فرماتا ہے۔

ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مجتبیٰ ومرتضیٰ رسولوں کو غیب کی تعلیم دیتا ہے مگر منکرین کہتے ہیں کہ علم غیب انبیائے کرام اور رسلان عظام کو تعلیم الٰہی سے بھی حاصل نہیں ہے، پس بالضرور کلام اللہ میں تناقض اور تعارض واقع ہوا اور یہ باطل ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ اس آیت کا مطلب وہ نہیں جو منکرین نے لیا ہے بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ انبیا ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب خود بخود بلا تعلیم الٰہی نہیں ہے۔ البتہ! بہ تعلیم الٰہی انبیا ومرسلین علیہم الصلوٰۃ السلام علم غیب جانتے ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا آیتوں سے مستفاد ہے۔

یہی مطلب علامہ صاوی نے اپنی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ خبر کی تقدیم سے آیت میں حصر سمجھی جاتی ہے مگر یہ حصر منافی نہیں ہے، جیسا کہ آگے ذکر فرمایا: فَلَا یُنَافِیْ اَنَّ بَعْضَ الْاَنْبِیَآءِ وَالْاَوْلِیَاءِ یُطْلِعُہُ اللّٰہُ عَلٰی بَعْضِ الْمُغَیَّبَاتِ الْحَادِثَۃِ قَالَ تَعَالٰی عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (صاوی، جلد دوم، صفحہ:17)

ترجمہ: پس یہ آیت منافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض انبیا واولیا کو بعض غیبوں کی اطلاع دیتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عالم الغیب (اللہ) اپنے غیب پر صرف اپنے پسندیدہ رسولوں کو آگاہ فرماتا ہے۔

یہ ایک مختصر سا جواب تھا جو عرض کیا گیا ہے، باقی اس کے تفصیلی جوابات علمائے اہل سنت کی مبارک تصنیفات میں موجود ہے، ان کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

☆☆☆

ساتواں وعظ:2

مسئلہ علم غیب سے متعلق شبہات کا ازالہ

4- قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (سورۂ نمل)

ترجمہ: آپ فرمادیں کہ اللہ کے سوا جو کوئی آسمان وزمین میں ہے وہ خود بخود غیب نہیں جانتا (یعنی خود بخود غیب جاننے والا صرف اور صرف اللہ ہے)۔

اس آیت سے بھی منکرین استدلال پکڑتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا انبیا و اولیا کو علم غیب نہیں، اس کے چند جوابات ہیں:

جواب اول: پہلا جواب تو ترجمہ سے واضح ہے کہ انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تعلیم الٰہی کے بغیر خود بخود غیب نہیں جانتے اور یہ بالکل حق ہے، اس میں یہ کہاں ہے کہ انبیا و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے کرام تعلیم الٰہی سے بھی غیب نہیں جانتے۔ یہاں کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ذاتی علم غیب نہیں۔

جواب دوم: یہ ممکن ہے کہ اس غیب سے جمیع غیوب مراد ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا تمام اور سارے غیبوں کو کوئی نہیں جانتا، یعنی باری تعالیٰ کے علم کا احاطہ کوئی نہیں کرسکتا اور یہ حق ہے، کیوں کہ انبیا و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اگرچہ کثیر تعلیم الٰہی کی وجہ سے علوم غیبیہ جانتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں وہ ایک قطرہ ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے یہی دو مطلب بیان کیے ہیں جیسا کہ فتاویٰ حدیثیہ میں ہے:

وَمَا ذَكَرْنَاهُ فِي الْاٰيَةِ صَرَّحَ بِهِ النَّوَوِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيْ فَتَاوَاهُ فَقَالَ مَعْنَاهَا لَا يَعْلَمُ ذٰلِكَ اِسْتِقْلَالًا وَّعِلْمَ اِحَاطَةٍ بِكُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ۔ (فتاویٰ حدیثیہ، صفحہ:268)

یعنی ہم نے اس آیت کے متعلق جو کچھ کہا امام نووی نے اس کی تصریح اپنے فتاویٰ میں کی ہے، وہ اُن کا کہنا ہے کہ غیب مستقل طور پر کوئی نہیں جانتا اور تمام علوم الٰہیہ کو بھی کوئی نہیں جانتا۔

5- وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ۔ (سورۂ یٰسین)

ترجمہ: ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا، کیوں کہ یہ ان کی شان کے لائق ہے، وہ تو سراپا نصیحت اور روشن قرآن ہے۔

اس آیت سے منکرین یہ ثابت کرتے ہیں کہ تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر شئے کا علم سکھایا، حالاں کہ اس آیت سے ثابت ہے کہ شعر کا علم نہیں سکھایا، اس لیے تمہارا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ مگر مخالفین کی یہ دلیل بھی ان کی نادانی پر مبنی ہے، انھوں نے تفاسیر کا مطالعہ نہیں کیا، اگر تفسیروں کا مطالعہ بنظر ایمان کرتے تو اُن کا یہ شبہ خود بخود زائل ہوجاتا۔ دیکھو مفسرین نے اس کی تفسیر تین طریقوں پر کی ہے جس سے مخالفین کے اس اعتراض کے تین جواب ہوجائیں گے:

جواب اول: علم کا معنی جاننا ہے، مگر علم کا استعمال ملکہ (مشق وتجربہ) کے معنی میں بھی ذائع وشائع ہے، ہمارے روزمرہ کے محاورے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں عالم لکھنا نہیں جانتا کہ وہ املا یا رسم الخط یا حروف کی صورت وہیئت نہیں جانتا، یہ سب کچھ جانتا ہے مگر لکھنے کا ملکہ (تجربہ ومشق) نہیں رکھتا۔ دیکھو یہاں علم بمعنی ملکہ ہے اور ایسا ہی کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص روٹی پکانا نہیں جانتا، یا روٹی پکانے کا علم نہیں رکھتا، اس کے یہی معنی ہیں کہ پکانے کا ملکہ نہیں، ورنہ وہ خوب جانتا ہے کہ روٹی کس طرح پکائی جاتی ہے، یعنی روٹی پکانے کا ملکہ نہیں اور علم ہے اور علم بمعنی ملکہ بکثرت مستعمل ہے۔ دیکھو ''تلویح'' جو ایک درسی کتاب ہے اس میں ہے:

وَلَا نُسَلِّمُ اَنَّ دَلَالَةَ لَفْظِ الْعِلْمِ عَلَى الْمَخْصُوْصِ فَاِنَّ مَعْنَاهُ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا عَلٰى اِدْرَاكِ جُزْئِيَّاتِ الْاَحْكَامِ وَاِطْلَاقُ الْعِلْمِ عَلَيْهَا شَائِعٌ فِي الْعُرْفِ۔

یعنی ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ علم محض تخصیص پر دلالت کرتا ہے، کیوں کہ اس کا معنی ایسا ملکہ ہے جس کے ذریعے جزئیات احکام پر قدرت پانا ہے اور علم عرف میں اس معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔

اسی طرح مولانا عبدالحق خیرآبادی اور ملامبین رحمۃ اللہ علیہما مسلم الثبوت کی شرح میں فرماتے ہیں: لِاَنَّ الْمُرَادَ بِالْعِلْمِ الْمَلَكَةُ۔ یعنی علم سے مراد ملکہ ہے۔

اب تو مخالف منکر کی آنکھ کھلی ہوگی کہ علم بمعنی ملکہ عرف عام میں شائع وذائع ہے۔

خود احادیث پاک میں علم بمعنی ملکہ آیا ہے، مسند الفردوس میں بکر بن عبداللہ بن ربیع سے مروی ہے: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِّمُوْا اَوْلَادَكُمُ السِّبَاحَةَ وَالرِّمَايَةَ۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اپنی اولاد کو تیرا کی اور تیر اندازی کی تعلیم دو۔

محض مفہوم جان لینا تعمیل ارشاد کے لیے کافی ہے، حالاں کہ یہ غلط ہے بلکہ ارشاد پاک سے مقصود مشق و محنت کرا کر تیر اندازی اور شناوری پر قادر کر دینا ہے۔

اب منکرین بتائیں کہ یہاں علم سے مراد ملکہ ہے یا کچھ اور؟ الحاصل علم بمعنی ملکہ عرف میں شائع و ذائع ہے، اس لیے اس آیت سے وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ میں بھی علم سے مراد ملکہ ہے، اس لیے ملکہ کی نفی ہے، نہ یہ کہ حضور کو شعر کا علم ہی نہ تھا جیسا کہ منکرین یہ کہتے ہیں۔

مفسرین نے اس آیت میں ملکہ کی ہی نفی کی ہے، تفسیر خازن میں ہے:

أَيْ مَا يَسْهَلُ لَهُ وَمَا يَصْلَحُ مِنْهُ بِحَيْثُ لَوْ أَرَادَ نَظْمَ شِعْرٍ لَمْ يَتَأَتَّ لَهُ ذٰلِكَ۔

(تفسیر خازن، جلد چہارم، صفحہ: 11)

یعنی آپ کے لیے یہ شعر پڑھنا آسان نہ تھا اور آپ سے درست نہ ادا ہوتا تھا، اگر کسی شعر کو نظم فرمانے کا ارادہ فرماتے تو یہ نہ ہو سکتا تھا۔

اور تفسیر مدارک میں ہے: أَيْ جَعَلْنَاهُ بِحَيْثُ لَوْ أَرَادَ قَرْضَ شِعْرٍ لَمْ يَتَسَهَّلْ۔

(تفسیر مدارک، جلد چہارم، صفحہ: 11)

یعنی ہم نے آپ کو اس طرح کیا ہے کہ اگر شعر پڑھنے کا ارادہ فرمائیں تو آسان نہ ہوگا۔

ان تفسیروں سے واضح ہے کہ یہاں علم بمعنی ملکہ ہے، کیوں کہ اسی ملکہ (مشق و تجربہ) کی نفی کی ہے اور یہ نہیں کہا کہ آپ کو شعر کا علم نہیں ہے، چنانچہ اب نہ علم کی نفی درست ہے اور نہ ہی منکرین کا استدلال صحیح ہے۔

پس ثابت ہوا کہ منکرین اپنے دعویٰ پر کسی مفسر کا قول پیش نہیں کر سکتے اور پھر بھی اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں، حالاں کہ مفسرین کی تصریحات کثیرہ ان کے دعویٰ کے خلاف موجود ہیں۔

تفسیر خازن و مدارک کی تصریح آپ کے سامنے ذکر کر دی گئی ہے۔ اب تفسیر روح البیان کی بھی تصریح ملاحظہ فرمائیے: قِيلَ كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُحْسِنُ الشِّعْرَ وَلَا يَقُولُهُ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ كَانَ لَا يُحْسِنُهُ وَلٰكِنْ كَانَ يُمَيِّزُ بَيْنَ جَيِّدِ الشِّعْرِ وَرَدِيِّهِ۔ (تفسیر روح البیان، جلد سوم، صفحہ: 282)

ترجمہ: بعض نے کہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شعر بنا لیتے تھے مگر پڑھتے نہ تھے، بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ شعر نہیں بناتے تھے لیکن اچھے اور برے شعر میں تمیز کر سکتے تھے۔

دیکھا! کتنی وضاحت سے بیان فرمایا کہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کا علم حاصل تھا جس کی بنا پر آپ عمدہ اور ردی شعر میں امتیاز تام کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَلَمَّا كَانَ الشِّعْرُ مِمَّا لَا يَنْبَغِي لِلْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَمْ يَصْدُرْ مِنَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِطَرِيقِ الْإِنْشَاءِ دُونَ الْإِنْشَادِ إِلَّا مَا كَانَ بِغَيْرِ قَصْدٍ مِنْهُ وَكَانَ كُلُّ كَمَالٍ بَشَرِيٍّ تَحْتَ عِلْمِهِ الْجَامِعِ فَكَانَ يُجِيبُ كُلَّ فَصِيحٍ وَبَلِيغٍ وَشَاعِرٍ وَأَشْعَرَ وَكُلَّ قَبِيلَةٍ بِلُغَاتِهِمْ وَعِبَارَاتِهِمْ وَكَانَ يُعَلِّمُ الْكُتَّابَ عِلْمَ الْخَطِّ وَأَهْلَ الْحِرَفِ حِرَفَتَهُمْ وَلِذَا كَانَ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ (جلد سوم، صفحہ: 878)

ترجمہ: اگرچہ شعر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان کے لائق نہیں پھر بھی حضور نبی کریم سے بطور انشاد تو نہیں لیکن بلا قصد بطریق انشا شعر صادر ہوا، کیوں کہ ہر بشری کمال آپ کے علم جامع کے تحت ہے۔ چنانچہ آپ ہر فصیح و بلیغ، شاعر و اشعر اور ہر قبیلے کو ان کے لغات اور ان ہی کے عبارات میں جواب دیتے تھے اور کاتبوں کو علم خط اور اہل حرفت کو ان کی حرفت کی تعلیم فرماتے تھے، اسی لیے تو رحمۃ للعالمین ہیں۔ (ﷺ)

اب بحمدہ تعالیٰ اس مسئلے میں کوئی حجاب باقی نہ رہا اور روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ آیت ماعلمناہ الشعر میں علم کی نفی نہیں، ملکہ کی نفی ہے۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے شعری علم کا انکار منکرین کا خود ساختہ ہے اور تفاسیر معتبرہ کے خلاف ہے۔

جواب دوم: شعر دو معنی میں مستعمل ہے: اول کلام موزوں جس میں وزن کا قصد کیا جائے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے: اَلشِّعْرُ هُوَ الْكَلَامُ الْمَوْزُوْنُ الَّذِيْ قُصِدَ إِلَى وَزْنِهٖ۔ اور امام راغب میں ہے: وَصَارَ فِي التَّعَارُفِ اِسْمًا لِّلْمَوْزُوْنِ الْمُقَفّٰى مِنَ الْكَلَامِ۔ (مفردات، صفحہ: 26)

ترجمہ: شعر عرف عام میں اس کلام کو کہتے ہیں جو موزوں و مقفی ہو، شعر کا یہ عرفی معنی ہے۔

شعر کا دوسرا معنی منطقی ہے جس کی تعریف 'صاحب سُلّم' نے یوں کی ہے: الشعر ھو المؤلف من المخیلات۔ یعنی شعر وہ قیاس ہے جو مخیلہ مقدمات سے مرکب ہو۔

بعض علما نے فرمایا ہے کہ شعر منطق اُسے کہتے ہیں جو مقدمات کاذبہ سے مرکب ہو، جیسا کہ روح البیان میں ہے: قَالَ بَعْضُهُمْ اَلشِّعْرُ إِمَّا مَنْطِقِيٌّ وَهُوَ الْمُؤَلَّفُ مِنَ الْمُقَدِّمَاتِ الْكَاذِبَةِ۔ (جلد سوم، صفحہ: 281)

اور وما علمناہ الشعر میں جو لفظ شعر وارد ہے اس سے منطقی معنی ہی مراد ہیں۔ قرآن پاک نے شعر منطقی کی نفی فرمائی تو اِس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے اپنے حبیب کو شعر یعنی کذب نہیں سکھایا، نہ یہ ان کی شان کے شایاں اور منصب کے لائق ہے، یہی مقصود تھا، مگر مخالفین نے غلط سمجھا، حقیقت یہ ہے کہ منکرین سے فہم قرآن بہت دور ہے، اُن لوگوں نے ظاہر الفاظ دیکھ کر جو معنی ان کے خیال میں آئے استدلال کر لیا اور یہ نہ جانا کہ مفسرین نے ان الفاظ سے کیا مراد ہے اور یہی ایک گمراہی کا طریقہ ہے کہ مفسرین کی تفسیر کو نہ دیکھنا اور جو معنی خیال میں آگئے ان پر حکم جڑ دینا۔

الحاصل یہاں شعر منطقی مراد ہے، اگر تردد ہو تو تفسیر روح البیان کا مطالعہ کرو، صاحب روح البیان رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: وَالْمُرَادُ بِالشِّعْرِ الْوَاقِعِ فِي الْقُرْآنِ الشِّعْرُ الْمَنْطِقِيُّ سَوَاءٌ كَانَ مُجَرَّدًا عَنِ الْوَزْنِ أَمْ لَا۔ (تفسیر روح البیان، جلد سوم، صفحہ:3)

یعنی قرآن کریم میں حقیقت شعر سے مراد منطقی شعر، اب چاہے وہ بے وزن ہو یا باوزن۔

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ شعر کے معنی کی تحقیق فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کفار جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے، اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ (معاذ اللہ) آپ کاذب ہیں، چنانچہ ان کی عبارت یہ ہے: وَإِنَّمَا رَمَوْهُ بِالْكِذْبِ فَإِنَّ الشِّعْرَ يُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الْكِذْبِ وَالشَّاعِرُ الْكَاذِبُ حَتّٰى سَمّٰى قَوْمٌ الْأَدِلَّةَ الْكَاذِبَةَ الشِّعْرِيَّةَ وَلِهٰذَا قَالَ تَعَالٰى فِي وَصْفِ عَامَّةِ الشُّعَرَاءِ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ۔ (مفردات، صفحہ:262)

یعنی اہل عرب شاعر کو جھوٹا خیال کرتے تھے اسی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شاعر اور ان کے پیروکار اندھیرے میں ہیں۔

اب تو سمجھ میں آگیا ہوگا کہ یہاں شعر منطقی بمعنی کذب ہے، اس لیے اس آیت کو عدم علم شعر کی سند بنانا ایک نادانی اور سینہ زوری ہے۔

جواب سوم: مفسرین نے اس آیت کا یہ مطلب بھی بیان فرمایا ہے کہ قرآن مجید شاعروں کے اقوال نہیں جو ہم نے اپنے حبیب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعلیم دیا ہے، بلکہ یہ قرآن معجز بیان کلام الٰہی ہے کہ ایسا کلام بنانا مخلوق کی قدرت سے باہر ہے، یا یہ کہ ہم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں شعر کی تعلیم نہ فرمایا، یعنی قرآن پاک شعر نہیں۔

تفسیر مدارک التنزیل میں ہے:

أَيْ وَمَا عَلَّمْنَاهُ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَوْلَ الشُّعَرَاءِ أَوْ مَا عَلَّمْنَاهُ بِتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ الشِّعْرَ عَلٰى مَعْنٰى أَنَّ الْقُرْآنَ لَيْسَ بِشِعْرٍ۔ (جلد چہارم، صفحہ:11)

یعنی ہم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شعرا کے اقوال نہیں سکھائے، یا ہم نے ان کو قرآن کی تعلیم سے شعر نہیں سکھایا، مطلب یہ ہے کہ قرآن شعر نہیں۔

فائدہ: اس تفسیر سے تو صرف یہ ثابت ہوا کہ قرآن مجید اور فرقان حمید شعر نہیں، اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کا علم نہیں تھا؟ اب بھی مخالف نہ سمجھے تو اس کی اپنی بد قسمتی ہے، اس میں ہمارا قصور کیا ہے، تاہم میں مخالف و منکر کی زائد تسلی کے لیے حضرت شیخ اکبر قدس اللہ سرہٗ کی تفسیر بیان کرتا ہوں کہ کسی طرح منکر راہِ راست پر آجائے۔

حضرت نے فتوحات کے باب ثانی میں وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: إِنَّ الشِّعْرَ مَحَلُّ الْإِجْمَالِ وَاللُّغْزِ وَالرَّمْزِ وَالتَّوْرِيَةِ أَيْ مَا رَمَزْنَا لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا لَغَزْنَا وَلَا خَاطَبْنَاهُ بِشَيْءٍ وَّنَحْنُ نُرِيْدُ شَيْئًا اٰخَرَ وَلَا اَجْمَلْنَا لَهُ الْخِطَابَ بِحَيْثُ لَمْ يَفْهَمْهُ۔ (کبریت احمر، صفحہ:5)

ترجمہ: بے شک شعر اجمال اور معما (پہلو دار بات) رمز و اشارہ کا محل ہوتا ہے، یعنی ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے نہ اشارہ کیا نہ معمہ کی بات، اور نہ ہم نے آپ کو ایسی چیز کے ساتھ خطاب کیا کہ ہماری مراد دوسری شئے ہو اور نہ اجمالی خطاب کیا کہ آپ کی سمجھ میں نہ آئے۔

مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کی تعلیم معمہ اور اجمال کے پیرایے میں شاعرانہ طریقے پر نہ فرمائی، بلکہ علوم قرآنیہ کو حضور کے لیے واضح اور بے حجاب کر دیا کہ ہر شئے پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم یقینی حاصل ہو گیا۔

سبحان اللہ! صاحبِ علم و عرفان شیخ اکبر تو اس آیت سے یہ سمجھے اور منکرین یہ کہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کا علم نہ تھا:

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا

قرآن مجید میں سچ ہی فرمایا گیا ہے: يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا۔

☆☆☆

آٹھواں وعظ: 3

مسئلہ علم غیب سے متعلق شبہات کا ازالہ

6- مِنۡهُمۡ مَنۡ قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ۔ (سورہ مومن)

ترجمہ: ان میں سے کسی کا حال تم سے بیان فرمایا اور کسی کا حال بیان نہ فرمایا۔

منکرین نے اس سے یہ ثابت کیا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ہمارے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض انبیا کا قصہ بیان نہیں کیا پھر وہ تمام چیزوں کے عالم کیسے ہوئے؟

جواب: آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے بواسطہ وحی جلی (قرآن) قصہ نہیں کیا اس میں یہ کہاں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بعض انبیا کا علم نہ تھا؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بواسطہ وحی خفی علم عطا فرمایا، جیسا کہ علامہ صاوی زیر آیت فرماتے ہیں:

إنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ لَمۡ يَخۡرُجۡ مِنَ الدُّنۡيَا حَتّٰى عَلِمَ جَمِيۡعَ الۡاَنۡبِيَاءِ تَفۡصِيۡلًا كَيۡفَ لَا ،وَهُمۡ مَخۡلُوۡقُوۡنَ مِنۡهُ وَصَلُّوۡا خَلۡفَهٗ لَيۡلَةَ الۡاِسۡرَاءِ فِيۡ بَيۡتِ الۡمُقَدَّسِ لٰكِنَّهٗ مِنَ الۡعِلۡمِ الۡمَكۡتُوۡمِ أَوۡ إِنَّمَا تَرَكَ بَيَانَ قِصَصِهِمۡ لِلۡاُمَّةِ رَحۡمَةً بِهِمۡ فَلَمۡ يُكَلِّفۡهُمۡ إِلَّا بِمَا يُطِيۡقُوۡنَ۔ (تفسیر صاوی، جلد چہارم، صفحہ: 14)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک کہ تمام انبیا کو تفصیلاً نہ جان لیا اور یہ کیوں نہ جانیں کہ سب پیغمبر آپ کے سبب پیدا ہوئے۔ معراج کی شب بیت المقدس میں آپ کے پیچھے نماز ادا کی، لیکن یہ علم پوشیدہ رکھا گیا اور اُن کے قصے چھوڑ دیے امت پر رحمت کرنے کے لیے، پس ان کو طاقت کے مطابق تکلیف دی۔

کتنے صاف الفاظ میں اقرار ہے کہ آپ تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو تفصیلاً جانتے ہیں! منکرین کا یہ اعتراض بڑا تعجب خیز ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا علم نہیں، حالاں کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد بتلا رہے ہیں، جب

آپ کو ان کا علم ہی نہیں تو تعداد کیسے بتلائی جا سکتی ہے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

قُلۡتُ: يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ! كَمۡ عِدَّةُ الۡاَنۡبِيَاءِ، قَالَ: مِائَةُ اَلۡفٍ وَاَرۡبَعَةٌ وَعِشۡرُوۡنَ اَلۡفًا اَلرُّسُلُ مِنۡ ذٰلِكَ ثَلٰثُ مِائَةٍ وَخَمۡسَةَ عَشَرَ جَمًّا غَفِيۡرًا۔ (صاوی، جلد چہارم، صفحہ: 14)

ترجمہ: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے، اُن میں رسولوں کی تعداد تین سو پندرہ ہے۔

پھر ملا علی قاری رحمۃ الباری فرماتے ہیں:

هٰذَا لَا يُنَافِيۡ قَوۡلِهٖ تَعَالٰى وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ مِنۡهُمۡ مَنۡ قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ لِاَنَّ الۡمَنۡفِيَّ هُوَ التَّفۡصِيۡلُ وَالثَّابِتُ هُوَ الۡاِجۡمَالُ أَوِ النَّفۡيَ مُقَيَّدٌ بِالۡوَحۡيِ الۡجَلِيِّ۔ (مرقات، جلد اول، صفحہ: 50)

یعنی یہ کلام اللہ تعالیٰ کے اس قول کے منافی نہیں کہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے، ان میں سے کسی کا حال تم سے بیان فرمایا اور کسی کا حال بیان نہ فرمایا، کیوں کہ منفی تفصیل ہے اور ثابت اجمال ہے یا نفی مقید ہے وحی جلی کے ساتھ اور ثبوت متحقق ہے وحی خفی کے ساتھ۔

7- يَوۡمَ يَجۡمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوۡلُ مَاذَآ اُجِبۡتُمۡ قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَا اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ۔

ترجمہ: جس دن اللہ رسولوں کو جمع فرمائے گا پھر فرمائے گا تمھیں کیا جواب ملا؟ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں، بے شک تو ہی سب غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔

منکرین کا حال اس شخص کی طرح ہے جو دریا میں ڈوب گیا ہو، زندگی سے مایوس ہو گیا ہو اور تنکے کا سہارا تلاش کر رہا ہو۔ منکرین کے پاس عدم علم غیب کی کوئی ٹھوس دلیل نہیں صرف تنکے کا سہارا لے کر اپنے دل کو خوش کر لیتے ہیں، اس آیت کو اپنے دعویٰ کی سند سمجھتے ہیں، حالاں کہ آیت کو اُن کے دعویٰ سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔

مفسرین نے اس آیت کی تین توجیہیں فرمائی ہیں:

توجیہ اول: یہاں جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے لا علم لنا فرمایا ہے کہ ہمیں علم نہیں، اس سے علم کی نفی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! تیرے علم کے مقابلے میں

ہمیں علم نہیں ہے یعنی علم تو ہے مگر تیرے علم کے سامنے گویا وہ علم ہی نہیں ہے۔

تفسیر خازن میں ہے:

فَعَلٰی هٰذَا الْقَوْلِ اِنَّمَا نَفَوا الْعِلْمَ عَنْ اَنْفُسِهِمْ وَاِنْ كَانُوْا عُلَمَآءَ لِاَنَّ عِلْمَهُمْ صَا
كَلَا عِلْمَ عِنْدَ عِلْمِ اللّٰهِ۔ (تفسیر خازن، جلد اول، صفحہ:497)

ترجمہ: اس قول کی بنا پر پیغمبروں نے اپنی ذات سے علم کی نفی کی، اگرچہ وہ جانتے تھ
کیوں کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے نہ ہونے کے مثل ہو گیا۔

توجیہ دوم: دوسری توجیہ یہ بیان کی گئی کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اگرچہ علم تھا مگر اللہ
تعالیٰ کی بارگاہ کا ادب کرتے ہوئے اپنی اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ تفسیر مدارک میں ہے:

قَالُوْا: ذٰلِكَ تَاَدُّبًا اَیْ عِلْمُنَا سَاقِطٌ مَعَ عِلْمِكَ۔

ترجمہ: انبیا نے یہ بطور ادب عرض کیا ہے کہ ہمارا علم تیرے علم کے مقابلے میں ساقط ہے۔

اسی طرح امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں فرمایا:

اِنَّ الرُّسُلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَمَّا عَلِمُوْا اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی عَالِمٌ لَا يَجْهَلُ وَعَلِيْمٌ لَا يَسْ
وَعَادِلٌ لَا يَظْلِمُ عَلِمُوْا اَنَّ قَوْلَهُمْ لَا يُفِيْدُ خَيْرًا وَّلَا يَدْفَعُ شَرًّا فَالْاَدَبُ فِي السُّكُوْ
وَتَفْوِيْضِ الْاَمْرِ اِلَى اللّٰهِ وَعَدْلِهٖ فَقَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا۔

ترجمہ: جب رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے جاہل نہیں، علیم ہے
سفیہ نہیں، انصاف پسند ہے ظالم نہیں، تو وہ سمجھ گئے کہ ان کی بات نہ تو کسی بھلائی کا فائدہ دیتی
اور نہ کسی برائی کو دفع کر سکتی ہے، اس لیے خاموشی ہی میں ادب ہے اور معاملہ اللہ اور اس کے عد
کی طرف سپرد کر دینے میں ہے، اس لیے اُنھوں نے عرض کر دیا کہ ہم کو علم نہیں۔

توجیہ سوم: اس آیت کی مختصر توجیہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طر
بیان کی: ذَهَبَ عَنْهُمْ عِلْمُهٗ لِشِدَّةِ هَوْلِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَفَزَعِهِمْ ثُمَّ يَشْهَدُوْنَ عَلٰی اُمَمِهِ
لَمَّا يَسْكُنُوْنَ۔ (تفسیر جلالین، صفحہ:110)

ترجمہ: روز قیامت سخت خوف اور گھبراہٹ کے سبب ان سے اس جواب کا علم چلا جائے گا
پھر وہ اپنی امتوں پر شہادت دیں گے جب وہ سکون میں آئیں گے۔

کاش! منکرین صرف تفسیر جلالین ہی کا مطالعہ کر لیتے تو ان کو زیادہ تگ و دو کی تکلیف نہ اٹھانی
پڑتی اور نہ ہی ندامت کا سامنا کرنا پڑتا مگر ان کو ندامت کی کیا پرواہ ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

بے حیا باش وہرچہ خواہی کن

8- وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ۔ (سورۂ احقاف)

ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟

منکرین اس سے دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ اپنی خبر تھی نہ کسی اور
کی کہ قیامت میں ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ مفسرین نے اس کے دو جواب دیے ہیں:

جواب اول: یہاں علم کی نفی نہیں کہ مخالفین کا دعویٰ ثابت ہو بلکہ درایت کی نفی ہے اور
درایت کا معنی اٹکل اور قیاس سے جاننا ہوتا ہے، مفردات امام راغب صفحہ:168 میں ہے:

اَلدِّرَايَةُ الْمَعْرِفَةُ الْمُدْرَكَةُ بِضَرْبٍ مِّنَ الْحِيَلِ۔

یعنی درایت اس معرفت کو کہتے ہیں جو اٹکل سے حاصل ہو۔

پس اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ میں بغیر وحی اپنے قیاس سے یہ امور نہیں جانتا بلکہ وحی
سے جانتا ہوں۔

جواب دوم: اس آیت کا حکم منسوخ ہے اور منسوخ حکم سے دلیل نہ پکڑے گا، مگر جاہل یا
معاند، علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَرِحَ الْمُشْرِكُوْنَ وَالْمُنَافِقُوْنَ وَقَالُوْا كَيْفَ نَتَّبِعُ نَبِيًّا لَا
يَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِهٖ وَلَا بِنَا وَاِنَّهٗ لَا فَضْلَ لَهٗ عَلَيْنَا وَلَوْلَا اِنَّهٗ مَا ابْتَدَعَ الَّذِيْ يَقُوْلُهٗ مِنْ
تِلْقَآءِ نَفْسِهٖ لَاَخْبَرَهُ الَّذِيْ بَعَثَهٗ بِمَا يَفْعَلُهٗ بِهٖ فَنُسِخَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَاَرْغَمَ اللّٰهُ اَنْفَ
الْكُفَّارِ بِنُزُوْلِ قَوْلِهٖ تَعَالٰی لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ الْاٰيَاتِ فَقَالَتِ
الصَّحَابَةُ هَنِيْئًا لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ بَيَّنَ اللّٰهُ لَكَ مَا يُفْعَلُ بِكَ فَلَيْتَ شِعْرَنَا مَا هُوَ
فَاعِلٌ بِنَا فَنَزَلَتْ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ الْاٰيَةَ
وَنَزَلَتْ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا فَهٰذِهِ الْاٰيَةُ نَزَلَتْ فِيْ اَوَائِلِ
الْاِسْلَامِ قَبْلَ بَيَانِ مَآلِ النَّبِيِّ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْكَافِرِيْنَ وَاِلَّا فَمَا خَرَجَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰی اَعْلَمَهُ اللّٰهُ فِي الْقُرْاٰنِ مَا يَحْصُلُ لَهٗ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْكَافِرِيْنَ فِيْ

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِجْمَالًا وَّتَفْصِيْلًا۔ (تفسیر صاوی، جلد چہارم، صفحہ:63)

ترجمہ: جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک اور منافق کافی خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ کیسے ہم ایسے نبی کی اتباع کریں جو یہ نہیں جانتا کہ اس کے اور ہمارے کے ساتھ کیا ہوگا؟ بے شک اسے ہم پر کوئی فضیلت نہیں، اگر وہ قرآن کو اپنی طرف سے گڑھ کر نہ کہتے ہوتے تو اُن کا بھیجنے والا ان کو بتادیتا جو کچھ ان سے معاملہ کرتا، پس یہ آیت منسوخ ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے کفار کی ناک غبار آلودہ کیا اس آیت کے نزول کے ساتھ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ، صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کو مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے بیان فرمادیا جو کچھ آپ کے ساتھ کرے گا۔ کاش! ہم بھی جانتے کہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا؟ تو یہ آیتیں اتریں:

۱۔ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔

۲۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا۔

جو آیت ابتدائے اسلام میں انجام نبی، انجام مومنین اور انجام کافرین بیان کرنے سے پہلے نازل ہوئی، ورنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت دنیا میں تشریف لائے جب کہ اللہ نے آپ کو وہ سب کچھ اجمالاً وتفصیلاً بتادیا جو دنیا وآخرت میں آپ کے ساتھ اور مومنوں وکافروں کے ساتھ ہوگا۔

اسی طرح معمولی تغیر کے ساتھ یہی عبارت تفسیر خازن، صفحہ:123 جلد چہارم میں موجود ہے۔

فائدہ: تفسیر صاوی اور تفسیر خازن سے یہ تین باتیں ثابت ہوئیں:

1- مخالفین کی پیش کردہ آیت منسوخ ہے جس سے دلیل پکڑنی کسی صورت میں جائز نہیں۔

2- اس آیت کو سن کر مشرکین اور منافقین بہت خوش ہوئے، ایسے ہی آج منکرین یہ آیت پیش کر کے بہت خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خاتمے سے (معاذ اللہ) جاہل ثابت کرلیا۔

3- ہمارے آقا اپنے حال اور ایمانداروں وکافروں کے احوالِ دنیا وآخرت کو باذن اللہ بخوبی جانتے ہیں۔ مخالفین نے تو اس آیت سے عدم علم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثابت کیا مگر اللہ کے فضل سے مفسرین کے اقوال کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ثابت ہوگیا۔

نواں وعظ: 4

مسئلہ علم غیب سے متعلق شبہات کا ازالہ

9- لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔ (سورہ توبہ)

یعنی تم انھیں نہیں جانتے بلکہ ہم انھیں جانتے ہیں۔

منکرین اس آیت سے سند پکڑتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے حال کی خبر نہیں تھی، اس لیے علم غیب کا دعویٰ غلط ہے۔

پہلا جواب: اس آیت سے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے حال کا علم بہ تعلیم الٰہی بھی نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ منافقین کے حال کو اپنی فراست ودانائی سے نہیں جانتے۔ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ زیر آیت لکھتے ہیں:

خَفِيَ عَلَيْكَ حَالُهُمْ مَعَ كَمَالِ فِطْنَتِكَ وَصِدْقِ فِرَاسَتِكَ۔ (تفسیر بیضاوی)

ترجمہ: آپ کی کامل دانائی اور سچی فراست کے باوجود منافقین کا حال آپ پر مخفی رہا۔

مگر آپ بہ تعلیم الٰہی منافقوں اور اُن کے حال کو ضرور جانتے ہیں، صاحب جمل لکھتے ہیں:

مَعْنَى الْاٰيَةِ وَاِنَّكَ يَا مُحَمَّدُ لَتَعْرِفَنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِيْمَا يُعَرِّضُوْنَ بِهٖ مِنَ الْقَوْلِ مِنْ تَهْجِيْنِ اَمْرِكَ وَاَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَتَقْبِيْحِهٖ وَالْاِسْتِهْزَاۗءِ بِهٖ فَكَانَ بَعْدَ هٰذَا لَا يَتَكَلَّمُ مُنَافِقٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا عَرَفَهٗ بِقَوْلِهٖ۔ (جمل، جلد چہارم، صفحہ:178)

ترجمہ: آیت کا معنی یہ ہے کہ یارسول اللہ! بے شک آپ منافقوں کو جانتے ہیں جو کچھ وہ آپ کے اور مسلمانوں کے امر کی برائی واستہزا وعیب کے ساتھ تعریض کرتے ہیں۔ پس اس کے بعد جو کوئی منافق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کلام کرتا تھا آپ اس کو اس کے قول سے پہچان لیتے تھے۔

دوسرا جواب: یہ آیت پہلے نازل ہوئی، اس کے بعد منافقین کا علم عطا فرمایا گیا، جیسا کہ

صاحب جمل علامہ صاوی فرماتے ہیں: فَإِنْ قُلْتَ كَيْفَ نَفٰى عَنْهُ بِحَالِ الْمُنَافِقِيْنَ هُنَا وَأَثْبَتَهُ فِيْ قَوْلِهٖ وَلَتَعْرِفَنَّ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ فَالْجَوَابُ أَنَّ آيَةَ النَّفْيِ نَزَلَتْ قَبْلَ آيَةِ الْإِثْبَاتِ فَلَا تَنَافِيْ۔ (جمل بحوالہ حاشیہ جلالین، صفحہ:165، صاوی، جلد دوم، صفحہ:141)

ترجمہ: اگر تو یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احوالِ منافقین کے علم کی نفی اس جگہ کے لیے کی گئی، حالاں کہ اس قول ولتعرفن فی لحن القول میں جاننے کا ثبوت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ نفی کی آیت اثبات کی آیت سے پہلے نازل ہوئی، اس لیے کوئی منافات نہیں ہے۔

ان دونوں تفسیروں سے ثابت ہوا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بفضل اللہ منافقین کا پورا پورا علم تھا، نیز آپ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ منافقوں اور اُن کے احوال کو بخوبی جانتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: إِنَّ مِنْكُمْ مُنَافِقِيْنَ فَمَنْ سَمَّيْتُهٗ فَلْيَقُمْ ثُمَّ قَالَ قُمْ يَا فُلَانُ فَإِنَّكَ مُنَافِقٌ حَتّٰى سَمّٰى سِتَّةً وَّثَلَاثِيْنَ۔ (تفسیر صاوی، جلد ثانی، صفحہ:141)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا کہ تم میں سے بعض منافق ہیں، پس جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہو جائے، پھر فرمایا: اے فلاں! کھڑا ہو جا تو منافق ہے، یہاں تک کہ آپ نے چھتیس منافقوں کا نام لیا۔

ایک حدیث کے یہ الفاظ ہیں: قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا فِيْ يَوْمِ جُمُعَةٍ فَقَالَ اُخْرُجْ يَا فُلَانُ فَإِنَّكَ مُنَافِقٌ، اُخْرُجْ يَا فُلَانُ فَإِنَّكَ مُنَافِقٌ فَأَخْرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ أُنَاسًا۔ (تفسیر خازن، جلد دوم، صفحہ:257)

ترجمہ: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جمعہ کے خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے فلاں! نکل جا، کیوں کہ تو منافق ہے، اے فلاں! نکل جا، کیوں کہ تو منافق ہے۔ اس طرح آپ نے مسجد سے بہت سارے آدمیوں کو نکالا۔

امید ہے کہ صاحب عقل سلیم کو اطمینان حاصل ہو گیا ہوگا کہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کا پورا علم تھا، ورنہ آپ کس طرح ان کا نام لے کر اٹھا سکتے تھے۔

10- وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّيْ وَمَا أُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا۔ (سورۂ بنی اسرائیل)

ترجمہ: وہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور تمھیں اس کا تھوڑا سا علم ملا ہے۔

منکرین نے اپنی خوش فہمی سے اس آیت سے یہ سمجھا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم نہ تھا۔

جواب اول: منکرین بھی عجیب دانشور ہیں کہ اس آیت سے علم روح کی نفی ثابت کرتے ہیں، بھلے انسانو! اس آیت میں کس لفظ کا ترجمہ ہے کہ حبیب خدا (ﷺ) کو روح کا علم نہیں تھا، اس آیت کا ترجمہ صرف اتنا ہے کہ اے محبوب! تم سے روح کی نسبت سوال کرتے ہیں تو آپ اُنھیں کہہ دیں کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم کو اس کا تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ سردار دوجہاں (ﷺ) کو روح کا علم نہیں تھا بلکہ پوچھنے والے کافروں سے فرمایا گیا کہ تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے جس کی وجہ سے تم روح کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ عبدالحق محدث دہلوی یہی بیان کرتے ہیں کہ علامت نبوت جو مقرر تھی وہ روح کی خبر نہ دینا تھی، نہ کہ روح کو نہ جاننا، کیوں کہ خبر نہ دینا اور ہے اور نہ جاننا اور ہے۔ (مدارج، ج:2، ص:56)

جواب دوم: علمائے محققین کا فیصلہ اس مسئلے میں یہ ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم حاصل تھا۔ دیکھو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَلَا تَظُنَّ أَنَّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ مَكْشُوْفًا لِّرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ مَنْ لَّمْ يَعْرِفِ الرُّوْحَ فَكَأَنَّهٗ لَمْ يَعْرِفْ نَفْسَهٗ وَمَنْ لَّمْ يَعْرِفْ نَفْسَهٗ فَكَيْفَ يَعْرِفُ رَبَّهٗ سُبْحَانَهٗ وَلَا يَبْعُدُ أَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ مَكْشُوْفًا لِّبَعْضِ الْأَوْلِيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ۔ (احیاء العلوم، جلد اول، صفحہ:106)

یعنی یہ گمان نہ کر کہ روح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ظاہر نہ تھی، کیوں کہ جو روح کو نہیں جانتا، گویا اس نے اپنے نفس کو نہ جانا اور جو اپنے نفس کو نہ جانے وہ اللہ کو کس طرح پہچان سکتا ہے؟ یہ بھی بعید نہیں کہ روح بعض اولیا وعلما پر ظاہر ہو۔

علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لَيْسَ فِي الْآيَةِ دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يُطْلِعْ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حَقِيْقَةِ الرُّوْحِ بَلْ يَحْتَمِلُ أَنْ يَّكُوْنَ أَطْلَعَهٗ وَلَمْ يَأْمُرْهُ أَنْ يُّطْلِعَهُمْ۔ (الانوار محمدیہ، صفحہ:145)

یعنی آیت مبارکہ میں یہ کہیں نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حقیقت روح پر مطلع نہیں فرمایا بلکہ یہ احتمال ہے کہ آپ کو اطلاع دی ہے، لیکن آگے اطلاع دینے کا امر نہیں فرمایا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا فیصلہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان مختصر تو جواب اول میں تھا اب ان کا ایمان افروز فیصلہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے: چگونہ جرأت کند مومن عارف کہ نفی علم بحقیقت روح از سید المرسلین وامام العارفین صلی اللہ علیہ وسلم کند، دادہ است اوراحق سبحانہ علم ذات و فتح مبین از علوم اولین وآخرین روحِ انسانی چہ باشد کہ درجنب حقیقت جامعہ وے، قطرہ است از دریا وذرّہ است از بیدا۔ (مدارج، جلد دوم، صفحہ:56)

یعنی مومن عارف یہ ہمت کس طرح کرسکتا ہے کہ سیدالمرسلین امام العارفین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے حقیقتِ روح کی نفی کرے، حالاں کہ ان کو حق سبحانہ نے اپنی ذات وصفات کا علم عطا فرمایا ہے اور ان پر اولین وآخرین کے علوم واضح طور پر کھول دیے، تو ان کی حقیقت جامعہ کے مقابل روح انسانی کی کیا حقیقت ہے؟ یہ (علم روح) تو (اس) دریا کا ایک قطرہ ہے اور جنگل کا ایک ذرّہ ہے۔

فائدہ: سبحان اللہ! شیخ کی اس مبارک اور نورانی عبارت سے ایمان کی کلیاں شگفتہ ہوجاتی ہیں اور منکرین کے شبہات کا قلع قمع ہوجاتا ہے، نیز یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ روح کا علم سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے دریائے علم کا ایک قطرہ ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ مومن کامل اپنے آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے علم کی نفی کی جرأت نہ کرسکے گا، اس سے منکرین خود اپنے آپ کو سمجھ لیں کہ وہ کون ہیں؟

امام شعرانی کا فیصلہ

اس تعلق سے امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرتے ہیں:

اُوْتِیَ عِلْمُ کُلِّ شَیْءٍ حَتَّی الرُّوْحِ۔ (کشف الغمہ، جلد دوم، صفحہ:44)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر شئے کا علم عطا فرمایا گیا یہاں تک کہ روح کا علم بھی۔

11- یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰھَا۔ (سورۂ نازعات)

یعنی تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لیے ٹھہری ہے، تو تمھیں اس کے بیان سے کیا تعلق؟

منکرین اس آیت کو اپنے دعویٰ کی دلیل بناتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم نہ تھا کہ کب ہوگی، اس لیے علم غیب آپ کو حاصل نہیں، اہل سنت نے اس کے کئی جواب دیے ہیں:

جواب اول: یہ آیت علم قیامت عطا ہونے سے پہلے کی ہے بعد میں یہ علم عطا کیا گیا، علامہ صاوی فرماتے ہیں: ھٰذَا قَبْلَ اِعْلَامِهٖ بِوَقْتِھَا فَلَا یُنَافِیْ اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَخْرُجْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَعْلَمَهُ اللّٰہُ بِجَمِیْعِ مُغَیَّبَاتِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ لٰکِنْ اُمِرَ بِکَتْمِ اَشْیَآءَ مِنْھَا کَمَا تَقَدَّمَ التَّنْبِیْهُ عَلَیْهِ غَیْرَ مَرَّۃٍ۔ (صاوی، جلد چہارم، صفحہ:245)

ترجمہ: یہ آیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے وقت کی خبر دینے سے پہلے کی ہے، لہٰذا یہ اس قول کے خلاف نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہ لے گئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا وآخرت کے تمام علم بتادیے، لیکن ان چیزوں کو چھپانے کا حکم دیا گیا جیسا کہ اس پر کئی مرتبہ تنبیہ گزرچکی ہے۔

جواب دوم: اس آیت سے کفار سائلین کو روکنا مقصود ہے کہ تمہارا یہ سوال لغو ہے، آپ کے علم کی نفی مقصود نہیں، جیسا کہ علامہ خازن اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: وَقِیْلَ مَعْنَاہُ فِیْمَا اِنْکَارٌ لِسُؤَالِھِمْ اَیْ فِیْمَا ھٰذَا السُّؤَالُ ثُمَّ قَالَ اَنْتَ یَا مُحَمَّدُ مِنْ ذِکْرَاھَا اَیْ مِنْ عَلَامَتِھَا لِاَنَّكَ اٰخِرُ الرُّسُلِ فَکَفَاھُمْ ذٰلِكَ دَلِیْلًا عَلٰی دُنُوِّھَا۔ (تفسیر خازن، جلد چہارم، صفحہ:352)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ فِیْمَا کا مطلب کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی ان کا سوال کرنا کس شمار میں ہے؟ پھر فرمایا: اے محمد! (ﷺ) یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں، کیوں کہ آپ آخری رسول ہیں، پس قیامت کے قریب ہونے پر یہ دلیل کافی ہے۔

اسی طرح علامہ نسفی مدارک میں لکھتے ہیں:

أَوْفِيْمَ إِنْكَارٌ لِسُؤَالِهِمْ عَنْهَا أَيْ فِيْمَ هٰذَا السُّؤَالُ ثُمَّ قَالَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا أَيْ إِرْسَالُكَ وَأَنْتَ اٰخِرُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَامَةٌ مِنْ عَلَامَاتِهَا فَلَا مَعْنٰى لِسُؤَالِهِمْ عَنْهَا۔

ترجمہ: یافیم قیامت کے بارے میں کفار کا جو سوال ہے اس کا انکار ہے، یعنی یہ سوال کس شمار میں ہے؟ پھر فرمایا کہ یہ آپ اس کی نشانیوں سے ہیں، کیوں کہ آپ آخری نبی ہیں اور قیامت کی نشانیوں سے ایک نشانی بھی، پس قیامت سے سوال کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں۔

فائدہ: ان دونوں تفسیروں کا ماحصل یہ ہے کہ کفار کا قیامت کے متعلق سوال کرنا لغو ہے، آپ اس کی علامت ہیں تو وہ پھر کیوں پوچھتے ہیں؟ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے علم قیامت کی نفی کہاں ہے کہ منکرین کا دعویٰ ثابت ہو؟

جواب سوم: علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی ایک یہ تفسیر بیان کی ہے: قِيْلَ فِيْمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا مُتَّصِلٌ بِالسُّؤَالِ أَيْ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسٰهَا وَيَقُوْلُوْنَ أَيْنَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا ثُمَّ اسْتَانَفَ فَقَالَ إِلٰى رَبِّكَ۔ (تفسیر مدارک، جلد چہارم، صفحہ:352)

ترجمہ: کہا گیا کہ فِيْمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا سوال سے متصل ہے، یعنی کفار آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا قیام کب ہوگا اور کہتے ہیں کہ آپ کو اس کا علم کہاں سے آیا ہے، پھر رب نے اپنی بات شروع کی تیرے رب کی طرف سے۔

الحاصل کفار نے پوچھا کہ آپ کو یہ علم کہاں سے حاصل ہوا ہے؟ فرمایا گیا اللہ کی طرف سے۔

اس تفسیر سے یہ ثابت ہوا کہ آپ کو علم قیامت ہے، جس کی مخالفین نفی کرتے ہیں:

12- يَسْئَلُوْنَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ (سورۂ اعراف)

ترجمہ: وہ آپ سے ایسا پوچھتے ہیں گویا آپ نے اُسے خوب تحقیق کر رکھا ہے، آپ کہہ دیں کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

منکرین اس آیت کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم قیامت نہیں ہے، اس شبہ کے بھی دو جواب ہیں جو علمائے اہل سنت نے ذکر فرمائے ہیں:

جواب اول: اس آیت میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے کہ جس کا یہ معنی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو علم قیامت نہیں سکھایا، صرف یہ ہے کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو

ہے اور اس میں علم قیامت عطا کرنے کی نفی کہاں ہے کہ منکرین کو مفید ہو؟

جواب دوم: یہ آیت علم قیامت عطا کرنے سے پہلے کی ہے، علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَالَّذِيْ يَجِبُ الْإِيْمَانُ بِهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْتَقِلْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى أَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيْعِ الْمُغَيَّبَاتِ الَّتِيْ تَحْصُلُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَهُوَ يَعْلَمُهَا كَمَا هِيَ عَيْنَ يَقِيْنٍ كَمَا وَرَدَ رُفِعَتْ لِيَ الدُّنْيَا فَأَنَا أَنْظُرُ فِيْهَا كَمَا أَنْظُرُ إِلٰى كَفِّيْ هٰذَا۔ (تفسیر صاوی، جلد دوم، صفحہ:97)

ترجمہ: جس پر ایمان لانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے منتقل نہیں ہوئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام وہ غائب چیزیں بتادیں جو کہ دنیا و آخرت میں ہوں گی۔ پس آپ ان کو جانتے ہیں جس طرح کہ وہ عین الیقین ہیں، کیوں کہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ ہمارے سامنے دنیا پیش کی گئی، پس ہم اس میں اس طرح دیکھ رہے ہیں، جیسے اپنی اس ہتھیلی کو۔

امید ہے کہ اس تفسیر سے منکرین کے دل ضرور ٹھنڈے ہو گئے ہوں، ورنہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

12- يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ۔ (سورۂ اعراف)

یعنی آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب ہوگی ہے؟ آپ کہہ دیں کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

اس آیت سے بھی مخالفین استدلال کرتے ہیں کہ آپ (ﷺ) کو قیامت کا علم نہیں ہے، اس کا وہی سابقہ جواب ہے کہ اس میں علم عطا فرمانے کی نفی نہیں ہے۔ دوسرے یہ آیت پہلے نازل ہوئی اور قیامت کا علم بعد میں عطا فرمایا گیا، چنانچہ اب نہ کوئی شبہ باقی بچتا ہے اور نہ کوئی اعتراض۔

☆☆☆

دسواں وعظ:5

مسئلہ علم غیب سے متعلق شبہات کا ازالہ

14-اِنَّ اللہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ وَیَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَکۡسِبُ غَدًا وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ اِنَّ اللہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ۔

(سورۂ لقمان، آیت:34)

ترجمہ: قیامت کا علم اللہ کے پاس ہے، وہ بارش اتارتا ہے اور جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے وہ جانتا ہے اور کوئی جان یہ نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی؟ بے شک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔

یہ آیت شریفہ منکرین کی بڑی دستاویز ہے کہ اس کو ہمیشہ چھوٹا بڑا بے سمجھے پڑھ دیا کرتے ہیں اور ان کا یہ زعم ہے کہ یہ آیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع اشیا کے عالم نہ ہونے پر نص ہے، جو مخالفین کی ایک خوش فہمی ہے، ورنہ اس آیت سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا، کیوں کہ اس میں صرف اتنا ہے کہ ان پانچ چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس میں اس بات کی نفی ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا علم کسی کو عطا بھی نہیں فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ مفسرین، محدثین اور اولیائے کرام کے ارشادات مبارکہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ان پانچوں چیزوں کو بعطائے الٰہی بالیقین جانتے ہیں۔

مفسرین کے ارشادات

علامہ صاوی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: اَیۡ مِنۡ حَیۡثُ ذَاتِہَا وَاَمَّا بِاِعۡلَامِ اللہِ لِلۡعَبۡدِ فَلَا مَانِعَ مِنۡہُ کَالۡاَنۡبِیَاءِ وَبَعۡضِ الۡاَوۡلِیَاءِ قَالَ تَعَالٰی فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَلَا مَانِعَ مِنۡ کَوۡنِ اللہِ یُطۡلِعُ بَعۡضَ عِبَادِہِ الصَّالِحِیۡنَ عَلٰی بَعۡضِ ہٰذِہِ

الۡمُغَیَّبَاتِ فَتَکُوۡنُ مُعۡجِزَۃً لِّلنَّبِیِّ وَکَرَامَۃً لِّلۡوَلِیِّ وَلِذٰلِکَ قَالَ الۡعُلَمَاءُ الۡحَقُّ اِنَّہٗ لَمۡ یَخۡرُجۡ نَبِیُّنَا مِنَ الدُّنۡیَا حَتّٰی اَطۡلَعَہٗ عَلٰی تِلۡکَ الۡخَمۡسِ وَلٰکِنَّہٗ اُمِرَ بِکَتۡمِہَا۔

(تفسیر صاوی، جلد سوم، صفحہ:251)

یعنی ان باتوں کو کوئی اپنے آپ نہیں جانتا، لیکن اللہ تعالیٰ کے بتانے سے کسی بندے کا جاننا اس سے کوئی مانع نہیں جیسے کہ انبیا اور بعض اولیا۔ رب نے فرمایا ہے کہ اپنے غیب پر برگزیدہ رسولوں کے سوا کسی کو مطلع نہیں فرماتا، اس لیے اگر اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کو بعض غیبوں پر مطلع فرمادے تو کوئی مانع نہیں، پس یہ علم نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت ہوگی، اسی لیے علمانے فرمایا ہے کہ حق یہ ہے کہ سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ ان کو پانچوں باتوں پر رب تعالیٰ نے مطلع فرمادیا، لیکن آپ ان کے چھپانے پر مامور تھے۔

حضرت ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ استاذ مکرم اورنگ زیب اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

وَلَکَ اَنۡ تَقُوۡلَ اَنَّ عِلۡمَ ہٰذِہِ الۡخَمۡسَۃِ وَاِنۡ کَانَ لَا یَعۡلَمُہَا اَحَدٌ اِلَّا اللہُ لٰکِنۡ یَجُوۡزُ اَنۡ یُّعَلِّمَہَا مَنۡ یَّشَاءُ مِنۡ مُّحِبِّیۡہِ وَاَوۡلِیَآئِہٖ بِقَرِیۡنَۃِ قَوۡلِہٖ تَعَالٰی اِنَّ اللہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ بِمَعۡنَی الۡمُخۡبِرِ۔

(تفسیر احمدی)

یعنی آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ واقعی ان پانچ امور کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، لیکن اس کے لیے روا ہے کہ ان پانچ علوم کو اپنے محبوبین واولیا میں سے جن کو چاہے عطا کردے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ بے شک اللہ جاننے والا اور خبر دینے والا ہے۔

صاحب تفسیر روح البیان اسی آیت کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: وَمَا رُوِیَ عَنِ الۡاَنۡبِیَاءِ وَالۡاَوۡلِیَاءِ مِنَ الۡاَخۡبَارِ عَنِ الۡغُیُوۡبِ فَبِتَعۡلِیۡمِ اللہِ اِمَّا بِطَرِیۡقِ الۡوَحۡیِ اَوۡ بِطَرِیۡقِ الۡاِلۡہَامِ وَالۡکَشۡفِ وَکَذَا اَخۡبَرَ بَعۡضُ الۡاَوۡلِیَاءِ عَنۡ نُزُوۡلِ الۡمَطَرِ وَاَخۡبَرَ عَمَّا فِی الرَّحِمِ مِنۡ ذَکَرٍ وَّاُنۡثٰی فَوَقَعَ کَمَا اَخۡبَرَ۔

(روح البیان، جلد:7، صفحہ:105)

ترجمہ: جو غیب کی خبریں دینا انبیا واولیا سے مروی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے ہے، یا پھر وحی یا الہام کے طریقے سے یا کشف سے اور اسی طرح بعض اولیا نے بارش آنے کی خبر دی اور بعض نے رحم مادر میں لڑکے یا لڑکی کی خبر دی تو وہی ہوا جو انھوں نے خبر دیا تھا۔

فائدہ: ان تفسیروں سے واضح ہو گیا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے کرام ان علوم خمسہ کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے جانتے ہیں، اب منکرین کا مزعوم، مردود ہو گیا۔

اکابر علمائے ملت کے ارشادات

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ زیر آیت فرماتے ہیں:

مراد آنست کہ بے تعلیم الٰہی بحساب عقل ہیچ کس انہا را نداند و آنہا از امور غیب اند کہ جز خدا کسے آنرا نداند مگر آنکہ وے تعالیٰ از نزد خود کسے رابدانا ند بوحی والہام۔

مرادہ ہے کہ بغیر تعلیم الٰہی، اٹکل سے کوئی شخص ان کو نہیں جانتا اور وہ امور غیب ہیں کہ اللہ کے سوا اُن کو کوئی نہیں جانتا مگر یہ کہ خود اللہ تعالیٰ جس کسی کو چاہے وحی اور الہام سے بتادے۔

فائدہ: شیخ محدث علیہ الرحمہ کی اس عبارت سے ایک ادنیٰ پڑھا لکھا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ان امور خمسہ کا علم عطا فرمایا ہے، لہٰذا منکرین کا استدلال باطل ہوا۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اُوْتِیَ عِلْمَ کُلِّ شَیْءٍ حَتَّی الرُّوْحِ وَالْخَمْسِ الَّتِیْ فِیْ اٰیَۃِ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ۔ (کشف الغمہ، جلد دوم، صفحہ:44)

ترجمہ: سرکار کو ہر شئے کا علم عطا فرمایا گیا یہاں تک کہ روح اور امور خمسہ جو ان اللہ عندہ علم الساعۃ میں مذکور ہیں۔

فائدہ: امام شعرانی نے تو منکرین کا منہ بالکل سیاہ کر دیا ہے کہ روح اور امور خمسہ کا علم بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، منکرین کی بقیہ جان کو بھی جلا کر راکھ کر دیا۔

اولیائے کرام کے ارشادات

شیخ عبدالعزیز عارف رحمۃ اللہ علیہ شیخ ومرشد احمد بن مبارک فرماتے ہیں: قُلْتُ لِلشَّیْخِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَاِنَّ عُلَمَاءَ الظَّاهِرِ مِنَ الْمُحَدِّثِیْنَ وَغَیْرِهِمْ اِخْتَلَفُوْا فِی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ هَلْ کَانَ یَعْلَمُ الْخَمْسَ الْمَذْکُوْرَاتِ فِیْ قَوْلِہٖ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ الایۃ فَقَالَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَعَنْ سَادَتِنَا الْعُلَمَاءِ وَکَیْفَ یَخْفٰی اَمْرُ الْخَمْسِ عَلَیْہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْوَاحِدُ مِنْ اَهْلِ التَّصَرُّفِ مِنْ اُمَّتِہِ الشَّرِیْفَۃِ لَا یُمْکِنُہُ التَّصَرُّفُ اِلَّا بِمَعْرِفَۃِ هٰذِہِ الْخَمْسِ۔ (ابریز، صفحہ:167)

یعنی میں نے اپنے شیخ عبدالعزیز عارف سے عرض کیا کہ علمائے ظاہر یعنی محدثین وغیرہ کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ آپ (ﷺ) کو ان پانچ امور کا علم تھا جو اس آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ میں مذکور ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ ان پانچ امور کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے مخفی رہ سکتا ہے جب کہ ایک صاحب تصرف اُمتی سے بغیر ان پانچ امور کے علم کے تصرف ممکن نہیں۔

سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مبارک ارشاد: فَهُوَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ مِّنَ الْخَمْسِ الْمَذْکُوْرَۃِ فِی الْاٰیَۃِ الشَّرِیْفَۃِ وَکَیْفَ یَخْفٰی عَلَیْہِ وَالْاَقْطَابُ السَّبْعَۃُ مِنْ اُمَّتِہِ الشَّرِیْفَۃِ یَعْلَمُوْنَهَا وَهُمْ دُوْنَ الْغَوْثِ فَکَیْفَ بِالْغَوْثِ فَکَیْفَ بِسَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ الَّذِیْ هُوَ سَبَبُ کُلِّ شَیْءٍ وَمِنْہُ کُلُّ شَیْءٍ۔ (ابریز، صفحہ:318)

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ان پانچ امور میں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں اور آپ پر یہ امور کیسے مخفی ہو سکتے ہیں، حالاں کہ آپ کی امت کے سات قطب ان کو جانتے ہیں، وہ غوث سے کم مرتبہ ہیں، پس غوث کا کیا پوچھنا اور پھر سید اولین وآخرین کا کیا کہنا جو ہر چیز کے سبب ہیں اور جن سے ہر چیز ہے۔

فائدہ: ان دونوں مبارک ارشادات سے واضح ہو گیا کہ حضور اور اُن کے خدام بھی اللہ کے اذن سے ان پانچوں امور کے عالم ہیں۔

حضرات! ان مذکورہ تصریحات سے ثابت ہو گیا ہے کہ ان امور خمسہ کا علم پیارے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطے سے آپ کے نیاز مند اولیا کو بھی حاصل ہے۔ اب مزید اطمینان کے لیے جدا جدا ثابت کیا جاتا ہے کہ ان پانچوں میں سے ہر ایک کا علم سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور قیامت کے سوا اور چیزوں کی خبریں بھی آپ نے سنائی ہیں، مثلاً:

قیامت کا علم

صاحب تفسیر روح البیان زیر آیت یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسھا کے تحت لکھتے ہیں: قَدْ ذَهَبَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ اِلٰی اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَعْرِفُ وَقْتَ

السَّاعَةِ بِإِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ لَا يُنَافِي الْحَصْرَ فِي الْاٰيَةِ كَمَا لَا يَخْفٰى۔

(روح البیان، جلد دوم، صفحہ:289)

ترجمہ: بعض مشائخ اس طرف گئے ہیں کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے وقت کو اللہ تعالیٰ کے بتانے سے پہچانتے تھے اور یہ حصر کے منافی نہیں جو آیت میں ہے۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم حاصل ہے۔

مینہ برسنے کا علم

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مینہ برسنے کی خبر قبل از وقت سنائی اور قبل از وقت بھی کیسی، سیکڑوں سال پہلے۔

مافی الارحام کا علم

اسی طرح ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مافی الارحام کی بھی خبر دی، یعنی قبل پیدائش بتا دیا کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی، چنانچہ امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیدا ہونے کی خبر سنائی جو بعد میں پیدا ہوں گے، یہ صحیح حدیثوں میں مذکور اور عوام الناس میں مشہور ہے۔ یہ خبر آپ نے لڑکا پیدا ہونے کی اس وقت دی جب کہ نطفہ باپ کی پشت میں نہیں بلکہ اس سے بھی بہت پہلے۔ ایسے ہی سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پیدا ہونے کی خبر دی، جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے کہ ام فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جناب محمد رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے آج شب ایک نہایت ناپسند خواب دیکھا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کیا؟ عرض کیا وہ بہت سخت ہے، فرمایا کیا ہے؟ عرض کیا: میں نے دیکھا ہے کہ گویا ایک ٹکڑا حضور والا کے جسم اقدس سے کاٹا گیا اور میری گود میں رکھا گیا، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رَأَيْتِ خَيْرًا تَلِدُ فَاطِمَةُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ غُلَامًا يَكُوْنُ فِيْ حِجْرِكِ فَوَلَدَتْ فَاطِمَةُ الْحُسَيْنَ فَكَانَ فِيْ حِجْرِيْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:572)

یعنی تو نے اچھا خواب دیکھا ہے، ان شاء اللہ فاطمہ کے ہاں لڑکا ہوگا اور تیری گود میں ہوگا

پس حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حسین کو جنا اور وہ میری گود میں آیا جیسے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

حضور کے خدام بھی جانتے ہیں کہ پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، بستان المحدثین میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے والد کی اولاد زندہ نہ رہتی تھی، وہ ایک دن شکستہ خاطر اور رنجیدہ دل ہو کر شیخ کی خدمت میں پہنچے، شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تیری پشت سے ایک فرزند پیدا ہوگا جو اپنے علم سے دنیا کو مالا مال کردے گا۔ (بستان المحدثین، صفحہ:194)

اب ذرا انصاف فرمائیے کہ ایک ولی کو تو خبر ہے کہ بیٹا ہوگا اور اس کا عالم ہونا بھی معلوم، مگر یہ کہنا کہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہیں کہ پیٹ میں کیا ہے کتنا ظلم وستم ہے۔

کل کا علم

منکرین کا یہ قول کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کل کی بات کا علم نہیں، عجیب مضحکہ خیز ہے، کل کی بات الگ ہے، آپ نے قیامت کی خبریں دے دیں تو کیا کل کی بات باقی رہ گئی۔

حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الْفَجْرَ وَصَعِدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الظُّهْرُ فَنَزَلَ فَصَلّٰى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قَالَ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا۔ (مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:543)

ترجمہ: ایک روز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی، پھر منبر پر چڑھ کر ہم سب کو ایک خطبہ دیا، یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوگیا پھر اتر کر نماز ادا کی پھر منبر پر چڑھے اور ہمیں خطبہ دیا، یہاں تک کہ عصر آگئی پھر اترے اور نماز ادا کی، پھر منبر پر خطبہ دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا، پس آپ نے ہم کو اس کی خبر دی جو قیامت تک ہونے والا ہے۔ پس ہم میں وہی سب سے زیادہ عالم ہے جو سب سے زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔

فائدہ: جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کی خبریں دیں، اس سے کل کی بات کب پوشیدہ ہو سکتی ہے؟ مگر مخالفین اور منکرین ایسے ضدی ہیں کہ ایسی صریح حدیث کو بھی تسلیم نہیں

کرتے ،اب ہم ایک ایسی حدیث ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جس میں صاف لفظ غد موجود ہو اور
حضور فرمائیں کہ میں کل کی بات جانتا ہوں۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
سرکار نے یوم خیبر کو فرمایا: لَاُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:563)

یعنی میں کل جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر ضرور فتح دے گا اور وہ
شخص اللہ ورسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ ورسول اس کو دوست رکھتے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث پاک سے نصف النہار کی طرح واضح ہے کہ ہمارے آقا ومولیٰ نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات باذن اللہ جانتے ہیں۔

یوم وصال کا علم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ جانتے تھے کہ خود اور
دوسرے کہاں وفات پائیں گے، چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے وقت خود
بہ نفس نفیس ان کے ساتھ وصیت فرماتے ہوئے تشریف لائے اور جب وصیت فرما چکے، تو ارشاد
فرمایا: يَا مُعَاذُ اِنَّكَ عَسٰى اَنْ لَّا تَلْقَانِيْ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا وَلَعَلَّكَ اَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِيْ هٰذَا وَقَبْرِيْ
فَبَكٰى مُعَاذٌ لِفِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:445)

ترجمہ: اے معاذ! قریب ہے کہ اس سال کے بعد مجھ سے تیری ملاقات نہ ہو اور شاید تو
میری اس مسجد اور قبر پر گزرو، یہ سن کر حضرت معاذ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں
رونے لگے۔

اس مبارک حدیث سے دو امر بخوبی ثابت ہوتے ہیں: ایک یہ کہ آقا ومولیٰ رحمۃ للعالمین
علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم تھا کہ میرا وصال اسی سال ہوگا۔ دوسرے یہ کہ میری قبر انور اسی مدینہ
اور مسجد نبوی کے پاس ہی بنے گی۔

اس سے ثابت ہوا کہ رسول پاک جانتے ہیں کہ کس جگہ میرا وصال ہوگا۔

مقام موت کا علم

اللہ جل شانہ کے فضل وکرم سے ہمارے آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ لوگ
کس جگہ مریں گے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرِيْنَا مَصَارِعَ اَهْلِ بَدْرٍ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا اِنْ
شَاءَ اللّٰهُ وَهٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ قَالَ عُمَرُ وَالَّذِيْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ مَا اَخْطَؤُوا
الْحُدُوْدَ الَّتِيْ حَدَّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:543)

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ایک دن پہلے اہل بدر کے گرنے اور مرنے کی جگہ
دکھاتے تھے اور فرماتے کہ کل یہ فلاں کے گرنے اور مرنے کی جگہ ہے اگر اللہ نے چاہا اور یہ فلاں
کا مقام ہے ان شاء اللہ۔ حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچ کے
ساتھ بھیجا، انھوں نے خطا نہیں کی ان حدود سے جو آپ نے معین فرمائی تھیں۔

فائدہ: الغرض رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے دست اقدس سے معین فرمادیا کہ فلاں
مشرک کل کو اس جگہ مرا پڑا ہوگا اور فلاں مشرک فلاں جگہ پر۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:
ایک تو یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ کل کو کیا ہوگا اور دوسرے یہ کہ کون کہاں مرے گا، یعنی ما فی غد اور
بای ارض تموت کا علم اللہ جل شانہ نے آپ کو مرحمت فرمایا ہے۔

☆☆☆

گیارہواں وعظ:1

منکرین کے شبہات اوران کے جوابات

منکرین، نفی علم غیب کے ثبوت میں بہت سی احادیث مبارکہ پیش کرتے ہیں، ان کے جوابات شُرّاح اوراکابرعلما کے اقوال کی روشنی میں دیا جائے گا۔

۱۔ مشکوٰۃ باب اعلان النکاح کی پہلی حدیث ہے کہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

جَاءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ حِیْنَ بُنِیَ عَلَیَّ فَجَلَسَ عَلٰی فِرَاشِیْ کَمَجْلِسِكَ مِنِّیْ فَجَعَلَتْ جُوَیْرَاتٌ لَنَا یَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ وَ یَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ اٰبَائِیْ یَوْمَ بَدْرٍ اِذْ قَالَتْ اِحْدٰھُنَّ وَفِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ فَقَالَ دَعِیْ ھٰذِہٖ وَ قُوْلِیْ بِالَّذِیْ کُنْتِ تَقُوْلِیْنَ۔

(بخاری، مشکوٰۃ، ص:201)

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اندر داخل ہوئے جب مجھے خاوند کے گھر بھیجا گیا، پھر آپ میری طرف توجہ فرما کر فرش پر اچھی طرح بیٹھ گئے، اس کے بعد ہماری لڑکیاں شروع ہوئیں، وہ دف بجاتی تھیں اور ندبہ کرتی تھیں، میرے ان آباواجداد کے لیے جو بدر میں قتل کیے گئے کہ اچانک ان میں سے ایک نے کہا: ہمارے درمیان پیغمبر ہے جو جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا، یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دے اور جو تم سب کہہ رہی تھی وہی کہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا، ورنہ آپ اس کو نہ روکتے۔

جواب: یہ بھی منکروں کا ایک بڑا اعتراض ہے جس کو ان کے مرشد نے 'تقویۃ الایمان' میں بھی لکھا ہے، مگر مقام غور ہے کہ یہ مصرع خود اُن بچیوں نے تو بنایا نہیں اور نہ ہی کسی کافر ومشرک نے بنایا، کیوں کہ وہ تو آپ کو نبی ہی نہیں مانتے، یقیناً کسی صحابی کا بنایا ہوا ہوگا، مگر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ نے نہ تو شعر کی مذمت کی اور نہ بنانے والے کو کافر ومشرک کہا، نہ ہی لڑکیوں کو توبہ اور تجدید اسلام کے لیے ارشاد فرمایا، اگر یہ مصرع بقول منکرین مشرکانہ ہوتا تو ضرور سختی سے روکتے

اور توبہ وتجدید اسلام کا حکم فرماتے۔ پتہ چلا کہ یہ اعتقاد ہرگز شرک نہیں، آپ نے فقط اس شعر کے گانے سے روکا اور کیوں روکا؟ اس کی وجہ شارحین حدیث نے بیان فرمادی ہے۔ ملا علی قاری حنفی مرقات میں لکھتے ہیں: اِنَّمَا مَنَعَ لِقَوْلِھَا وَفِیْنَا نَبِیٌّ اَلِکَرَاھَۃِ نِسْبَۃِ عِلْمِ الْغَیْبِ اِلَیْہِ لِاَنَّہٗ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اِنَّمَا یَعْلَمُ الرَّسُوْلُ مِنَ الْغَیْبِ مَا اَعْلَمَہٗ اَوْلِکَرَاھَۃِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْ اَثْنَاءِ ضَرْبِ الدُّفِّ وَ اَثْنَاءِ مَرْثِیَّۃِ الْقَتْلٰی لِعُلُوِّ مَنْصَبِہٖ عَنْہُ۔ (مرقات حاشیہ مشکوٰۃ، ص:271)

ترجمہ: بے شک ان لڑکیوں کے قول وفینا نبی.... سے علم غیب (ذاتی) کو مکروہ سمجھنے کے سبب منع فرمایا، کیوں کہ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، حالاں کہ واقعی رسول پاک اس حد تک غیب جانتے ہیں جو اللہ نے انھیں بتایا ہے، یا یہ ناپسند کیا کہ آپ کا ذکر دف بجانے اور مقتولین کے مرثیے کے درمیان کیا جائے، کیوں کہ آپ کا درجہ اس سے اعلیٰ ہے۔

شیخ محقق عبدالحق محدیث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کی شرح میں لکھتے ہیں:

گفتہ اند کہ منع آں حضرت ازیں قول بجہت آنست کہ دروے اسناد علم غیب است بآنحضرت پس آنحضرت را ناخوش آمد وبعضے گویند بجہت آنست کہ ذکر شریف وے دراثنائے لہو مناسب نہ باشد۔ (اشعۃ اللمعات، جلد ثالث، صفحہ:117)

ترجمہ: شارحین نے کہا کہ آپ کا منع فرمانا اس لیے تھا کہ اس میں علم غیب کی نسبت حضور کی طرف ہے، اس لیے آپ کو پسند نہ آیا اور بعض نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کا ذکر مبارک کھیل کود میں مناسب نہیں ہے۔

فائدہ: اس سے ظاہر ہوگیا کہ منع کی یہ وجہ نہ تھی کہ آپ کو علم ما فی غد نہ تھا بلکہ اس کی وجہ مذکورہ بالا تھی، کیوں کہ پچھلے صفحات میں علم ما فی غد آپ کے لیے ثابت ہو چکا ہے۔

حضرت رافع بن خدیج بیان کرتے ہیں: قَدِمَ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ وَھُمْ یَأْبِرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ مَا تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا کُنَّا نَصْنَعُہٗ قَالَ لَعَلَّکُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوْا کَانَ خَیْرًا فَتَرَکُوْہُ فَنَقَصَتْ قَالَ فَذَکَرُوْا ذٰلِكَ لَہٗ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِنْ اَمْرِ دِیْنِکُمْ فَخُذُوْا بِہٖ وَ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِنْ رَأْیِیْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ۔ (مسلم، مشکوٰۃ، ص:28)

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ وہاں کھجور کے نر درخت کی شاخ، مادہ درخت سے ملایا کرتے تھے، یہ دیکھ کر فرمایا کہ کیا کرتے ہو؟ لوگوں نے عرض

کیا کہ ہم ہمیشہ یہ کام کرتے ہیں، فرمایا: اگر تم یہ کام نہ کرو تو بہتر ہو، پس لوگوں نے اس کام کو چھوڑ دیا جس سے کھجور کا پھل کم ہوگیا۔ راوی کا بیان ہے کہ لوگوں نے آپ کی خدمت میں اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میں انسان ہوں، جب میں تم کو کسی دینی امر کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جس وقت میں اپنی رائے سے کسی بات کا حکم دوں تو بے شک میں انسان ہوں۔

بعض روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: أَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَا کُمْ۔

یعنی تم دنیاوی امور خوب جانتے ہو۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ آپ کو یہ علم نہ تھا کہ درخت کو جوڑ نہ لگانے سے پھل گھٹ جائیں گے، نیز انصار کا علم آپ سے زیادہ ثابت ہوا۔

جواب: سید دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ أنتم اعلم بامور دنیا کم۔ اس سے مطلب لینا کہ آپ کو علم نہ تھا بالکل غلط ہے، بلکہ آپ کا یہ فرمان اظہار ناراضگی تھا کہ جب تم صبر نہیں کرتے تو دنیاوی معاملات تم جانو، جیسا کہ ہم کسی سے کوئی بات کہیں اور وہ اس میں کچھ تامل کرے تو کہتے ہیں کہ بھائی تم جانو اور تمہارا کام جانے، اس سے علم کی نفی مقصود نہیں ہوتی، اگر انصار ایک دوسال صبر کرتے تو ضرور ان کو فائدہ ہوتا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَ خَصَّہُ اللّٰہُ مِنَ الْاِطِّلَاعِ عَلٰی جَمِیْعِ مَصَالِحِ الدُّنْیَا وَالدِّیْنِ وَ سْتُشْکِلُ بِاَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَ جَدَ الْاَنْصَارَ یُلَقِّحُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ لَوْ تَرَکْتُمُوْہُ فَتَرَکُوْہُ فَلَمْ یَخْرُجْ شَیْئًا اَوْ خَرَجَ شَیْئًا فَقَالَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَا کُمْ قَالَ الشَّیْخُ السِّنُوْسِیُّ اَرَادَ اَنْ یَّحْمِلَهُمْ عَلٰی خَرْقِ الْعَوَائِدِ فِیْ ذٰلِکَ اِلٰی بَابِ التَّوَکُّلِ وَ اَمَّا هُنَاكَ فَلَمْ یَمْتَثِلُوْا فَقَالَ اَنْتُمْ اَعْرَفُ بِدُنْیَاکُمْ وَلَوِ امْتَثَلُوْا وَ تَحَمَّلُوْا فِیْ سِنَةٍ اَوْ سَنَتَیْنِ لَکَفَوْا اَمَرَ هٰذِهِ الْمِحْنَةِ۔

(شرح شفا ملا علی قاری بحث المعجزات)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرمانے سے خاص فرمایا اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ آپ نے انصار کو کھجوروں کو آپس میں جوڑتے ہوئے پایا تو فرمایا کہ اگر تم اس کو چھوڑ دیتے (تو اچھا تھا)، انھوں نے اس کو چھوڑ دیا تو کچھ پھل نہ آیا، یا ناقص پھل آیا تو فرمایا کہ تم اپنے دنیاوی امور کو خوب جانتے ہو۔ شیخ سنوسی نے فرمایا کہ آپ نے

چاہا تھا کہ ان کے خلاف عادات کام کر کے بات توکل تک پہنچادیں مگر انھوں نے نہ مانا تو فرمادیا کہ تم جانو دنیاوی امور کو، اگر وہ مان لیتے اور ایک سال یا دوسال نقصان برداشت کر لیتے تو اس محنت سے بچ جاتے۔

یہی ملا علی قاری شرح شفا جلد دوم، ص: 338 میں لکھتے ہیں:

وَلَوْ ثَبَتُوْا عَلٰی کَلَامِہٖ لَفَاقُوْا فِی الْفَنِّ وَلَارْتَفَعَ عَنْهُمْ کُلْفَةُ الْمُعَالَجَةِ۔

اگر وہ ثابت رہتے تو اس فن میں فوقیت لے جاتے اور ان سے اس تلقیح کی محنت دور ہوجاتی۔

فائدہ: ان دونوں عبارتوں سے ظاہر ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا فرمایا تھا وہ حق اور بجا تھا، اگر اس کے موافق عمل کیا جاتا تو بے شک تمام تکلیفیں دور ہوجاتیں، نیز آپ دینی اور دنیاوی امور سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کی تشریح میں لکھتے ہیں:

شما دانا ترین بکار ہائے دنیائے خود یعنی مرا کارے والتفات باآں نیست والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دانا ترست از ہمہ در ہمہ کار ہائے دنیا و آخرت۔ (اشعۃ اللمعات، جلد اول، ص: 129)

ترجمہ: تم دنیاوی کام زیادہ جانتے ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے ان کی طرف التفات نہیں، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا و آخرت کے کاموں میں تمام سے زیادہ دانا اور واقف ہیں۔

☆☆☆

بارہواں وعظ:2

منکرین کے شبہات اوران کے جوابات

(3) عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَتْ عَائِشَةُ مَنْ اَخْبَرَكَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰی رَبَّهٗ اَوْ كَتَمَ شَيْئًا مِّمَّا اُمِرَ بِهٖ اَوْ يَعْلَمُ الْخَمْسَ الَّتِيْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْيَةَ۔ (ترمذی، مشکوٰۃ،ص:501)

ترجمہ: حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جو تجھے خبر دے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا یا کسی ایسی چیز کو چھپایا جس کے ساتھ امر کیے گئے یا ان پانچ چیزوں کو جانتے تھے، جن کا ذکر آیت اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثُ میں ہے، تو وہ شخص بڑا جھوٹا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ کلیات خمسہ کو نہیں جانتے تھے۔

جواب: اس حدیث پاک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے تین باتیں بیان فرمائیں: ایک یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو نہیں دیکھا، تو یہ بات ہرگز قابل قبول نہیں، کیوں کہ یہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے تھی جو دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین نے نہیں مانی اور نہ ہی حضرت صدیقہ کے مخالف وقوع رویت کا اثبات کیا اور اب تک جمہور علمائے اسلام اس کو مانتے چلے آئے ہیں، چوں کہ یہ مسئلہ بحث سے خارج ہے اس لیے اس کو چھوڑا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ آپ نے کسی علم کو نہیں چھپایا، اس سے مراد یہ ہے کہ جن کی تبلیغ کا حکم تھا، ان میں سے کچھ نہیں چھپایا جن کے چھپانے کا حکم تھا وہ بے شک چھپائے۔

تفسیر ابو سعود میں زیر آیت يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ میں لکھا ہے:

اَیْ مِنَ الْاَحْكَامِ وَ مَا يَتَعَلَّقُ بِهَا وَ اَمَّا الْاَسْرَارُ الَّتِيْ اُخْتُصَّتْ بِهَا فَلَا يَجُوْزُ تَبْلِيْغُهَا۔ (تفسیر ابی سعود حاشیہ جلالین ص:104)

یعنی اس سے مراد احکام اور ان کے متعلقات ہیں مگر اسرار مخصوصہ تو ان کی تبلیغ جائز نہیں۔

اسی طرح علامہ صاوی زیر آیت مذکورہ لکھتے ہیں:

اِعْلَمْ اَنَّ مَا اُوْحِیَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ يَنْقَسِمُ اِلٰى ثَلَاثَةِ اَقْسَامٍ مَا اُمِرَ بِتَبْلِيْغِهٖ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ وَالْاَحْكَامُ الْمُتَعَلَّقَةُ بِالْخَلْقِ عُمُوْمًا فَقَدْ بَلَّغَهٗ وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهِ حَرْفًا وَلَمْ يَكْتُمْ مِنْهُ حَرْفًا وَ مَا اُمِرَ بِكَتْمِهٖ فَقَدْ كَتَمَهٗ وَ لَمْ يُبَلِّغْ مِنْهُ حَرْفًا وَ هُوَ جَمِيْعُ الْاَسْرَارِ الَّتِيْ لَا تَلِيْقُ بِالْاُمَّةِ وَمَا خُيِّرَ فِيْ تَبْلِيْغِهٖ وَ كَتْمِهٖ فَقَدْ كَتَمَ الْبَعْضَ وَبَلَّغَ الْبَعْضَ وَهُوَ الْاَسْرَارُ الَّتِيْ تَلِيْقُ بِالْاُمَّةِ۔ (تفسیر صاوی جلد اول،ص:256)

یعنی جان لو کہ جو چیز رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وحی کی گئی، وہ تین قسم کی ہیں: ایک وہ جس کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے وہ قرآن اور احکام ہیں جو تمام مخلوقات سے متعلق ہیں، واقعی آپ نے ان کی تبلیغ فرمادی اور نہ ان پر کوئی حرف زیادہ کیا اور نہ ہی چھپایا۔ دوسری قسم وہ ہے جس کے چھپانے کا حکم دیا گیا، تو آپ نے اس کو چھپایا اور ایک حرف کی بھی تبلیغ نہیں فرمائی اور یہ وہ اسرار ہیں جو اُمت کے لائق نہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جس کے تبلیغ اور چھپانے میں اختیار دیا گیا، تو آپ نے ان میں سے بعض کو چھپایا اور بعض کی تبلیغ فرمائی، یہ وہ اسرار ہیں جو اُمت کے لائق ہیں۔

اسی طرح حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان کہ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ چیزوں کو نہیں جانتے، اس سے مراد یہ ہے کہ خود بخود نہیں جانتے، بلکہ تعلیم الٰہی سے جانتے ہیں۔ علمائے کرام نے اس آیت کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: مراد آنست کہ بے تعلیم الٰہی بحساب عقل ہیچ کس انہا را نداند و آنہا از امور غیب اند کہ جز خدا کسے آنرا نداند مگر آنکہ وے تعالیٰ از نزد خود کسے را بداناند بوحی والہام۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول ص:44)

ترجمہ: اس (آیت) سے مراد یہ ہے کہ بلا تعلیم الٰہی عقل کے حساب سے کوئی شخص ان کو نہیں جانتا اور وہ اُمور غیب سے ہیں کہ ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر یہ کہ خود اللہ کریم بذریعہ وحی اور الہام کسی کو بتادے (تو ٹھیک ہے)۔

قطب الواصلین، سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہ کلیات خمسہ کے متعلق فرماتے ہیں:

كَيْفَ يَخْفٰى اَمْرُ الْخَمْسِ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْوَاحِدُ مِنْ اَهْلِ التَّصَرُّفِ مِنْ

أُمَّتِهِ الشَّرِيفَةِ لَا يُمْكِنُهُ التَّصَرُّفُ إِلَّا بِمَعْرِفَةِ هٰذِهِ الْخَمْسِ۔ (ابریز ص:167)

ترجمہ: امور خمسہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں، حالاں کہ آپ کی اُمت میں سے ایک بھی اہل تصرف کے لیے اُن کلیات خمسہ کو جانے بغیر تصرف ناممکن ہے۔

الحاصل یہ بات ثابت ہوگئی کہ کلیات خمسہ مذکورہ آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ کا علم تعلیم الٰہی انبیا و اولیا کو حاصل ہے، تو یہ کہنے والا کہ سرکار اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم الٰہی سے بھی کلیات خمسہ کا علم نہ تھا، یا کسی کو مخلوقات میں سے اُن امور خمسہ کا علم نہیں دیا جاتا، جاہل اور مخبوط الحواس اور دین سے بے بہرہ و بدنصیب ہے کہ اپنی من گڑھت کے آگے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ذیشان کو بھول گیا، اللہ ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)

(4) منکرین کا حدیث پاک سے چوتھا شبہ کہ بخاری، صفحہ:48، جلد اول میں ہے کہ ایک سفر (غزوہ بنو مصطلق) میں حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں ان کا ہار گم ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ وہاں ٹھہر گئے اور ہار کو صحابہ کرام نے تلاش کیا، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر شئے کا علم ہوتا تو آپ کیوں نہ بتاتے؟

جواب: حقیقت یہ ہے کہ مخالفین کے دلائل کا دار و مدار باطل اور غلط قیاسوں پر رہ گیا ہے۔ جب یہ لوگ کسی آیت و حدیث سے اپنا دعویٰ کسی طرح ثابت نہیں کر سکتے تو بہ مجبوری ولاچاری اپنی غلط رایوں کو قرآن و حدیث اور کتب معتبرہ کے بجائے پیش کر دیتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ منکرین نے اپنی رائے کو دلائل شرعیہ میں سے کون سی دلیل قرار دے رکھا۔ دینی مسائل اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف زید و عمر اور ہر ماوشما کے منتشر خیالات پر موقوف نہیں ہیں۔ جب آیات و احادیث اور کتب معتبرہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جمیع اشیا کا عالم ہونا ثابت ہوا تو مخالفین کا وہم کس شمار و قطار میں ہے۔ اپنے خیالات واہیہ کو آیات و احادیث کے مقابلے میں ان کا رد کرنے کے لیے پیش کرنا مخالفین ہی کی جرأت ہے۔ اس سوال کا دار و مدار صرف اس بات پر ہے کہ سرکار نے نہ بتایا: اول تو اس میں کلام ہے، مخالف کو اس پر دلیل لانی تھی اور کوئی عبارت پیش کرنی تھی مگر منکرین کے یہاں اس کی ضرورت ہی نہیں، جو بات منہ میں آگئی وہ اُگل دی۔ حضور کی جس فضیلت کو چاہا محض بزور زباں انکار کر دیا۔ صحیح بخاری میں ہے: فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَوَجَدَهَا۔ (جلد اول، صفحہ:48)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا، تو اُس نے ہار کو پالیا۔

صحیح بخاری کا محشی لکھتا ہے: يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُوْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَهَا۔

(حاشیہ بخاری، ص:48)

یعنی اس میں یہ احتمال ہے کہ خود سرکار دو عالم نے ہی وہ ہار پایا ہو۔

پھر مخالفین کے اس کہنے کا کیا معنی کہ آپ نے نہ بتایا۔ دوسرے یہ کہ ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ آپ نے نہ بتایا تو کیا نہ بتانا کسی عالم کا نہ جاننے کو مستلزم ہے، یہ کہاں کی منطق ہے؟ اگر یہی قیاس ہے تو لازم آئے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بھی جاہل ہے (معاذ اللہ)۔ کیوں کہ کفار نابکار نے قیامت کے متعلق کافی سوال کیا کہ ایان یوم القیامۃ قیامت کس روز آئے گی مگر اللہ سبحانہ نے نہ بتایا۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ بتانا کسی حکمت سے تھا اور یہاں یہ حکمت تھی کہ صدیقہ کا ہار گم ہو، مسلمان اس کی تلاش میں یہیں رُک جائیں اور فجر کا وقت آجائے، پانی نہ ملے تب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی جائے کہ اب کیا کریں اور تب آیت تیمم نازل ہو جس سے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عظمت قیامت تک کے مسلمان معلوم کر لیں کہ ان کے طفیل ہم کو تیمم کا حکم ملا، اگر اسی وقت ہار بتا دیا جاتا تب آیت تیمم کیوں کر نازل ہوتی؟ رب تعالیٰ کے کام اسباب سے متعلق ہوتے ہیں، تعجب ہے کہ جو آنکھ قیامت تک کے حالات کو مشاہدہ کرے اس سے اونٹ کے نیچے کی کس طرح مخفی رہ جائے۔ شانِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پہچاننے کی اللہ توفیق دے۔ (آمین)

(5) منکرین کا پانچواں شبہ، حدیث پاک میں ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنَنِيْ ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَأَقُوْلُ إِنَّهُمْ مِنِّيْ فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ سُحْقًا لِّمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ۔ (مشکوٰۃ، ص:487)

ترجمہ: (حوض پر) ہمارے پاس کچھ قومیں آئیں گی جن کو ہم پہچانتے ہیں اور وہ ہم کو پہچانتے ہیں، پھر ہمارے اور اُن کے درمیان آڑ کر دی جائے گی۔ ہم کہیں گے کہ یہ تو میرے لوگ ہیں تو کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کیے، پس ہم کہیں گے کہ دور ہو، وہ دور ہو جو میرے بعد دین بدلے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے روز مومن و کافر کی پہچان نہ

ہوگی، کیوں کہ آپ مرتدین کے بارے میں فرمائیں گے کہ یہ میرے صحابہ ہیں اور ملائکہ عرض کریں گے کہ آپ نہیں جانتے۔

جواب: عجیب بات ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز مومن وکافر اور مرتد کو نہ جانیں، آج تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس سارے واقعے کو جو قیامت کے روز پیش ہوگا، جانتے ہیں اور بیان فرمارہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اعرفھم ہم ان کو پہچانتے ہیں۔ کیا اس دن بھول جائیں گے، نیز متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضور پر دنیا میں امت کے اعمال نیک یا بد پیش کیے گئے اور پیش ہوتے ہیں اور آپ اپنی امت کے اعمال کو جانتے ہیں، پھر کس طرح ممکن ہے کہ مرتدین کو اور اُن کے اعمال کو قیامت کے روز نہ جانیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عُرِضَتْ عَلَیَّ اَعْمَالُ اُمَّتِیْ حَسَنُھَا وَ سَیِّئُھَا فَوَجَدْتُّ فِیْ مَحَاسِنِ اَعْمَالِھَا الْاَذٰی یُمَاطُ عَنِ الطَّرِیْقِ وَ وَجَدْتُّ فِیْ مَسَاوِیْ اَعْمَالِھَا النُّخَاعَةَ تَکُوْنُ فِی الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ۔

(مسلم، مشکوۃ، ص:69)

ترجمہ: مجھ پر میری امت کے نیک اور برے اعمال پیش کیے گئے، پس میں نے ان کے نیک اعمال میں اس موذی چیز کو پایا جو راستے سے ہٹائی گئی ہے اور ان کے برے اعمال میں تھوک پائی جو مسجد میں تھی اور دفن نہیں کی گئی۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عُرِضَتْ عَلَیَّ اُجُوْرُ اُمَّتِیْ حَتّٰی الْقَذَاةُ یُخْرِجُھَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَ عُرِضَتْ عَلَیَّ ذُنُوْبُ اُمَّتِیْ فَلَمْ اَرَ ذَنْبًا اَعْظَمَ مِنْ سُوْرَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اَوْ اٰیَةٍ اُوْتِیْھَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِیَھَا۔

(ترمذی وابوداود، مشکوۃ، صفحہ:69)

ترجمہ: مجھ پر میری اُمت کی نیکیاں پیش کی گئی، یہاں تک کہ تنکا جس کو آدمی مسجد سے دور کرے اور مجھ پر میری اُمت کے گناہ پیش کیے گئے، پس میں نے اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ آدمی کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت دی گئی پھر وہ اس کو بھول گیا۔

ان دونوں مبارک حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ہی

اُمت کے اعمال برے اور نیک جانتے ہیں تو قیامت کے روز ضرور جانیں گے اور مومن وکافر کو خوب پہچانیں گے، نیز آج دنیا میں ہی سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم جنتی و دوزخی کو پہچانتے ہیں تو کیا قیامت کے روز جنتی اور دوزخی کو نہ پہچان سکیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ فِیْ یَدَیْہِ کِتَابَانِ فَقَالَ مَا ھٰذَانِ الْکِتَابَانِ قُلْنَا لَا نَعْلَمُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِلَّا اَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِیْ فِیْ یَدِہِ الْیُمْنٰی ھٰذَا کِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ فِیْہِ اَسْمَاءُ اَھْلِ الْجَنَّةِ وَ اَسْمَاءُ اٰبَائِھِمْ وَ قَبَائِلِھِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰی اٰخِرِھِمْ فَلَا یُزَادُ فِیْھِمْ وَلَا یُنْقَصُ مِنْھُمْ اَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِیْ فِیْ شِمَالِہٖ ھٰذَا کِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ فِیْہِ اَسْمَاءُ اَھْلِ النَّارِ وَ اَسْمَاءُ اٰبَائِھِمْ وَ قَبَائِلِھِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰی اٰخِرِھِمْ فَلَا یُزَادُ فِیْھِمْ وَلَا یُنْقَصُ مِنْھُمْ اَبَدًا۔

(ترمذی، مشکوۃ، ص:21)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ کے دونوں مبارک ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں، فرمایا کہ یہ دونوں کتابیں کیسی ہیں؟ ہم نے عرض کی، ہم نہیں جانتے: یارسول اللہ! مگر یہ کہ آپ ہم کو خبر دیں، آپ نے فرمایا کہ اس کتاب کے متعلق جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی، یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے، اس میں جنتیوں کے نام اور ان کے آبا کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں پھر جمع کر دیا گیا ان کے آخر کو، یعنی بطور میزان اُن میں کبھی بھی زیادتی اور نقصان نہ ہوگا، پھر اس کتاب کے بارے میں فرمایا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی، یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں دوزخیوں کے نام اور اُن کے آبا اور قبیلوں کے نام ہیں، پھر جمع کر دیا گیا ان کے آخر کو، یعنی بطور میزان، چنانچہ ان میں کبھی بھی کمی بیشی نہ ہوگی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ سرکار جنتی و دوزخی مومن وکافر کو پہچانتے ہیں اور حوض کوثر پر بھی پہچان لیں گے، پس مخالفین کا یہ کہنا کہ آپ قیامت کے روز کافر و مرتد کو نہ پہچانیں گے لایعنی ہے۔

نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قیامت کے دن مسلمانوں کی چند علامتیں ہوں گی جن سے وہ پہچانے جائیں گے، مثلاً: ان کا چہرا نورانی ہوگا جیسا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: یوم تبیض

وجوہ وتسود وجوہ۔ اعمالنامہ ان کے دائیں ہاتھ میں ہوگا اور ان کے اعضا چمکتے ہوں گے،
جیسا کہ خود سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ۔ (متفق علیہ، مشکوۃ، ص:30)

ترجمہ: بے شک میری امت روز قیامت غرمجل یعنی اس شان سے بلائی جائے گی کہ ان کے سر اور ہاتھ پاؤں آثار وضو سے چمکتے ہوں گے، پس تم میں سے جس سے ہوسکے اپنی چمک زیادہ کرے۔

اور کافروں و مرتدوں کی یہ علامتیں نہ ہوں گی، پس اگر بالفرض حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے سے علم نہ بھی ہوتا تب بھی آپ ان علامتوں سے اپنے پرائے، مومن وکافر کو پہچان سکتے تھے، چہ جائیکہ پہلے سے معرفت ہوچکی ہو۔

دیکھو سرکار خود فرماتے ہیں کہ میں اپنی امت کے مومنوں کو قیامت کے روز پہچان لوں گا:

قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! أَتَعْرِفُنَا يَوْمَئِذٍ قَالَ: نَعَمْ لَكُمْ سِيمَاءُ لَيْسَتْ لِأَحَدٍ مِنَ الْأُمَمِ تَرِدُونَ عَلَيَّ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ أَثَرِ الْوُضُوءِ۔ (مسلم، مشکوۃ، ص:487)

ترجمہ: صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ اس دن (حوض کوثر پر) ہم کو پہچان لیں گے؟ فرمایا: ہاں! تمہاری خاص علامتیں ہوں گی جو کسی دوسری امت کی نہیں ہوں گی، تم مجھ پر (حوض کوثر پر) اس شان سے داخل ہوگے کہ وضو کے اثر سے تمہارے ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدے کی اجازت ملے گی اور میں ہی سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھاؤں گا۔ میں اپنے آگے دیکھوں گا اور اپنی امت کو پہچان لوں گا، اسی طرح پیچھے اور دائیں وبائیں۔ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اتنی امتوں میں اپنی امت کو کس طرح پہچانیں گے؟ فرمایا کہ ان کے اعضا وضو کے سبب چمکتے ہوں گے، یہ نشانی کسی اور اُمت کی نہ ہوگی۔ میں اپنی امت کو پہچانوں گا کہ ان کے دائیں ہاتھ میں اعمالنامے ہوں گے اور میں ان کو پہچان لوں گا کہ ان کے آگے ان کی اولاد دوڑتی ہوگی۔ (مشکوۃ، ص:40)

افسوس صد افسوس! خود سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ میں حوض کوثر پر اپنوں کو پہچانوں گا مگر منکرین کہیں کہ آپ نہ پہچان سکیں گے۔

آپ نے ان کو صحابی کیوں کہا؟

باقی رہا یہ کہ جب آپ جانتے تھے کہ یہ میرے صحابی نہیں بلکہ مرتد ہیں تو آپ نے ان کو اپنا صحابی کیوں فرمایا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو اپنا صحابی فرمانا بطور طعن ہوگا کہ ان کو آنے دو، یہ تو ہمارے صحابہ ہیں اور ملائکہ کا ان کو سنا کر عرض کرنا غمگین کرنے کے لیے ہوگا، ورنہ ملائکہ نے ان کو یہاں تک آنے ہی کیوں دیا؟

☆☆☆

تیرہواں وعظ:3

منکرین کے شبہات اوران کے جوابات

منکرین کا چھٹا شبہ

صحیح بخاری، جلداول، کتاب الجنائز، ص:166 میں ہے:

وَاللہِ مَا اَدْرِیْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللہِ مَا یُفْعَلُ بِیْ۔

یعنی واللہ! میں نہیں جانتا، حالاں کہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے خاتمے کی بھی خبر نہیں ہے۔

جواب: حدیث پاک میں ادری فرمایا گیا جو درایۃ سے مشتق ہے اور درایت اٹکل اور قیاس سے کسی بات کے جان لینے کو کہتے ہیں، ردالمحتار، جلد اول، صفحہ:93 میں ہے: (والراج الدرایۃ) بالرفع عطفا علی الاشباہ ای الراجح من جھۃ الدرایۃ ادراک العقل بالقیاس علی غیرہ۔ (شامی، جلداول ص:93)

چنانچہ اس کا صاف معنی یہ ہے کہ میں اپنی عقل سے نہیں جانتا اور بہ تعلیم الٰہی جاننے کا انکار آیت وحدیث کے کسی لفظ سے نہیں نکلتا مگر تعجب ہے کہ منکر نے شبہ کیا اور یہ نتیجہ نکالا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ رب العزت آپ کے ساتھ کیا کرے گا اور اس سادہ لوح نے اتنا نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی۔ (سورۂ ضحیٰ)

یعنی آپ کی آخرت دنیا سے بہتر ہے اور آپ کا رب آپ کو عن قریب اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جاؤ گے۔

یہ آیت صاف بتارہی ہے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ میری آخرت بہترین ہوگی اور مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا جو سب سے بڑھ کر ہے وہ حاصل ہوگی، پھر یہ کہنا کہ آپ کو اپنے

خاتمے کا علم نہیں تھا کتنا بڑا دھوکہ ہے، پھر مقام غور ہے کہ آپ دنیا میں ہی فرمارہے ہیں کہ میں سب سے پہلے در شفاعت کھولوں گا، سب سے پہلے میں اور میری امت جنت میں داخل ہوں گے (یہ عام حدیثوں میں ہے)۔ یہ سب کچھ صاف بتارہا ہے کہ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخوبی معلوم تھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ الغرض منکرین کا یہ شبہ یا تو تعصب کی بنا پر ہے یا پھر جہالت کی بنا پر۔ اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔ (آمین)

منکرین کا ساتواں شبہ

بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث افک، ص:593 میں ہے کہ کافروں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت باندھی تھی تو حضرت کو نہایت رنج ہوا تھا، بہت دنوں کے بعد اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پاک ہیں اور کافر جھوٹے ہیں تب حضور کو خبر ہوئی، اگر پہلے جانتے تو کیوں غم ہوتا؟

جواب: منکرین کا یہ شبہ ایک سرمایہ ناز ہے جو ہر چھوٹے بڑے کو یاد کرایا جاتا ہے اور ہر ایک کی زبان پر اس بیباکی سے آتا ہے کہ اللہ کی پناہ، دوسرے حقیقت میں یہ شبہ ایک آبلہ فریبی کے سوا اور کچھ نہیں، اصل بات یہ ہے کہ بدنامی ہر شخص کے لیے غم کا باعث ہوتی ہے، خاص کر جھوٹی بدنامی، اگر کوئی اپنی بدنامی ہوتے دیکھے لوگوں کے طعن سنے اور یقینی طور پر جانے کہ جو ہم کو کہا جاتا ہے بالکل غلط اور سراسر بہتان ہے تو کیا حیادار کو رنج نہ ہوگا، طبیعت پریشان نہ ہوگی، اگر رنج ہوگا تو کیا وہ بدگمانی کی دلیل بن جائے گا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حضور سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نسبت کسی قسم کی بدگمانی نہ تھی پھر غم کیوں تھا؟ صرف اس وجہ سے کہ کافروں کی یہ حرکت یعنی تہمت اور اس کی شہرت پریشانی کا باعث ہوگئی تھی، یہ وجہ غم اور پریشانی کی تھی نہ کہ اصل واقعہ کی، کتب تفاسیر سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔ امام رازی تفسیر کبیر، مطبوعہ مصر میں لکھتے ہیں: فَاِنْ قِیْلَ کَیْفَ جَازَ اَنْ تَکُوْنَ اِمْرَاَۃُ النَّبِیِّ کَافِرَۃً کَامْرَاَۃِ نُوْحٍ وَ لُوْطٍ وَ لَمْ یَجُزْ اَنْ تَکُوْنَ فَاجِرَۃً اَیْضاً فَلَوْ لَمْ یَجُزْ ذٰلِکَ لَکَانَ الرَّسُوْلُ اَعْرَفُ النَّاسِ بِاِمْتِنَاعِہٖ وَ لَوْ عَرَفَ ذٰلِکَ لَمَا ضَاقَ قَلْبُہٗ وَ لَمَا سَاَلَ عَائِشَۃَ کَیْفِیَّۃَ الْوَاقِعَۃِ فَلَنَا الْجَوَابُ عَنِ الْاَوَّلِ اَنَّ الْکُفْرَ لَیْسَ مِنَ الْمُنَفِّرَاتِ وَ

أَمَّا كَوْنُهَا فَاجِرَةً فَمِنَ الْمُنَفِّرَاتِ وَ الْجَوَابُ عَنِ الثَّانِيْ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَثِيْرًا مَا كَانَ يَضِيْقُ قَلْبُهُ مِنْ اَقْوَالِ الْكُفَّارِ مَعَ عِلْمِهٖ بِفَسَادِ تِلْكَ الْاَقْوَالِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ. فَكَانَ هٰذَا مِنْ هٰذَا الْبَابِ ۝ (جلد، 23، ص:173)

ترجمہ: پس اگر کہا جائے کہ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیویاں کافر ہوں جیسا کہ حضرت لوط و نوح علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تھیں مگر فاجرہ نہ ہوں۔ نیز اگر یہ ممکن نہ ہوتا کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بیویاں فاجرہ ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور معلوم ہوتا۔ جب حضور کو معلوم ہوتا کہ نبیوں کی بیویاں فاجرہ ہو ہی نہیں سکتیں تو آپ تنگ دل نہ ہوتے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے واقعے کی کیفیت دریافت نہ فرماتے۔ پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ کفر نفرت دینے والی چیز نہیں مگر بی بی کا فاجرہ ہونا نفرت دلانے والی چیز ہے۔ دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کی باتوں سے تنگ دل ہو جایا کرتے تھے، باوجودیکہ حضور کو یہ معلوم ہوتا کہ کفار کے یہ اقوال فاسد ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ ان کی بیہودہ باتوں سے تنگ دل ہوتے ہیں تو یہ واقعہ بھی اسی باب سے ہے، یعنی حضور اقدس ﷺ کا تنگ دل ہونا کفار کی بیہودہ گوئی کی وجہ سے تھا، باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی بیہودہ گوئی کا باطل اور جھوٹا ہونا معلوم تھا اور آپ کو علم تھا کہ حضرت صدیقہ پاک ہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات تو معقول فرمائی ہے مگر مخالف اور بد بخت نہیں مانے گا، جب تک دو الزام اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ لگا لے۔ ایک عدم علم کا اور دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بدگمانی کا جو شرعاً ناجائز ہے۔ خود سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں جانتا ہوں کہ صدیقہ پاک ہے:

وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰى اَهْلِيْ اِلَّا خَيْرًا وَ قَدْ ذَكَرُوْا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ اِلَّا خَيْرًا ۝

(بخاری، جلد دوم، ص:595)

ترجمہ: واللہ! مجھے اپنی اہلیہ (صدیقہ) کی عفت و پاکیزگی کا علم ہے اور ان لوگوں نے جس شخص کا ذکر کیا اس کی پاکدامنی کا بھی مجھے علم ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکی پر یقین تھا اور کفار کی تہمت سے آپ کو شبہ تک نہیں ہوا، اسی واسطے آپ نے یہ قسم کھا کر فرمایا کہ واللہ! مجھے اپنی اہلیہ پر خیر کا یقین ہے۔ اب بھی اگر کوئی انکار کرے اور کہے کہ نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہ تھا تو اس منکر متعصب کا دنیا میں تو کیا علاج۔ مگر میدان حشر میں ان شاء اللہ اس کی بیباکی پر ضرور پکڑ ہوگی کہ سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز پر قسم کھا کر فرما دیا کہ میں اپنی اہل پر خیر جانتا ہوں، یہ دشمن دین اسی کو کہے کہ آپ نہیں جانتے۔ (معاذ اللہ)

بحمد اللہ! حدیث و تفسیر سے ثابت ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے سے ناواقفیت نہ تھی اور نہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت کوئی بدگمانی۔

آپ نے خود کیوں نہ بتایا

باقی رہا یہ اعتراض کہ جب آپ حضرت صدیقہ کی عصمت کو جانتے تھے تو آپ نے عصمت کا اظہار خود کیوں نہ فرما دیا اور وحی کا انتظار کیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ وحی سے قبل عصمت کا اظہار فرما دیتے تو منافقین کہتے کہ اپنے اہل خانہ کی حمایت کرتے ہیں، نیز مسلمانوں کو تہمت کے مسائل معلوم نہ ہوتے اور مقدمات کی تحقیقات کرنے کا طریقہ معلوم نہ ہوتا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو صبر کا وہ ثواب نہ ملتا جو اُنھیں ملا، اس لیے وحی کا انتظار فرمایا کہ محبوبۂ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کی گواہی خود اللہ تعالیٰ دے اور اُن کی عصمت میں آیات نازل فرمائے تاکہ قیامت تک مسلمان حضرت صدیقہ کی عصمت کے گیت گاتے رہیں۔

منکرین کا آٹھواں شبہ

ابوداؤد اور دارمی میں ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو اپنی پاپوش مبارک قدم سے اتار دی۔ یہ دیکھ کر صحابہ علیہم الرضوان نے بھی اپنی اپنی پاپوش اتار دیں۔ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد فراغت نماز صحابہ سے دریافت فرمایا کہ تم نے کس سبب سے اپنی اپنی پاپوش کو اتار دیا؟ عرض کیا: حضور نے قدم مبارک سے پاپوش مبارک اتار دی، اس لیے ہم نے

بھی ایسا ہی کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل نے خبر دی تھی کہ ان میں نجاست ہے۔ (مشکوٰۃ، ص:73)

اگر رسول اللہ ﷺ غیب داں ہوتے تو کیوں نجاست والی جوتیوں میں نماز ادا کرتے؟

جواب: معترض کا یہ کہنا کہ نجاست والے جوتے کے ساتھ نماز ادا کی، خلاف ادب اور اس کی نافہمی پر دال ہے۔ پاپوش مبارک میں کوئی ایسی نجاست نہ لگی تھی جس سے نماز جائز نہ ہوتی۔ ورنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم محض پاپوش مبارک اتارنے پر اکتفا نہ فرماتے، بلکہ نماز ہی ازسرنو ادا کرتے، مگر جب ایسا نہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ کچھ ایسی نجاست ہی نہ تھی جس سے نماز درست نہ ہوتی، بلکہ حضرت جبرئیل کا خبر دینا اظہار عظمت و رفعت شان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے کہ کمال تنظیف و تطہیر سرکار کے حال کے لائق ہے۔ اس سے عدم علم سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر استدلال ایک خام خیال ہے۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقذر بفتح قاف وذال معجمہ دراصل آنچہ مکروہ پندارد آں را طبع وظاہر أنجاستے نہ بود کہ نماز باں درست نباشد بلکہ چیزے بود مستقذر کہ طبع آنرا ناخوش دارد والا نماز ازسرنو میگرفت کہ بعضے از نماز باآں گزاردہ بود وخبر دادن جبرئیل وبرآوردن از پا بجہت کمال تنظیف وتطہیر بود کہ لائق بحال شریف وے بود۔ (اشعۃ اللمعات، جلد اول، ص:348)

ترجمہ: قذر اصل میں وہ چیز ہے کہ طبع اس کو ذرا ناپسند جانے اور ظاہری طور پر وہ گندگی نہ تھی کہ اس کے ساتھ نماز درست نہ ہو، بلکہ وہ ایسی چیز تھی کہ طبیعت اس کو ناپسند رکھتی ہو ورنہ نماز نئے سرے سے ادا کرتے، کیوں کہ بعض نماز اس کے ساتھ ادا کی تھی، حضرت جبرئیل کا خبر دینا اور پاؤں سے اتارنا کمال تنظیف وتطہیر کے لیے تھا جو آپ کے حال شریف کے لائق تھا۔

منکرین کا نواں شبہ

واقعہ بیرمعونہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ چند لوگوں کو آپ میرے ساتھ کردیں جو میری قوم کو دین کی تبلیغ کریں، اگر وہ مسلمان ہو جائیں گے تو

میں بھی ہو جاؤں گا، آپ نے ستر صحابہ جلیل القدر قاری قرآن اس کے ہمراہ کردیے، وہ سب کے سب بیوفائی کے ساتھ شہید کرڈالے گئے جس پر آپ کو بڑا حزن وملال ہوا۔

(مسلم، جلد دوم، صفحہ:139، مدارج النبوت، جلد دوم، ص:196)

اگر آپ کو پہلے سے معلوم ہوتا کہ میرے صحابہ شہید کرڈالے جائیں گے تو آپ انھیں کیوں روانہ فرماتے؟

جواب: اس تمام قصے کے نقل کرنے سے معترض کا جو مدعا ہے وہ یہی پچھلا فقرہ ہے کہ اگر آپ کو پہلے سے معلوم ہوتا کہ صحابہ کو شہید کرڈالیں گے تو آپ انھیں کیوں روانہ فرماتے؟ افسوس صد افسوس! اے منکرو! تم کو کیا کوئی کشف یا الہام ہوا ہے کہ سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کے شہید ہونے کا علم نہیں تھا۔ ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ سرکار کو علم تھا اور اپنے صحابہ کو نہ بھیجتے تو نہ بھیجنے کا باعث کیا ہے۔ صرف صحابہ کی حفاظت جان یا اور کچھ۔ اب ذرا ہوش سے سنیے کہ سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے حوصلے اور ہمتیں تمہاری طرح نہ تھیں کہ محض تن پروری مقصود ہوتی، جان کی لالچ میں دینی خدمت سے رک جاتے اور اس خیال سے کہ یہاں جان عزیز نذرِ اشاعت اسلام ہوتی ہے، درگزر کر جاتے:

کار پاکاں راقیاس از خود میگر

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ حضرات ہر وقت جان نذرِ خدا کرنے کو تیار رہتے تھے۔ ہر چند کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابہ کے پیش آنے والے جملہ واقعات ظاہر ہوں مگر یہ موقع درگزر کا نہیں کہ ایک شخص اشاعتِ اسلام کے لیے عرض کرتا ہے کہ حضور اپنے نیازمندوں کو اس کی قوم کی ہدایت کے واسطے بھیج دیں اور آپ اُسے یہ جواب دیں کہ ہمیں اشاعت اسلام اور ہدایت خلق سے جان زیادہ محبوب ہے، وہاں جو جائیں گے وہ مارے جائیں گے، اس لیے بخوفِ جان اعلائے کلمۃ اللہ کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ سب خرافات ہیں، وہاں اعلائے کلمۃ اللہ کے مقابلے میں جان کی کچھ پروا نہیں تھی۔

ادھر خود صحابہ کرام کو شوق شہادت گدگدار ہا تھا اور جوشِ شہادت سے ان کے دل لبریز تھے، چنانچہ اس واقعہ بیرمعونہ میں مقاتلہ کرنے والے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

جب شہید ہو گئے اور ان میں سے حضرت منذر بن عمرو رہ گئے تو کفار نے ان سے کہا کہ آپ چاہیں تو ہم آپ کو امن دیں مگر آپ کے آرزومند شہادت دل نے ہرگز قبول نہ کیا اور آپ نے بمقابلہ شہادت امن کی پیشکش ٹھکرا دی اور کفار سے مقاتلہ کر کے درجہ شہادت حاصل کیا۔

(مدارج النبوت، جلد دوم، ص:198)

اب بتاؤ کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضور کے لیے قبل واقعہ علم شہادت صحابہ تسلیم کر لینے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قتل عمد کی نسبت کرنی پڑے گی تو کیا وہ منذر ابن عمرو صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خودکشی کا الزام لگائے گا کہ انھوں نے باوجود امن پانے کے شہادت ہی کو اختیار فرمایا، اسی واقعے میں حضرت عمر بن امیہ ضمری اور حارث رضی اللہ عنہما اونٹوں کو چرانے کے لیے گئے تھے۔ جب واپس آئے تو لشکرگاہ کی طرف متوجہ ہوئے، پرندوں کو گرد لشکر دیکھا، گرد و غبار اٹھا ہوا معلوم ہوا، کافروں کے سواروں کو بلندی پر کھڑا پایا اور اپنے ساتھیوں کو شہید دیکھا تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اب مصلحت کیا ہے۔ عمر بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے ہوئی کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ماجرا بیان کیا جائے۔ حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے انکار کیا کہ اب ہاتھ آئی ہوئی کیوں کر چھوڑیں، شہادت غنیمت ہے۔ چنانچہ انھوں نے کفار سے مقاتلہ کیا اور ان کے چار آدمیوں کو قتل کیا اور حضرت حارث خود بھی شہید ہو گئے۔ (مدارج النبوت، جلد دوم، ص:199)

اب منکرین حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی یہ کہے کہ انھوں نے دیدہ و دانستہ اپنے آپ کو قتل کرا دیا۔ (معاذ اللہ) جس طرح کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان صحابہ کرام نے قصداً دیدہ و دانستہ اپنی جان ہلاکت میں ڈالی اور خودکشی کی، اسی طرح یہ کہنا بھی کسی ایمان والے کا کام نہیں کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو دیدہ و دانستہ روانہ فرما کر قتل عمد کے مرتکب ہوئے۔ (والعیاذ باللہ) بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی جانیں راہ خدا میں نذر کیں اور ان جانوں کے لیے اس سے عمدہ موقع اور کوئی نہ تھا۔ جان کی بڑی قیمت یہی ہوتی ہے کہ راہ خدا میں نثار ہو جائے۔

پھر اطلاع نہ دینا علم نہ ہونے کو مستلزم نہیں، دیکھو کفار نے قیامت کے متعلق بہت سے

سوال کیے مگر حق سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں قیامت پر مطلع نہ فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں اللہ تعالیٰ کے ہزاروں راز مخزون تھے مگر آپ امین تھے، یہ شان تحمل ہے کہ ایسے موقعوں پر سکوت فرمایا اور معاملہ اللہ جل شانہ کے سپرد کر دیا کہ خود اللہ تعالیٰ بھی تو عالم ہے جو اس کی مرضی ہم اس پر راضی۔ بایں ہمہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیش آنے والے حادثے کی طرف صحابہ کرام کے روانہ کرنے سے پہلے اشارہ فرما دیا تھا کہ: انی احشی علیه النجد. اس کا ترجمہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من از اہل نجد ایمن نیستم می ترسم کہ قصد ایشاں نمایند۔ (مدارج النبوت، جلد دوم، ص:197)

یعنی میں اہل نجد سے مطمئن نہیں ہوں مجھے خوف ہے کہ ان کا مقصد پورا نہ ہو جائے۔

☆☆☆

چودھواں وعظ:4

منکرین کے شبہات اور ان کے جوابات

منکرین کا دسواں شبہ

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرے کے دروازے پر جھگڑے کو سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں بھی آدمی ہوں، میرے پاس جھگڑنے والے آتے ہیں، شاید کہ تمہارا بعض، بعض سے خوش بیان ہوں، اس کی خوش بیانی سے میں اس کو سچا جانوں اور اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ پس جس کو میں کسی مسلمان کا حق دلاؤں وہ سمجھے کہ جہنم کا ٹکڑا میں دلاتا ہوں۔ (بخاری، جلد دوم، ص:1065)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب داں نہ تھے، اگر غیب جانتے تو خلاف فیصلہ کا آپ کو کیوں خوف ہوتا۔ (ترمذی، صفحہ:160، مشکوٰۃ، صفحہ:327)

جواب: سامعین! بہ انصاف مخالفین کے شبہے دیکھتے دیکھتے یہ تو خوب ظاہر ہو گیا ہوگا کہ منکرین اپنے مدعا کے ثابت کرنے سے عاجز ہو کر اب محض زبان درازی پر آ گئے ہیں اور صرف اپنے قیاسات فاسدہ سے استدلال کرنے لگے ہیں۔ یہ حدیث جو معترض نے پیش کی ہے، اس میں ایک حرف بھی ایسا نہیں ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم جمیع اشیا کے انکار میں ذرا بھی مدد دے۔ منکرین نے اس حدیث سے کیا سمجھا کہ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو امورِ غیب کا علم تعلیم نہیں ہوا۔ سبحان اللہ! یہ سمجھنا قابل تحسین و آفریں ہے، سنیے! سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس تمام کلام سے تہدید ہے کہ لوگ ایسا ارادہ نہ کریں کہ دوسروں کا حال لینے کے لیے زبانی قوتیں خرچ کریں۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: فَإِنْ قَضَيْتُ لِأَحَدٍ مِّنْكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ أَخِيْهِ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (ترمذی، جلد اول، ص:160)

یعنی اگر میں تم میں سے کسی کو دوسرے کی چیز دلا دوں تو وہ اس کے لیے آگ کا ٹکڑا ہے۔ مراد یہ ہے کہ تم جو باتیں بناؤ تو اس سے حاصل کیا۔ بہ فرض محال اگر میں تمہاری تیز زبانی اور شیریں بیانی سن کر تمھیں دوسرے کا حق دلا دوں تو کیا فائدہ، وہ تمہارے کام کا نہیں، بلکہ تمہارے لیے ہی وہ دوزخ کی آگ کا ٹکڑا ہے، لہٰذا تم دوسرے کا حق لینے میں کوشش ہی نہ کرو، مقصود تو یہ تھا۔ مگر معترض صاحب نے اس سے انکار علم مصطفیٰ پر استدلال کیا، اگر حضور کسی کا حق (معاذ اللہ) کسی دوسرے کو دلا دیتے تو بھی کچھ جائے عذر ہوتا اور شبہ کا موقع ملتا کہ حضور نے کسی کا حق کسی کو دلا دیا، مگر یہاں تو شبہ کا ذرہ بھر علاقہ نہیں، کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کا حق دوسرے کو دلایا ہی نہیں، بلکہ جو لفظ فرمائے وہ بھی قضیہ شرطیہ ہے جو صدق مقدم کو مقتضی نہیں۔ ایک فرض محال ہے یعنی ایک ناممکن بات کو محض تہدید کی غرض سے فرض کر لیا ہے کہ اگر بالفرض ایسا ہو تو بھی تمھیں کچھ فائدہ نہیں، اب معترض ذرا کان لگا کر یہ سنیں کہ قرآن کریم کیا کہہ رہا ہے: قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِيْنَ۔

ترجمہ: آپ فرما دیں کہ اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہو تو میں پہلا عبادت کرنے والا ہوں گا۔

یہاں بھی اپنے اجتہاد سے یہ کہہ دو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے بیٹا ہونے کا خطرہ تھا۔ (معاذ اللہ) حقیقت یہ ہے کہ قضیہ شرطیہ ہے اور شرطیات مقدم کے صدق کو مستلزم نہیں ہوتے، بلکہ فرض محال تک بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں ایک محال فرض کیا ہے اور علیٰ ہذا القیاس یہ حدیث پاک بھی جس سے منکرین اپنے مدعائے باطل پر سند لانا چاہتے ہیں مقدم ایک فرض محال ہے۔ لہٰذا ناممکن ہے کہ سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے کسی کا حق دوسرے کو پہنچ جائے۔ خبردار! رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرو۔

اب ذرا شرح مشارق کا مطالعہ کرو، وہ لکھتے ہیں: وَإِنَّ قَوْلَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ الْحَدِيْثُ شَرْطِيَّةٌ وَهِيَ لَا تَقْتَضِي صِدْقَ الْمُقَدَّمِ فَيَكُوْنَ مِنْ بَابِ فَرْضِ الْمُحَالِ نَظْرًا إِلٰى عَدَمِ جَوَازِ قَرَارِهٖ عَلَى الْخَطَاءِ وَيَجُوْزُ ذٰلِكَ إِذَا تَعَلَّقَ بِهٖ غَرْضٌ كَمَا فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِيْنَ وَ الْغَرْضُ فِيْمَا نَحْنُ فِيْهِ التَّهْدِيْدُ وَ التَّفْزِيْعُ عَلَى اللِّسَانِ وَالْأَقْدَامِ عَلٰى تَلْحِيْنَ الْحُجَجِ فِيْ أَخْذِ أَمْوَالِ النَّاسِ۔

منکرین کا گیارہواں شبہ

حضرت کو شہد بہت پسند تھا اور آپ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اکثر تشریف فرما ہو کر شہد نوش فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس اول حضرت تشریف لائیں وہ آپ سے یہ کہہ دے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے اور آپ نے مغافیر کھائی ہے، چوں کہ آپ کو بدبو سے نفرت ہے، اس لیے آپ شہد پینا ترک فرما دیں گے اور حضرت زینب کے پاس نشست کم ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھالی کہ اب کبھی شہد نہ پیوں گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ: 283)

یعنی اے نبی! اللہ کی حلال چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام ٹھہراتے ہو؟

اگر حضرت غیب داں ہوتے تو کیوں ایک بنائی ہوئی بات پر شہد چھوڑنے کی قسم کھاتے؟

جواب: بیچارے مخالفین لکھتے لکھتے پریشان ہو گئے مگر آج تک اتنا ثابت نہ کر سکے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فلاں چیز کا علم حق سبحانہ وتعالیٰ نے مرحمت نہیں فرمایا اور نہ اس مضمون کی کوئی آیت پیش کرنے کی جرأت ہوئی، نہ حدیث دکھانے کی ہمت۔ ہاں! قیاس فاسد سیکڑوں ایجاد کر ڈالے مگر ایسے فاسد قیاس عقلا کے یہاں کب قابل التفات ہیں؟ ایسے شیطانی قیاس سے تو کلام الٰہی پر بھی شبہے پیدا کیے جاسکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو (معاذ اللہ) ہر وقت ہر چیز کا علم حاصل نہیں، جب چاہتا ہے کسی ترکیب سے کسی چیز کا علم حاصل کر لیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کو یہ خبر ہی نہ تھی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کون کرے گا اور کون نہیں کرے گا۔ جب تو اس نے نماز میں قبلہ بدل دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کرتے ہی پھر گئے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ جنھوں نے حضور کی موافقت کی وہ متبع اور باقی غیر متبع، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ۔ (سورۂ بقرہ، آیت: 143)

اس آیت میں الا لنعلم سے صاف شبہ پیدا ہوتا ہے مگر یہ وہی شبہہ شیطانی ہے جو قابل

التفات نہیں، ایسے شبہات سے عدم علم ثابت نہیں ہو سکتا، اللہ جل شانہ علیم وخبیر ہے، اس نے اب علم حاصل نہیں کیا ہے، اس لیے ایسے لفظوں سے یہ معنی سمجھ لینا اور انکار علم میں سند لانا کورِ باطنی اور نابینائی ہے، اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم عظیم سے انکار میں منکرین ومخالفین شب و روز حیلہ ڈھونڈتے رہتے ہیں اور شبہ تلاش کرتے ہیں اور اُن کو اپنے اس مدعا کی سند بتاتے ہیں مگر اس سے کیا نتیجہ؟ یہ سب کوششیں بے سود ہیں۔ یہی شبہ تحریم والا جو مخالفین نے پیش کیا ہے، ایسا لچر ہے جس سے کوئی عقلمند عدم علم نہیں نکال سکتا۔ سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر شہد چھوڑ دیا تو اس کو عدم علم سے کیا تعلق؟ قرآن پاک کے مبارک الفاظ یہ ہیں: تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ۔ اس سے ظاہر ہے کہ پاس خاطر ازواج مطہرات کا منظور خاطر اقدس تھا اس لیے شہد چھوڑ دیا، اس کو علم سے کیا واسطہ؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے تھے کہ اس میں بدبو نہیں ہوتی مگر اس لیے کہ طبع شریف میں کمال تحمل اور بردباری تھی اور آپ کے اخلاق کریمہ ایسے تھے کہ کسی کو ناراض اور شرمندہ کرنا گوارا نہ فرماتے تھے، اسی بنا پر اس وقت ازواج پاک سے اس معاملے میں سختی نہ فرمائی، اور اُن کی رضامندی کے لیے اُنھیں شہد چھوڑنے کا اطمینان دلایا، پھر اس پر یہ بھی منع فرمادیا کہ اس کا کہیں نہ ذکر کیا جاوے۔ مدعا یہ تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کے پاس شہد پیا تھا اُنھیں شہد چھوڑنے کی اطلاع نہ دی جائے، کیوں کہ اس سے ان کو ملال ہوگا اور آپ کو یہ منظور ہی نہیں کہ کسی کی بھی دل شکنی ہو۔ چنانچہ حدیث شریف کے الفاظ جو امام بخاری ومسلم نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیے ہیں یہ ہیں: فَدَخَلَ عَلٰى اِحْدٰهُمَا فَقَالَتْ ذٰلِكَ فَقَالَ لَا بَأْسَ شَرِبْتُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَلَنْ اَعُوْدَ لَهٗ وَقَدْ حَلَفْتُ لَا تُخْبِرِيْ بِذٰلِكَ اَحَدًا يَبْتَغِيْ مَرْضَاةَ اَزْوَاجِهٖ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ: 283)

ترجمہ: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کے پاس پہنچے تو اُنھوں نے اپنا منصوبہ بیان کیا کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے، آپ نے فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ ہم نے تو زینب بنت جحش کے ہاں شہد پیا ہے۔ (فرمایا) اب ہم ان کی طرف نہ لوٹیں گے اور بے شک ہم نے قسم کھائی ہے اور تم کسی کو اس شہد چھوڑنے کی خبر نہ دینا (اس سے) اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے تھے۔

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب معلوم تھا کہ ہمارے منھ سے مغافیر کی بو نہیں آتی اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم تھا کہ ان کا منشا یہ ہے کہ آپ شہد پینا چھوڑ دیں، اس واسطے ان کی رضامندی کے لیے ارشاد فرمایا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ پھر شہد نہ پیوں گا اور پھر آپ کا یہ فرمانا کہ تم کسی کو اس شہد چھوڑنے کی خبر نہ دینا اس لیے تھا کہ اگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اس کی خبر پہنچے گی تو اُن کی دل شکنی ہوگی۔ چنانچہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ المصابیح میں اسی لا تخبری کے متعلق فرماتے ہیں: اَلْاَظْهَرُ اَنَّهٗ لِئَلَّا یَنْكَسِرَ خَاطِرُ زَیْنَبَ مِنِ امْتِنَاعِهٖ مِنْ عَسَلِهَا۔ (حاشیہ مشکوٰۃ، صفحہ:283)

ترجمہ: ظاہر ہے کہ آپ نے یہ اس لیے فرمایا تا کہ آپ کے شہد سے رُک جانے کی وجہ سے حضرت زینب کی دل شکنی نہ ہو۔

الحاصل اس حدیث پاک سے انکار علم مصطفیٰ کو کچھ مدد نہیں پہنچ سکتی۔

معلوم نہیں کہ معترض کس نشے میں ہیں اور اس نے کیا سمجھ کر اعتراض کیا۔ حدیث شریف میں ایک لفظ بھی تو ایسا نہیں جس سے کسی طرح یہ ثابت ہو سکے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فلاں امر کا علم نہیں ملا۔

منکرین کا بارھواں شبہ

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے باپ کے قرضے کے متعلق گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضور نے فرمایا کون ہے؟ میں نے عرض کیا: میں! حضور نے فرمایا: میں کون؟ گویا یہ کلمہ سرکار کو ناپسند ہوا۔ (مشکوٰۃ، ص:400)

اگر آپ غیب داں ہوتے تو آپ یہ کیوں دریافت فرماتے کہ کون ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ہی معلوم ہو جاتا۔

جواب: یہ شبہ بھی ایسا ہی واہی ہے جیسا کہ دوسرے گزر چکے ہیں، کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا 'من ذا' فرمانا یعنی کون ہے؟ حضور کے علم نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ ورنہ خود حق سبحانہ وتعالیٰ نے سیدنا خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیف تحیی الموتیٰ کے جواب میں فرمایا: اولم

تؤمن۔ کیا تم ایمان نہیں لائے؟ تو معترض یہاں بھی کہہ دے (معاذ اللہ) کہ اگر اللہ جل شانہ عالم الغیب ہوتا تو یہ کیوں فرماتا کہ تم ایمان نہیں لائے۔ معترض نا سمجھ ہے اُسے معلوم نہیں کہ ہر جگہ سوال کی علت بے علمی نہیں ہوتی مگر جو کم سمجھ حکمتیں نہ سمجھتا ہو اور کلام کی مراد سے ناواقف ہو وہ ایسے واہی شبہے بیان کر سکتا ہے۔ ورنہ کسی مسلمان کی تو ہمت ہو ہی نہیں سکتی، نیز احادیث میں جا بجا مذکور ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ فرشتوں سے دریافت فرماتا ہے کہ میرے بندے کیا کرتے ہیں؟ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ تو کیا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو بھی اپنے بندوں کا حال معلوم نہ تھا۔ (استغفر اللہ)

حضور کے دریافت فرمانے کی حکمت

ایمان والے جانتے ہیں کہ حضور کے دریافت فرمانے کی یہ حکمت تھی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ وغیرہ یہ جان لیں کہ تم کسی کے مکان پر جاؤ اور وہ دریافت کرے کہ تم کون ہو؟ تو (میں) نہ کہہ دیا کرو، بلکہ اپنا نام بتایا کرو اور ایک لفظ 'میں' کہہ دینا جس سے تمیز نہ ہو سکے کہ کون صاحب ہے ناپسند ہے۔

منکرین علم غیب کا تیرھواں شبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ حضور قیامت میں اپنی امتیوں کو کیسے پہچانیں گے؟ فرمایا: آثارِ وضو سے، ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے چمکتے ہوں گے۔ (مشکوٰۃ، ص:40)

اگر آپ غیب داں ہوتے تو کیوں یہ فرماتے؟

جواب: یہ شبہ بھی محض لچر ہے، مخالفین کو ایسے شبہے کرنا شرعاً جائز نہیں، کیوں کہ یہ حضرات اپنی زبانوں سے اسی مسئلہ علم مصطفیٰ میں شب و روز کہتے رہتے ہیں کہ حوض کوثر پر کچھ لوگ داخل ہوں گے، حضور انھیں اپنے صحابی کہہ کر پکاریں گے اور بلا دیں گے، تو فرشتے عرض کریں گے کہ یہ آپ کے بعد مرتد ہو گئے، آپ کو اُن کا حال معلوم نہیں، اس کا جواب پیچھے گزر چکا ہے۔ مجھے عرض کرنا ہے کہ جو معترض نے اپنی زبان سے کہا ہے کہ حضور اپنی امت کو آثارِ وضو سے

پہچانیں گے تو بتاؤ کہ ان مرتدوں کے بھی ہاتھ پاؤں اور پیشانی چمکتی اور روشن ہوں گی جو حضور یہ فرمادیں گے کہ یہ میرے صحابی ہیں اور اگر یہ نہ چمکتی ہوں گی تو پھر کیسے بلائیں گے؟ جب کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ حضور کو وہاں آثارِ وضو معرفت کا ذریعہ ہے، سوچو اور نادم ہو۔ اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت وضو کا بیان منظور تھا، اس لیے یہ فرمایا کہ ہماری اُمت کے اوپر خاص کرم الٰہی ہے، اس دن وہ سب سے ممتاز ہوگی اور معترض یہ سمجھ گیا کہ شاید حضور کی معرفت اسی پر موقوف ہے۔ آفریں ہے معترض کی سمجھ پر۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تفسیر فتح العزیز میں لکھتے ہیں:

ودیلمی از ابونافع روایت میکند کہ آنحضرت فرمودند کہ مُثِّلَتْ لِیْ اُمَّتِیْ فِی الْمَآءِ وَالطِّیْنِ یعنی تصویرات امت من در آب وگل ساختہ بمن نمودند۔ (تفسیر عزیزی، پارہ الم، صفحہ:167)

ترجمہ: دیلمی نے ابونافع سے روایت کی ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میری امت کی تصویر، پانی اور مٹی میں بنا کر دکھائی گئی ہے۔

اس حدیث پاک سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو جانتے ہیں، اس لیے قیامت کے روز اپنی امت کو پہچاننا آثارِ وضو پر موقوف نہیں، بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خود بخود بھی پہچان لیں گے۔

☆☆☆

پندرہواں وعظ:5

منکرین کے شبہات اور ان کے جوابات

منکرین کا چودہواں شبہ

معراج کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کافروں نے بیت المقدس کا حال دریافت کیا تو آپ متردد ہوئے، جب اللہ عزوجل شانہ نے بیت المقدس حضور کے سامنے کیا تب حضور نے کافروں کو اس کا حال بتایا، اگر حضور غیب جانتے تو آپ تردد نہ کرتے اور فوراً بتادیتے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو ہر چیز کا علم نہیں۔

جواب: مسلمانوں کو صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جمیع اشیا کا علم قرآن وحدیث سے ثابت ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے تو پھر اپنی طرف سے شبہ پیدا کرنا اور ہمیشہ اسی فکر میں رہنا کہ کوئی اعتراض علم مصطفی پر گڑھیں، اس چیز کا انکار ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور یہ سخت مذموم اور قبیح ہے، لہٰذا جب ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم جمیع اشیا پر ثابت کر چکے تو اَب کسی کو اعتراض کی کیا گنجائش، اب جو کوئی اعتراض کرتا ہے وہ آیت وحدیث کا مقابلہ کرتا ہے۔ اب شبہ کا جواب سنیے کہ ہر ذی عقل گرچہ وہ علم نہ بھی رکھتا ہو، تاہم اتنا تو ضرور جان سکتا ہے کہ کفار نے جو باتیں بیت المقدس کے متعلق حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی تھیں وہ ضرور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھیں اس لیے کہ اگر کفار ایسے امر کا سوال کرتے جس کے جاننے کا اقرار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز متردد اور غمگین نہ ہوتے بلکہ صاف یہ ارشاد فرمادیتے کہ ہم نے اس کے جاننے کا دعویٰ نہیں کیا پھر تم ہم سے اس کو کیوں دریافت کرتے؟ مگر حسب بیان معترض حضور نے یہ نہ فرمایا بلکہ متردد ہوئے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور نے صراحتاً یا اشارۃً ان باتوں کے

جاننے کا اقرار فرمایا تھا جو کافروں نے دریافت کیں اور حضور کا فرمان سراسر حق بجانب ہے کہ بالضرور حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کے متعلق اُن باتوں کا علم تھا جو کفار نے دریافت کی تھیں پھر ان کو نہ بتانا، یا متردد ہونا کسی حکمت پر مبنی یا اس طرف التفات نہ ہونے سے ناشی۔ دوم یہ کہ خود حدیث موجود ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت المقدس تشریف لے گئے اور یوں نہیں کہ سوار چلے جاتے تھے، راستے میں بیت المقدس پر گزرے اور اس کو پورے طور پر دیکھا بھی نہیں بلکہ وہاں سواری یعنی براق سے اتر کر مسجد کے اندر تشریف لے گئے، وہاں دو رکعت نماز ادا کی پھر باہر تشریف لائے۔ حضرت جبرئیل ایک شراب کا اور ایک دودھ کا برتن لائے۔ حضور نے دودھ پسند فرمایا، حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا۔

حدیث کے الفاظ میں یہ ہیں: أُتِيتُ بِالْبُرَاقِ وَهُوَ دَابَّةٌ أَبْيَضُ طَوِيلٌ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُونَ الْبَغْلِ يَقَعُ حَافِرُهُ عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرْفِهٖ فَرَكِبْتُهُ حَتّٰى أَتَيْتُ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ فَرَبَطْتُهُ بِالْحَلْقَةِ الَّتِي يَرْبُطُ بِهَا الْأَنْبِيَاءُ قَالَ ثُمَّ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَصَلَّيْتُ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجْتُ۔ (مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ:528)

ترجمہ: مجھے براق دی گئی یعنی ایک جانور سفید دراز قد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا، جہاں تک نگاہ جاتی تھی وہاں تک اس کا قدم پڑتا تھا۔ اس پر میں سوار ہوا، یہاں تک کہ میں بیت المقدس میں آیا تو براق کو اس حلقے سے باندھا جس کے ساتھ انبیا اپنی اپنی سواریوں کو باندھتے تھے، فرمایا: پھر میں مسجد میں داخل ہوا، اس میں دو رکعت ادا کی، اس کے بعد نکلا۔

حضور سراپا نور کا سیر کرنا اور بیت المقدس کا دیکھنا، وہاں ٹھہرنا، سواری سے اترنا، براق کو باندھنا، بیت المقدس میں داخل ہونا اور دو رکعتیں ادا فرمانا، صاف بتا رہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں کے حالات سے آگاہی تھی، پھر اگر حضور متردد ہوئے ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت اس طرف التفات نہ تھا، چنانچہ حدیث کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ فَسَأَلَتْنِي عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ لَمْ أُثْبِتْهَا فَكُرِبْتُ كُرْبًا۔ (مشکوٰۃ، ص:529)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو حطیم میں دیکھا اور قریش مجھ سے میری سیر کے متعلق سوال کرتے تھے اور انھوں نے مجھ سے بیت المقدس کی چیزیں پوچھیں جن کو میں یاد نہیں رکھتا تھا، چنانچہ مجھے اس کا بہت غم لاحق ہوا۔

اور اس کے حاشیہ پر ہے: لَمْ أُثْبِتْهَا أَيْ لَمْ أَضْبِطْهَا وَلَمْ أَحْفَظْهَا۔ (لمعات حاشیہ مشکوٰۃ، صفحہ:529)

یعنی وہ مجھے یاد نہ رہیں، کیوں کہ اُن کی طرف التفات نہ رہی۔

صاف ظاہر ہے کہ یہاں التفات کی نفی ہے نہ کہ علم کی تاکہ معترض کو مفید ہو۔ مخالفین کی زیادہ تسلی کے لیے 'اشعۃ اللمعات' کی ایک عبارت پیش کی جاتی ہے: اقوال ظاہر آں کہ بجہت عدم توجہ بداں مثلاً ہمہ درہا و دریچہ ہا چہ قدر بودند۔ (حاشیہ اللمعات، جلد چہارم، ص:539)

منکرین کا پندرہواں شبہ

قاضی خان میں ہے: رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بِغَيْرِ شُهُوْدٍ فَقَالَ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ خدا را و پیغمبر را گواہ کردیم قَالُوْا يَكُوْنُ كُفْرًا لِأَنَّهُ اعْتَقَدَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ وَهُوَ مَا كَانَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ حِيْنَ كَانَ فِي الْأَحْيَاءِ فَكَيْفَ بَعْدَ الْمَوْتِ۔

یعنی ایک مرد نے ایک خاتون سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا، پس مرد اور خاتون نے کہا: اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے گواہ بنایا۔ کہتے ہیں کہ یہ کفر ہوگا اس لیے کہ اس نے یہ اعتقاد کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کو جانتے ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ زندگی میں بھی غیب نہ جانتے تھے، پس بعد وفات کیوں کر جان سکتے ہیں۔

جواب: معترض کا منشا یہ ہے کہ معتقد علم غیب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفیر فقہ سے ثابت کرے، مگر ابھی اس کو یہ خبر نہیں کہ اس نے یہ کفر اپنے ذمے لے لیا، کیوں کہ قاضی خان کی عبارت سے اگر کفر ثابت ہوتا ہے تو معتقد علم غیب نبی بھی (معاذ اللہ) کافر اور تمام مخالفین بھی، کیوں کہ وہ قائل ہیں کہ اللہ جل شانہ نے حضرت کو بعض غیوب کا علم عطا فرمایا ہے۔ پس بموجب عبارت قاضی خاں تمام منکرین میں ہوں گے۔ الحاصل اگر (معاذ اللہ) قاضی خاں کی عبارت

سے اہل سنت پر الزام آئے گا تو ہمارے مخالفین ضرور کافر ٹھہریں گے اور اگر وہ کافر نہ ٹھہریں تو کیا ہم نے ہی خطا کی، یہ تھا الزامی جواب، اب تحقیقی جواب بھی سنیے کہ قاضی خاں کی عبارت میں لفظ قالوا موجود ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس مسئلے میں اختلاف ہے، کیونکہ قاضی خان وغیرہ فقہا کی عادت ہے کہ وہ لفظ قالوا اس مسئلے پر لاتے ہیں جو خود ان کے نزدیک غیر مستحسن ہو اور ائمہ سے مروی نہ ہو۔ چنانچہ شامی، جلد پنجم، ص:445 میں ہے: لَفْظَةُ قَالُوْا تُذْكَرُ فِيْمَا فِيْهِ خِلَافٌ۔ یعنی لفظ قالوا وہاں بولا جاتا ہے جہاں اختلاف ہو۔

اسی طرح غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث قنوت میں لکھتے ہیں:

كَلَامُ قَاضِيْ خَانْ يُشِيْرُ إِلٰى عَدَمِ اِخْتِيَارِهٖ لَهٗ حَيْثُ قَالَ قَالُوْا فَفِيْ قَوْلِهٖ قَالُوْا إِشَارَةٌ إِلٰى عَدَمِ اسْتِحْسَانِهٖ لَهٗ وَ إِلٰى أَنَّهٗ غَيْرُ مَرْوِيٍّ عَنِ الْأَئِمَّةِ كَمَا قُلْنَا فَإِنَّ ذَالِكَ مُتَعَارَفٌ فِيْ عِبَارَاتِهِمْ لِمَنِ اسْتَقْرَاهَا۔

قاضی خان کا کلام ان کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہے، جو انھوں نے قَالُوْا کہا۔ ان کے قالوا کے کہنے میں اشارہ ہے کہ قول پسندیدہ نہیں اور یہ اماموں سے مروی نہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، کیوں کہ یہ فقہا کی عبارات میں متعارف ہے اس کے لیے جو اس کی تلاش کرے۔

حضرات! اب تو سب کو معلوم ہو گیا کہ قاضی خان کی عبارت خود قاضی خان کے نزدیک غیر مستحسن اور غیر مروی وضعیف ومرجوح ہے۔ حتی کہ اس کے ساتھ حکم کرنا سخت ممنوع اور جہل ہے۔ درمختار میں ہے: إِنَّ الْحُكْمَ وَ الْفَتْوٰى بِالْقَوْلِ الْمَرْجُوْحِ جَهْلٌ وَّ خَرْقٌ لِلْإِجْمَاعِ۔

(درمختار، حصہ اول، ص:30)

یعنی مرجوح اور ضعیف قول کے ساتھ حکم کرنا اور فتویٰ دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔

صاحب درمختار نے یہی قاضی خان والا مسئلہ ذکر کیا اور لفظ قیل سے ذکر فرمایا، جیسا کہ لکھتے ہیں: تَزَوَّجَ رَجُلٌ بِشَهَادَةِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ لَمْ يَجُزْ بَلْ قِيْلَ يَكْفُرُ۔

(درمختار، جلد دوم، ص:10)

ترجمہ: ایک شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی گواہی سے نکاح کیا تو ناجائز ہوگا، بلکہ کہا گیا ہے کہ کافر ہو جاتا ہے۔

اب فیصلہ سامعین کے ذمے ہے کہ درمختار اور قاضی خاں دونوں نے اس مسئلے کو ذکر فرمایا مگر ساتھ ہی اشارہ فرمایا کہ تکفیر کا قول ضعیف اور مرجوح ہے، یعنی کافر کہنا ایک ضعیف قول ہے، بلکہ صحیح اور قوی یہ ہے کہ وہ کافر نہیں ہوتا اور یہی علما وفقہا کے نزدیک راجح ہے، جیسا کہ علامہ شامی اسی درمختار کے قول قِيْلَ يَكْفُرُ کے ماتحت لکھتے ہیں: لِأَنَّهٗ اِعْتَقَدَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَالِمُ الْغَيْبِ قَالَ فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ وَفِي الْحُجَّةِ ذُكِرَ فِي الْمُلْتَقَطِ أَنَّهٗ لَا يَكْفُرُ لِأَنَّ الْأَشْيَاءَ تُعْرَضُ عَلٰى رُوْحِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّ الرَّسُوْلَ يَعْرِفُ بَعْضَ الْغَيْبِ قَالَ اللهُ تَعَالٰى عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ أَحَداً إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (شامی، جلد دوم، ص:276)

یعنی کافر اس لیے ہوگا کہ اس نے اعتقاد رکھا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، تاتارخانیہ اور حجۃ میں ہے کہ ملتقط میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ کافر نہ ہوگا، کیوں کہ تمام چیزیں روح مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کی جاتی ہیں اور رسول بعض غیب جانتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں غیب کا جاننے والا ہوں اور اپنے غیب پر کسی کو سوائے پسندیدہ رسول کے مسلط نہیں کرتا۔

بعض غیب صرف رسولوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اولیا بھی جانتے ہیں۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: بَلْ ذَكَرُوْا فِيْ كُتُبِ الْعَقَائِدِ أَنَّ مِنْ جُمْلَةِ كَرَامَاتِ الْأَوْلِيَاءِ الْاِطِّلَاعُ عَلٰى بَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ۔ (شامی، جلد دوم، ص:276)

ترجمہ: بلکہ علما نے کتب عقائد میں ذکر کیا ہے کہ بعض غیب پر اطلاع پانا اولیاء اللہ کی من جملہ کرامتوں سے ہے۔

ان عبارتوں سے ثابت ہوا کہ محققین اور فقہا وعلما کے نزدیک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرام بعض غیب جانتے ہیں اور یہ عقیدہ کفریہ نہیں ہے، اس لیے منکرین کا اعتراض دفع ہو گیا۔

منکرین کا سولھواں شبہ

شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ذَكَرَ الْحَنَفِيَّةُ تَصْرِيْحاً بِالتَّكْفِيْرِ بِاعْتِقَادِ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِمُعَارَضَةِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى قُلْ

لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (شرح فقہ اکبر،ص:185)

یعنی حنفیوں نے صراحتاً ذکر کیا ہے کہ یہ اعتقاد کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام غیب جانتے تھے کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے معارض ہوجانے کی وجہ سے جس میں کہا گیا ہے کہ آپ فرمادیں کہ جو کچھ آسمانوں اورزمین میں غیب ہے اُسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غیب ماننا کفر ہے۔

جواب: معترض نے ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری کی مذکور بالا اقتباس سے پہلے والی عبارت نقل نہیں کی ہے، اگر وہ پوری عبارت نقل کرتا تو اعتراض ہی باقی نہیں رہتا، اب ہم شرح فقہ اکبر کی وہ عبارت بیان کرتے ہیں جسے معترض نے ترک کردیا ہے: ثُمَّ اعْلَمْ اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یَعْلَمُوا الْمُغَیَّبَاتِ مِنَ الْاَشْیَاءِ اِلَّا مَا اَعْلَمَهُمُ اللّٰہُ۔ (شرح فقہ اکبر،ص:185)

یعنی جان لو کہ انبیا ومرسلین، اللہ کے بتائے بغیر غیب سے کچھ نہیں جانتے ہیں۔

اب پورا مطلب معلوم ہوگیا کہ ملا علی قاری حضور اقدس ﷺ کے لیے ذاتی علم غیب ماننے کو کفر فرمارہے ہیں، نہ کہ عطائی علم غیب کو، کیوں کہ عطائی علم غیب کو تو وہ مان رہے ہیں۔

الحاصل جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ذاتی غیب جانتا ہے تو وہ واقعی کافر ہے، اگر علم عطائی کا قائل ہو تو فقہائے کرام اس کو کافر نہیں کہتے، جیسا کہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

حَاصِلُهٗ اَنَّ دَعْوَی الْغَیْبِ مُعَارَضَةٌ لِّنَصِّ الْقُرْاٰنِ یَکْفُرُ بِهَا اِلَّا اِذَا اَسْنَدَ ذٰلِكَ صَرِیْحًا اَوْ دَلَالَةً اِلٰی سَبَبٍ کَوَحْیٍ اَوْ اِلْهَامٍ۔ (شامی، حصہ سوم، ص:297)

ترجمہ: اس کا حاصل یہ ہے کہ دعوئ علم غیب نص قرآن کے خلاف ہے کہ اس کی وجہ سے کفر ہوجاتا ہے مگر جب صراحتاً یا دلالۃً اس کی نسبت کسی سبب کی طرف کردی جائے جیسے وحی یا الہام (تو اس نسبت کی وجہ سے کفر نہیں ہوتا)۔

حضرات! اب تو آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ عقیدۂ علم غیب پر کفر کا فتویٰ لگانا غلط ہے بلکہ فقہائے کرام کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بتانے سے علم غیب جانتے ہیں۔ درمختار میں ہے: وَفِیْهَا کُلُّ اِنْسَانٍ غَیْرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا یَعْلَمُ مَا اَرَادَ اللّٰہُ لَهٗ وَبِهٖ لِاَنَّ اِرَادَتَهٗ تَعَالٰی غَیْبٌ اِلَّا الْفُقَهَاءُ فَاِنَّهُمْ عَلِمُوْا اِرَادَتَهٗ تَعَالٰی بِهِمْ لِحَدِیْثِ الصَّادِقِ

الْمَصْدُوْقِ مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ۔ (درمختار، جلد اول، ص:17)

اشباہ میں ہے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے کہ اس کے لیے اللہ کا کیا ارادہ ہے اور اس کے ساتھ کیا کرے گا، کیوں کہ حق تعالیٰ کا ارادہ غیب ہے، مگر فقیہ اس کو جانتے ہیں، اس لیے کہ وہ جان گئے ہیں جو حق تعالیٰ کا ارادہ اُن کے ساتھ ہے، رسول صادق ومصدوق کی اس حدیث کی وجہ سے جس میں کہا گیا ہے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین میں فقیہ کرتا ہے۔ (غایۃ الاعطار)

حضرات! فقہائے کرام کیا فرمارہے ہیں کہ فقیہ بھی غیب جانتا ہے مگر منکرین، رسول پاک ﷺ کے لیے بھی ماننے کو کفر بتاتے ہیں اور طرفہ یہ کہ اس کی نسبت فقہا کی طرف کرتے ہیں۔ تعجب کی بات نہیں تو اور کیا ہے؟

☆☆☆

سولھواں وعظ: 6
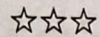
علم غیب پر شبہات اور ان کے جوابات

منکرین کا سترہواں شبہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام فرشتوں کے واسطے پیش ہوتا ہے کہ اگر حضور غیب داں ہوتے تو فرشتوں کے واسطے سے پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

جواب: کم فہم منکر نے درود وسلام ملائکہ کے واسطے سے پہنچانے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم علم کی دلیل سمجھ لی اور آپ کی رفعت شان پر دلیل نہ سمجھی، حالاں کہ صلوٰۃ وسلام فرشتوں کے واسطے سے پیش کرانا حضور کی رفعت شان ظاہر کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ عالم غیب ہے اور اس کے باوجود بارگاہِ الٰہی میں مخلوق کے اعمال فرشتے ہی پیش کرتے ہیں تو یہ اعمال کا پیش ہونا عدم علم کی دلیل نہیں بلکہ بارگاہِ الٰہی کی رفعت شان کی دلیل ہے۔

منکرین کا اٹھارہواں شبہ

منکرین کہتے ہیں کہ جمیع اشیا غیر متناہی ہیں پھر حضور کو غیر متناہی کا علم کیوں کہ ہوسکتا ہے؟

جواب: یہ شبہ جہالت پر مبنی ہے، کیوں کہ جمیع اشیا کو کوئی دیہاتی ہی غیر متناہی نہ کہے گا۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں آیت وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیۡہِمۡ وَ اَحۡصٰی کُلَّ شَیۡءٍ عَدَدًا کے تحت فرماتے ہیں: قُلْنَا لَاشَكَّ أَنَّ اِحْصَاءَ الْعَدَدِ إِنَّمَا يَكُوْنُ فِي الْمُتَنَاهِيْ فَأَمَّا لَفْظَةُ كُلِّ شَيْءٍ فَإِنَّهَا لَا تَدُلُّ عَلٰى كَوْنِهٖ غَيْرَ مُتَنَاهٍ لِأَنَّ الشَّيْءَ عِنْدَنَا هُوَ الْمَوْجُوْدَاتُ وَالْمَوْجُوْدَاتُ مُتَنَاهِيَةٌ فِي الْعَدَدِ۔

ترجمہ: ہم کہتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ عدد میں شمار کرنا متناہی چیز میں ہوسکتا ہے، لیکن کل شئ کا لفظ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ شئ غیر متناہی ہے، کیوں کہ شئ ہمارے ہاں

موجودات ہی ہیں اور موجودات شمار میں متناہی ہیں۔

تفسیر کبیر کی اس عبارت سے روشن ہوگیا کہ موجودات متناہی ہیں مگر منکرین خواہ مخواہ تنقیص علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موجودات کو غیر متناہی کہہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائے کہ مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھیں۔ (آمین)

منکرین کا انیسواں شبہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب کب ملا؟ کبھی تم کہتے ہو کہ معراج کی رات حلق میں قطرہ گرایا گیا، اس سے علم غیب حاصل ہوا، کبھی کہتے ہو کہ آپ نے خواب میں رب کو دیکھا کہ اس نے اپنا دستِ قدرت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شانے پر رکھا جس سے تمام علوم حاصل ہوگئے اور کبھی کہتے ہو کہ قرآن تمام چیزوں کا بیان ہے، جب وہ تمام نازل ہوچکا تو آپ کو علم غیب مل گیا ان میں سے کون سی بات درست ہے؟

جواب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نفسِ علم غیب تو ولادت سے پہلے عطا ہوچکا تھا، کیوں کہ آپ ولادت سے قبل عالم ارواح میں نبی تھے: کنت نبیًا وَّ اٰدم بین الماءِ والطّین۔ اور نبی اسی کو کہتے ہیں جو غیب کی خبر دے، باقی علم ما کان وما یکون کی تکمیل شب معراج میں ہوئی، لیکن یہ تمام علوم شہودی تھے کہ تمام اشیا کو نظر سے مشاہدہ فرمایا پھر قرآن پاک نے ان ہی دیکھی ہوئی چیزوں کا بیان فرمایا، جیسا کہ ارشاد ہے: تبیانا لکل شیء۔ قرآن پاک ہر شئ کا بیان ہے اور معراج میں یہ ہوا کہ: فتجلّی لی کل شیء وعرفت۔

الغرض دیکھنا اور ہے اور بیان کرنا اور، جیسا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا فرما کر تمام چیزیں دکھا دیں تو مشاہدہ تھا، پھر بعد میں ان کے نام بتائے یہ بیان تھا، لہٰذا دونوں قول صحیح ہیں کہ معراج میں بھی علم ملا اور قرآن مجید سے بھی۔

آخری فیصلہ

حیوانوں کی شہادت کہ حضور کو علم غیب حاصل ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان

کرتے ہیں کہ: جَاءَ ذِئْبٌ إِلٰى رَاعِى غَنَمٍ فَأَخَذَ مِنْهَا شَاةً فَطَلَبَهُ الرَّاعِىْ حَتّٰى اِنْتَزَعَهَا مِنْهُ قَالَ فَصَعِدَ الذِّئْبُ عَلٰى تَلٍّ، وَاَقْعٰى وَ اسْتَثْفَرَ وَ قَالَ قَدْ عَمَدْتُ اِلٰى رِزْقٍ رَزَقَنِيْهِ اللهُ اَخَذْتُهُ ثُمَّ انْتَزَعْتَهُ مِنِّىْ فَقَالَ الرَّجُلُ تَاللهِ اِنْ رَاَيْتُ كَالْيَوْمِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ الذِّئْبُ اَعْجَبُ مِنْ هٰذَا رَجُلٌ فِى النَّخْلَاتِ بَيْنَ الْحَرَّتَيْنِ يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَطٰى وَمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ قَالَ فَكَانَ الرَّجُلُ يَهُوْدِيًّا فَجَاءَ اِلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ وَ اَسْلَمَ فَصَدَّقَهُ النَّبِىُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ (شرح السنہ، مشکوۃ، صفحہ:541)

ترجمہ: ایک بھیڑیا بکریوں کے چرواہے کی طرف آیا اور اُن کی ایک بکری پکڑی، چرواہے نے بھیڑیے کو تلاش کیا، یہاں تک کہ بکری کو اُس سے چھڑا لیا۔ ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ بھیڑیا ٹیلے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور اپنی دم اپنے دونوں پاؤں کے درمیان کی اور کہا کہ میں نے اس رزق کا ارادہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا تھا اور میں نے اس کو لے لیا پھر تو نے مجھ سے چھڑا لیا۔ چرواہے نے کہا: واللہ! میں نے آج کی طرح کبھی بھیڑیا کو کلام کرتے نہیں دیکھا، بھیڑیے نے کہا: اس سے زیادہ تعجب انگیز ایک شخص کا حال ہے جو دو سنگستانوں کے درمیان کھجور کے درختوں (یعنی مدینہ پاک) میں ہے کہ وہ شخص گزشتہ اور آئندہ جو تمہارے بعد ہوگا سب کی خبریں دیتا ہے۔ ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ وہ چرواہا یہودی تھا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، آپ کو اس واقعے کی خبر دی اور اسلام قبول کرلیا، اس خبر کی تصدیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی۔

اس مبارک حدیث سے معلوم ہوا کہ درندوں اور حیوانوں کو بھی یہ معلوم ہے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم رب کے عطا فرمانے سے علم غیب جانتے ہیں مگر انسانوں سے ایک فرقہ منکرین ایسا بھی ہے جو نبی پاک صاحب لولاک رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب تسلیم نہیں کرتا بلکہ غیب کے قائل کی تکفیر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت فرمائے۔

☆☆☆

سترہواں وعظ: 1

علم غیب پر شبہات اور ان کے جوابات

حضرات! آج کل منکرین نے بڑا شور مچار کھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دور سے بلانا اور یا رسول اللہ کہنا ایسا شرک ہے جس کی مغفرت نہیں ہوسکتی۔ منکرین کا یہ کہنا سراسر باطل ہے بلکہ سلطان دارین کو ندا کرنا قرآن پاک، صحابہ کرام اور بزرگان دین کے عمل سے ثابت ہے۔

قرآن پاک سے ثبوت

قرآن پاک نے بہت سے مقامات میں سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا فرمائی، کہیں یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ فرمایا، کسی جگہ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ فرمایا اور کسی مقام پر یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ کہا اور کہیں یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ فرمایا، ان مقامات میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا گیا، اگر کسی مسلمان نے یہ آیات نماز میں پڑھیں جن میں یہ ندا موجود ہے تو منکرین کے نزدیک اس نے شرک کا ارتکاب کیا اور 'تقویۃ الایمان' کے حکم سے ایمان ہی رخصت ہوگیا (معاذ اللہ) تو نماز کیسی ہوئی؟ منکرین کا عقیدہ عجیب ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والا اس عقیدے کے مطابق مومن رہ ہی نہیں سکتا اور نماز سرے سے ہی نہ ہوگی۔ لہٰذا بد مذہب لوگ نماز میں ایسی آیتیں پڑھیں جس میں کوئی ندا نہ ہو۔ فرض کرو تو وہ بد مذہب ایسی آیات پڑھے جن میں اصلاً ندا نہ ہو، تو آخر نماز میں تشہد تو پڑھے گا کہ السلام علیك أیها النبی ورحمة الله وبرکاته ضرور پڑھے گا تو یہاں سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارے گا تو مشرک ہو جائے گا تو بد مذہب کو چاہیے کہ نماز میں تشہد بھی ترک کردے، ورنہ شرک سے بچ نہیں سکتا، یا پھر اپنے اس عقیدے سے توبہ کرے، اگر بد مذہب یہ کہے کہ تشہد میں تو واقعۂ معراج کی حکایت اور خبر مقصود ہے تو اس کا یہ قول فقہا کے نزدیک سراسر باطل ہے۔

در مختار میں ہے: وَيَقْصِدُ بِاَلْفَاظِ التَّشَهُّدِ مَعَانِيْهَا مُرَادَةً لَهٗ عَلٰى وَجْهِ الْاِنْشَاءِ كَاَنَّهٗ يُحَيِّى

اللہ وَ يُسَلِّمُ عَلٰى نَبِيِّهٖ وَ عَلٰى نَفْسِهٖ وَ اَوْلِيَائِهٖ لَا الْاِخْبَارَ عَنْ ذٰلِكَ ۔ (در مختار، ص:238)

ترجمہ: تشہد کے الفاظ سے ان کے معانی اپنی مراد ہونے کا انشا کے طور پر ارادہ کرے، گویا نمازی اللہ کی تحیت کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اپنے اوپر اور اللہ کے اولیا پر سلام پیش کرتا ہے، اخبار کا ارادہ نہ کرے۔

اس پر علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں: اَیْ لَا یَقْصِدُ الْاَخْبَارَ وَ الْحِکَایَۃَ عَمَّا وَقَعَ فِی الْمِعْرَاجِ مِنْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ مِنْ رَّبِّہٖ سُبْحَانَہٗ وَ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ ۔ (شامی، ص:342)

یعنی التحیات میں السلام علیك ایها النبی میں واقعہ معراج کی نقل و حکایت کا ارادہ نہ کرے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے رب تعالیٰ اور فرشتوں کی جانب سے واقع ہوا ہے۔

حدیث پاک اوّل

۱۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا نے دربار رسالت میں عرض کیا: یارسول اللہ! بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائیں کہ اللہ میری آنکھیں کھول دے، فرمایا: جا! وضو کرو اور دو رکعت ادا کرو، پھر یہ دعا مانگو: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِمُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ ۔

(سنن ابن ماجہ، ص:100)

ترجمہ: یارب! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف محمد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں، یا محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنی اس حاجت میں کہ وہ پوری ہو جائے۔ یارب! حضور کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

یہ حدیث صحیح ہے، محدثین نے اس کی تصحیح فرمائی اور یہ صحاح کی تینوں کتب میں مروی ہے۔

حضرات! ذرا غور فرمائیں کہ خود حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا محمد اور یا رسول اللہ! اپنے غلام کو تعلیم فرمایا اور وہ بھی غائبانہ، کیوں کہ اس نے دوسری جگہ وضو کیا اور نماز ادا کی جہاں

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے نہ تھے۔ دوسرے اس حدیث پاک سے بھی ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے وسیلے سے دعا کرنا جائز ہے اور خود سرکار کا حکم ہے، اگر کوئی منکر یہ کہے کہ یہ ندا اور وسیلہ آپ کی حیات طیبہ کے ساتھ خاص ہے اور جب آپ دنیا سے انتقال فرما گئے تو نہ آپ کو ندا جائز اور نہ ہی آپ کا وسیلہ پکڑنا جائز ہے۔ منکروں کا یہ کہنا بھی غلط ہے، کیوں کہ سلطان دارین کو بعد از وصال پکارنا اور مشکل کے وقت استغاثہ کرنا خود صحابہ کا حکم بھی ہے اور عمل بھی ہے۔ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عثمان بن حنیف سے روایت کی ہے کہ کسی شخص کو حضرت خلیفۃ المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ایک ضروری کام تھا جو پورا نہیں ہوتا تھا اور حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سائل کی طرف التفات نہیں فرماتے تھے۔ سائل نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے اس کا علاج دریافت کیا، انھوں نے کہا کہ وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرو اور یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِمُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ ۔

اس کے بعد خلیفۂ وقت کے پاس جانا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ دربان نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور خلیفۃ المومنین کے پاس لے گیا تو خلیفۂ وقت نے اس شخص کو اپنی خاص جگہ پر بٹھایا اور اس کی حاجت پوچھی اور اس کو پورا کیا، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جب کبھی تجھے کوئی حاجت پیش آئے تو میرے پاس آنا، میں اس کو پورا کر دوں گا۔ سائل خوش و خرم ہو کر حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: جزاك الله خیرًا۔ میں نے وہ دعا پڑھی اور میرا کام ہو گیا، حالاں کہ اس سے پہلے خلیفہ وقت بالکل میری طرف التفات نہیں فرماتے تھے۔ (جذب القلوب، ص:219)

حضرات! آپ نے دیکھا کہ خود صحابی رسول نے سرکار کے وصال کے بعد مشکل وقت میں 'یارسول اللہ' کہہ کر پکارنا سکھایا اور جس نے یہ دعا پڑھ کر سرکار کو پکارا، یا تو وہ بھی صحابی ہوگا، ورنہ تابعی تو بالیقین ہے، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ مشکل کے وقت 'یارسول اللہ' کہنا صحابی کا حکم ہے اور خود صحابی یا تابعی نے یارسول اللہ (یا محمد) مشکل کے وقت کہا جس سے اس کی مشکل بھی حل ہو گئی۔

دوسری حدیث

امام بخاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: خَدِرَتْ رِجْلُ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ اُذْکُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَیْکَ فَقَالَ یَامُحَمَّدُ۔ (الادب المفرد، صفحہ:432)

یعنی حضرت ابن عمر کا پاؤں سن ہو گیا تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ (ایسے وقت میں) آپ اس شخص کو یاد کریں جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہو تو انھوں نے کہا: یا محمد!

قاضی ابوالفضل عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو یوں بیان کیا ہے:

رُوِیَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ خَدِرَتْ رِجْلُہٗ فَقِیْلَ لَہٗ اُذْکُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَیْکَ یَزُلْ عَنْکَ فَصَاحَ یَامُحَمَّدَاہُ فَانْتَشَرَتْ۔ (شفا، جلد دوم، صفحہ:18)

ترجمہ: روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پاؤں سن ہو گیا، تو اُن کو کہا گیا کہ اس کو یاد کرو جو تجھے سب زیادہ پیارا ہے، چنانچہ انھوں نے یا محمداہ کہا تو ان کا پاؤں کھل گیا۔

حضرات! اس حدیث پاک سے شمس وامس کی طرح واضح ہے کہ خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشکل وقت میں پکارتے تھے اور وہ بھی غائبانہ اور اُن کی مشکل حل ہو جاتی۔ آج چودہویں صدی میں منکرین اسی پکارنے کو شرک اکبر خیال کرتے ہیں، گویا ان کے یہاں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی شرک کا ارتکاب کر لیتے تھے۔

تیسری حدیث پاک

حضرت ابن ابی شیبہ نے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ خلافتِ فاروقی میں ایک بار قحط پڑا، ایک صاحب نے مزار اقدس حضور ملجائے بیکساں صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر عرض کیا:

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اِسْتَسْقِ لِاُمَّتِکَ فَاِنَّھُمْ قَدْ ھَلَکُوْا۔ یعنی یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے اللہ تعالیٰ سے پانی طلب کریں کہ وہ ہلاک ہوئے جاتے ہیں۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرت کے پاس خواب میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا:

اِئْتِ عُمَرَ فَاَقْرَأْہُ السَّلَامَ وَاَخْبِرْھُمْ اَنَّھُمْ سَیُسْقَوْنَ۔

(بیہقی وابن ابی شیبہ بسند صحیح بحوالہ جذب القلوب، صفحہ:221)

ترجمہ: عمر کے پاس جا کر سلام پہنچاؤ اور لوگوں کو خبردار کر دو کہ ابھی بارش ہوگی۔

اس مبارک حدیث سے ثابت ہوا کہ لوگ صحابہ کرام کے زمانے میں سختی کے وقت روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے اور یا رسول اللہ کہہ کر اپنی درخواستیں پیش کرتے اور اپنی مرادیں پاتے۔

چوتھی حدیث

حضرت محمد بن محمد بن محمد ابن حزری شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں:

وَاِنْ اَرَادَ عَوْنًا فَلْیَقُلْ یَاعِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ یَاعِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ یَاعِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ۔

(طبرانی، حصن حصین، صفحہ:283)

یعنی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) اگر مدد چاہیے تو یوں کہے کہ اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔

حضرات! سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف اور کھلے ارشادات سے مدد چاہو تو اللہ کے بندوں کو پکارو، مثلاً: یا رسول اللہ، یا شیخ عبد القادر وغیرہ۔

پانچویں حدیث

قاضی ابوالفضل عیاض ایک حدیث نقل فرماتے ہیں: عَنْ عَلْقَمَۃَ قَالَ اِذَا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ اَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ (شفا، جلد دوم، ص:53)

ترجمہ: حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں جب مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں: السلام علیک أیھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرات منکرین! غور کریں کہ حضرت علقمہ جب بھی مسجد میں حاضر ہوتے ہیں تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں اور اپنے آقا ومولیٰ کو غائبانہ پکارتے ہیں، اب بتاؤ ان حضرات پر تمہارا فتویٰ کیا ہے۔

☆☆☆

اٹھارہواں وعظ :2

مشکل وقت میں حضور اقدس کو پکارنا

امام ابن جوزی نے 'عیون الحکایات' میں تین اولیائے عظام کا عظیم الشان واقعہ بسند مسلسل روایت اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے 'شرح الصدور' میں بیان کیا ہے کہ وہ تین بھائی شہ سوار اور بہادر شام کے رہنے والے تھے جو ہمیشہ راہِ خدا میں جہاد کرتے رہتے تھے:

فَأَسَرَهُمُ الرُّوْمُ مَرَّةً فَقَالَ لَهُمُ الْمَلِكُ إِنِّيْ أَجْعَلُ فِيْكُمُ الْمُلْكَ وَأُزَوِّجُكُمْ بَنَاتِيْ وَتَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ النَّصْرَانِيَّةِ فَأَبَوْا وَقَالُوْا يَا مُحَمَّدَاهُ۔

ترجمہ: ایک دفعہ نصارائے روم نے ان کو قید کر لیا تو اُن کو بادشاہ نے کہا کہ بے شک میں تمھیں سلطنت دوں گا اور اپنی بیٹیاں تمھیں بیاہ دوں گا تم نصرانی ہو جاؤ۔ انھوں نے انکار کیا اور کہا: یا محمداہ!

تب بادشاہ نے دیگوں میں تیل گرم کرا کر دو صاحبوں کو اس میں ڈال دیا جب کہ تیسرے کو اللہ تعالیٰ نے ایک سبب پیدا فرما کر بچالیا۔ وہ دونوں چھ مہینے کے بعد ملائکہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیداری میں ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمھاری شادی میں شریک ہونے کو بھیجا ہے، انھوں نے حال پوچھا تو فرمایا:

مَا كَانَتْ إِلَّا الْغَطْسَةَ الَّتِيْ رَأَيْتَ حَتّٰى خَرَجْنَا فِي الْفِرْدَوْسِ۔

ترجمہ: وہ (تیل کی دیگ) نہیں تھی مگر ایک غوطہ جو تم نے دیکھا، یہاں تک کہ ہم جنت میں جانکلے۔

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: كَانُوْا مَشْهُوْرِيْنَ بِذٰلِكَ مَعْرُوْفِيْنَ بِالشَّامِ فِي الزَّمَنِ الْأَوَّلِ۔ یعنی یہ حضرات زمانہ سلف میں شام میں مشہور تھے اور ان کا یہ واقعہ معروف ہے، پھر فرمایا کہ شعرا نے ان کی منقبت میں قصیدے لکھے، ان میں سے ایک یہ بیت ہے:

سَيُعْطِي الصَّادِقِيْنَ بِفَضْلِ صِدْقٍ
نَجَاةٌ فِي الْحَيَاةِ وَ فِي الْمَمَاتِ

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ سلف صالحین بھی مشکل کے وقت اپنے آقا و مولیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے اور ندا کرتے تھے۔

حضرت امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے:

اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَأْتِيَ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَ تَجْعَلَ ظَهْرَكَ إِلَى الْقِبْلَةِ وَ تَسْتَقْبِلُ الْقَبْرَ بِوَجْهِكَ ثُمَّ تَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ (مسند امام اعظم، ص:235 مترجم)

ترجمہ: حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے نافع سے انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ سنت یہ ہے کہ آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر قبلہ کی طرف سے حاضر ہو اور قبلہ کو پشت کر کے قبر مبارک کی طرف منھ کر کے یہ عرض کرو: السلام علیك أيها النبي ورحمة الله وبركاته۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ سیدنا امام الائمہ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کر کے سلام عرض کرنا صحیح اور روا ہے۔

بزرگان دین اور علمائے امت کے نزدیک یا رسول اللہ کہنا جائز ہے۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے شیخ بہاء الحق والدین کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

ذکر کشف ارواح یا احمد یا محمد در دو طریق است۔ یک طریق آنست یا احمد را در راستا بگوید و یا محمد در چپا بگوید و در دل ضرب کند یا رسول اللہ۔ طریق دوم آنست کہ یا احمد را در راستا بگوید و چپا یا محمد و در دل وہم کند یا مصطفی دیگر ذکر یا احمد یا محمد یا علی یا حسن یا حسین یا فاطمہ شش طرفی ذکر کند کشف جمیع ارواح شود و دیگر اسمائے ملائکہ مقرب ہمیں تاثیر دارند یا جبرئیل یا میکائیل یا اسرافیل یا عزرائیل چہار ضربی دیگر ہم شیخ یعنی بگوید یا شیخ یا شیخ ہزار بار بگوید کہ حرف ندا را از دل بکشد طرف راستا ہر دو لفظ شیخ را در دل ضرب کند۔ (اخبار الاخیار، ص:351)

ترجمہ: کشف ارواح کے لیے یا احمد یا محمد پڑھنے کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ یا احمد کو

داہنی طرف اور یا محمد کو الٹی جانب پڑھتے ہوئے دل میں یارسول اللہ کی ضرب لگائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یا احمد کو داہنی جانب اور یا محمد کو بائیں جانب اور دل میں یا مصطفی کا خیال کرے، دوسرے ذکر یا احمد یا محمد یا علی یا حسن یا حسین یا فاطمہ کا چھ طرفہ ذکر کرے تو تمام ارواح کا کشف ہوجاتا ہے، نیز مقرب فرشتوں کے نام بھی یہی اثر کرتے ہیں یعنی یا جبریل یا میکائیل یا اسرافیل یا عزرائیل کا چار ضربی ذکر کرے، نیز شیخ بھی یعنی یا شیخ یا شیخ ہزار مرتبہ اس طرح پڑھے کہ حرف ندا کو دل کی سیدھی جانب سے کھینچے اور دونوں لفظ شیخ کی ادائیگی کے ساتھ دل پر ضرب لگائے۔

اس عبارت سے یہ ثابت ہوا کہ اولیائے امت کے نزدیک یارسول اللہ کہنا باعث خیر وبرکت ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے سرکار اعظم کو دور سے پکارا اور یوں عرض کیا:۔

اے محمد گر قیامت را برآری سر زخاک
سر برآور دیں قیامت درمیان خلق بیں

حضرت مولانا عبدالرحمن جامی بارگاہِ رسالت میں غائبانہ یوں عرض کرتے ہیں:۔

زمہجوری برآمد جانِ عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم (زلیخا)

صاحب قصیدہ بردہ بارگاہِ نبوی میں یوں عرض کرتے ہیں:۔

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِيْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

ترجمہ: اے بہترین مخلوق! آپ ﷺ کے سوا میرا کوئی نہیں کہ مصیبت عامہ کے وقت اس کی پناہ طلب کروں۔

الغرض اولیائے کرام اور علمائے عظام نے جو ندائیں عرض کی ہیں ان سے دفتر کے دفتر بھرے ہوئے ہیں جن کی اس مختصر وعظ میں نقل کی جگہ نہیں۔ منکرین کے پیشوا مولوی محمد قاسم نانوتی بانی مدرسہ دیوبند اپنے 'قصائد قاسمی' صفحہ:18 میں لکھتے ہیں:۔

جو انبیا ہیں وہ آگے تری نبوت کے
کریں ہیں امتی ہونے کا یا نبی اقرار

کہ دروں جرموں کے آگے یہ نام کا اسلام
کرے گا یا نبی اللہ کیا یہ میری پکار
مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی مددگار

اکابر دیوبند کے پیرومرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی 'مناجات' صفحہ:32 پر فرماتے ہیں:۔

اے رسولِ کبریا فریاد ہے
یا محمد مصطفی فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل
اے مرے مشکل کشا فریاد ہے
چہرۂ تاباں کو دکھلا دو مجھے
تم سے اے نور خدا فریاد ہے
قیدِ غم سے اب چھڑا دیجیے مجھے
یا شہِ ہر دوسرا فریاد ہے

حاجی مہاجر مکی ایک نعتیہ غزل میں سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں پکارتے ہیں:۔

جہاز امت کا حق نے کردیا ہے آپ کے ہاتھوں
بس اب چاہو ڈبا دو یا ترا دو یارسول اللہ
پھنسا ہوں بے طرح گردابِ غم میں ناخدا ہوکر
مری کشتی کنارے پر لگا دو یارسول اللہ

(گلزارِ معرفت، ص4)

حضرات! ذرا غور سے کریں کہ حاجی مہاجر مکی نے سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو فریاد رس کہا، مشکل کشا مانا، غائبانہ پکارا اور یارسول اللہ کہا اور آپ سے حاجت مانگیں اور آپ کو حاجب روا سمجھا۔ تعجب ہے کہ پیر کا یہ عقیدہ ہو اور آج کل ان کے ناخلف مرید اسی عقیدے کو کفر وشرک خالص کہتے ہیں، یہ منکروں کے لیے ایک خاص نصیحت اور عبرت ہے۔

حضرات اہل سنت! ندائے غیب کا مسئلہ پورے طور پر واضح ہوگیا کہ مشکل یا غیر مشکل میں غائبانہ صورت میں یارسول اللہ کہنا عمل صحابہ اور اکابر امت کا عمل ہے مگر جن کے دلوں میں بدعقیدگی کی مرض لگ چکی ہے وہ اس مسئلے کو نہ سمجھیں نہ مانیں، حالاں کہ حیوانات ونباتات بھی اس مسئلے پر ایمان رکھتے ہیں اور وقت مشکل یارسول اللہ کہتے ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ 'شفا' میں فرماتے ہیں: عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَحْرَاءِ فَنَادَتْهُ ظَبْيَةٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ مَا حَاجَتُكِ قَالَتْ صَادَنِيْ هٰذَا الْاَعْرَابِيُّ وَلِيْ خَشْفَانِ فِيْ ذٰلِكَ الْجَبَلِ فَاَطْلِقْنِيْ حَتّٰى اَذْهَبَ فَاُرْضِعُهُمَا وَاَرْجِعُ قَالَ اَوْ تَفْعَلِيْنَ قَالَتْ نَعَمْ فَاَطْلَقَهَا فَذَهَبَ وَ رَجَعَتْ فَاَوْثَقَهَا فَانْتَبَهَ الْاَعْرَابِيُّ وَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَكَ حَاجَةٌ قَالَ تُطْلِقُ هٰذِهِ الظَّبْيَةَ فَاَطْلَقَهَا فَخَرَجَتْ تَعْدُوْ فِي الصَّحْرَاءِ تَقُوْلُ: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ۔ (شفا، جلد اوّل، ص:207)

ترجمہ: حضرت اُم سلمہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحرا میں تھے، ایک ہرنی نے ندا دی: یارسول اللہ! فرمایا: کیا حاجت ہے؟ عرض کیا: مجھ کو اس اعرابی نے پکڑ لیا اور اس پہاڑ میں میرے دو چھوٹے بچے ہیں، مجھے کھول دیجیے تاکہ میں جا کر اُن کو دودھ پلا آؤں، فرمایا: کیا ایسا کرے گی؟ عرض کیا: ہاں! حضور ﷺ نے اس کو کھول دیا وہ چلی گئی اور واپس آگئی پھر آپ نے اس کو باندھ دیا۔ ادھر اعرابی جاگ پڑا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! کچھ حکم ہے؟ فرمایا: اس ہرنی کو چھوڑ دو، اس نے ہرنی کو چھوڑ دیا اور ہرنی یہ پڑھتی ہوئی جنگل میں دوڑتی ہوئی نکل گئی: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ جنگل کے حیوان بھی مشکل وقت میں اپنی مشکل کشائی کے لیے یارسول اللہ کہتے ہیں۔

شجر و حجر کا یارسول اللہ کہنا

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مَا اسْتَقْبَلَهٗ شَجَرٌ وَلَا جَبَلٌ اِلَّا قَالَ لَهُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ۔ (شفا، جلد اول، ص:201)

یعنی جو کوئی درخت اور پہاڑ حضور ﷺ کے سامنے آتا وہ عرض کرتا:

السلام علیك یا رسول اللہ۔

الحاصل قرآن وحدیث میں اور صحابہ، اولیا وصلحا علمائے اُمت کے نزدیک مشکل وقت میں یارسول اللہ کہنا جائز ہے اور جانور، شجر وحجر سب یارسول اللہ کہتے ہیں مگر منکر ہے تو ایک بدقسمت بدعقیدہ جو مانتا ہی نہیں۔

نعرۂ رسالت کا ثبوت

منکر بدعقیدہ یارسول اللہ کے سخت خلاف ہیں اور نعرۂ رسالت لگانا شرک اکبر خیال کرتے ہیں، حالاں کہ نعرۂ رسالت کا ثبوت حدیث پاک سے ہے۔ حضرت برا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ داخل ہوئے: فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُيُوْتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِي الطُّرُقِ يُنَادُوْنَ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللهِ۔ (مسلم، جلد دوم، ص:419)

تو مرد وخواتین گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور گلی کوچوں میں بچے اور غلام یہ پکارتے ہوئے متفرق ہوگئے کہ یا محمد! یارسول اللہ! یا محمد! یارسول اللہ! (ﷺ)

اس حدیث پاک سے واضح ہو رہا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام آپ کو ندا کرتے اور یارسول اللہ! یارسول اللہ! کا نعرہ لگاتے تھے۔

☆☆☆

انیسواں وعظ: 1

سلطان الانبیاء، دارین کی نعمتیں عطافرماتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (سورۂ توبہ)

یعنی انھیں کیا برا لگا؟ یہی نہ کہ انھیں دولت مند کردیا اللہ و رسول نے اپنے فضل سے۔

برادران اسلام! ہم جس دور میں جی رہے ہیں بڑا پرفتن دور ہے، یہ فتنۂ بدمذہبوں کا دور ہے جس کا مقصد و پیشہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اصل اصول جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنا اور ان کے کمالات کا انکار کرنا ہے۔ سیدالانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ نہ کچھ کرسکتے اور نہ کچھ دے سکتے ہیں۔ (معاذ اللہ) اہل حدیث کے بڑے پیرمیاں اسمٰعیل دہلوی اپنی ایمانی کتاب تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں: ''کسی کام میں نہ بالفعل ان کو دخل ہے نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔'' (صفحہ 3) اور رسول اللہ کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (صفحہ: 66) (معاذ اللہ)

اس وعظ میں یہ دکھایا جائے گا کہ سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے فضل و کرم سے اپنے غلاموں کو دونوں جہاں کی نعمتیں عطافرماتے ہیں، کیوں کہ اللہ جل مجدہ کا ارشاد ہے:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (سورۂ توبہ)

یعنی اُنھیں کیا برا لگا، یہی نہ کہ انھیں غنی کردیا اللہ و رسول نے اپنے فضل سے۔

حضرات! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ دولت مند کرتا ہے اور اس کا رسول بھی لوگوں کو غنی کرتا اور دولت مند فرماتا ہے۔ منکرو! ہوش کا ناخن لو، کیوں کہ ارشاد الٰہی کے مطابق سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کو دین و دنیا کی دولتوں سے غنی اور دولت مند فرماتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۔ (سورۂ توبہ، آیت: 59)

ترجمہ: کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوجاتے جو اللہ و رسول نے ان کو دیا اور کہتے ہیں اللہ کافی، اب ہمیں اللہ و رسول اپنے فضل سے دیتا ہے، واقعی ہم اللہ کی طرف رغبت کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! حبیب کردگار کی کیا شان ہے کہ اس آیت میں خود اللہ رب العزت نے واضح الفاظ میں فرمادیا کہ میں بھی دیتا ہوں اور میرا محبوب بھی دیتا ہے اور ساتھ میں یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ اللہ و رسول سے امید لگائے رکھو کہ وہ اپنے فضل سے ہم کو دیں گے۔

الغرض اللہ فرماتا ہے کہ جو میرا رسول ہے وہ دلاتا ہے اور دیتا ہے مگر منکر کہتا ہے کہ رسول کچھ نہیں دے سکتا، بے دین خدائے قدوس کا مقابلہ کرتا ہے، تف ہے اس بے دینی پر۔ اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے: اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ۔ (سورۂ احزاب)

ترجمہ: اللہ نے اُسے نعمت بخشی اور اے نبی تو نے اُسے نعمت دی۔

یعنی خود رب العالمین نعمت عطافرماتا ہے اور اس کا پیارا محبوب سید العالمین بھی نعمت دیتے ہیں، اس ارشاد نے تو منکرین کا سارا گھر ہی جلادیا ہے مگر یہ قوم ہی بے شرم، بے ادب، گستاخ ہوتی ہے کہ اتنی تصریحوں کے باوجود اہل سنت سے جھگڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا چوتھا واضح ارشاد ہے: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ (سورۂ مائدہ، آیت: 55)

ترجمہ: بے شک تمہارا مددگار اللہ اور اس کا رسول اور وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور رکوع کرتے ہیں۔

حضرات! اللہ جل شانہ نے مددگاروں کی جو فہرست بیان کی ہے اس میں اللہ، اس کا رسول اور کامل مومن ہیں یعنی اولیائے کرام۔ منکرین نے بڑی کوشش کی کہ رسول پاک کچھ نہیں کرسکتے اور کچھ مدد نہیں کرسکتے، اللہ تعالیٰ نے ان بے دینوں کا رد فرمایا ہے کہ میری ذات بھی مدد کرتی ہے اور میرا رسول اور میرے ولی یہ سب ہی مددگار ہیں، تم جو کہتے ہو وہ غلط ہے۔

حضرات! خود سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے، آپ فرماتے ہیں: مَا يَنْقِمُ

ابنُ جَمِیۡلٍ اِلَّا اَنَّهٗ کَانَ فَقِیۡرًا فَاَغۡنَاهُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۔ (بخاری، جلد اول، صفحہ:198)

ترجمہ: ابن جمیل کو یہی ناگوار ہوا کہ وہ فقیر تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے اس کو غنی کر دیا۔

اس مبارک ارشاد میں خود سلطان دارین نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے آپ کو ملایا اور واؤ ہی کے ساتھ عطف فرمایا کہ اللہ بھی غنی کرتا ہے اور میں رسول بھی غنی کرتا ہوں۔

اب ذرا منکروں اور بدعقیدوں سے کہو کہ اللہ کے لیے اپنے غلط عقیدے سے باز آؤ اور جن کا کلمہ پڑھتے ہو اُن ہی کی بات مان جاؤ اور دونوں جہان کا داتا ان کو سمجھ لو۔

حضور ہمارے نگہبان ہیں

اللہ تعالیٰ کا پیارا محبوب اپنے غلاموں کے نگہبان اور محافظ ہیں، سرکار نے فرمایا:

اَللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مَوۡلٰی مَنۡ لَّا مَوۡلٰی لَهٗ ۔ (ترمذی، ج:2، ص:31)

ترجمہ: اللہ اور اس کا رسول اس کے محافظ و نگہبان ہیں جس کا کوئی نگہبان نہ ہو۔

حضور کو نعمت تقسیم کرنے کا اختیار

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں فرمایا:

اَحَبُّ اَهۡلِیۡ اِلَیَّ مَنۡ قَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰهُ وَاَنۡعَمۡتُ عَلَیۡهِ ۔ (ترمذی، ج:2 ص:223)

ترجمہ: مجھے اپنے گھر والوں میں سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جسے اللہ نے نعمت دی اور میں نے اس کو نعمت دی۔

حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

لَمۡ یَکُنۡ اَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ اِلَّا وَقَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَ رَسُوۡلُهٗ اِلَّا اَنَّ الۡمُرَادَ الۡمَنۡصُوۡصُ عَلَیۡهِ فِی الۡکِتَابِ وَهُوَ قَوۡلُهٗ تَعَالٰی وَاِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِ هُوَ زَیۡدٌ ۔ (مرقات حاشیہ مشکوٰۃ، ص:572)

ترجمہ: صحابہ سب ایسے ہی تھے جنھیں اللہ نے نعمت بخشی اور اللہ کے رسول نے نعمت بخشی، مگر یہاں مراد وہ ہے جس کی تصریح قرآن میں موجود ہے کہ جب تو فرماتا تھا اس سے جس کو اللہ

تعالیٰ نے نعمت دی اور اے نبی تو نے اسے نعمت دی وہ زید بن حارثہ ہے۔

مسلمانو! سرکار اعظم کیا فرماتے ہیں اور علما محققین کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسامہ کو اللہ تعالیٰ نے نعمت بخشی اور اس کو میں نے نعمت عطا فرمائی، پھر ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ سرکار اعظم نے تمام صحابہ کرام کو نعمت بخشی۔

حضور کو رزق تقسیم کرنے کا اختیار

حضور سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنِ اسۡتَعۡمَلۡنَاهُ عَلٰی عَمَلٍ فَرَزَقۡنَاهُ رِزۡقًا ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: جسے ہم نے کسی کام پر مقرر کیا تو ہم نے اسے رزق دیا۔

حضور کو قبروں کا روشن فرمانا

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اِنَّ هٰذِهِ الۡقُبُوۡرَ مَمۡلُوۡئَةٌ عَلٰۤی اَهۡلِهَا ظُلۡمَةً وَاِنِّیۡ اُنَوِّرُهَا بِصَلٰوتِیۡ عَلَیۡهِمۡ ۔ (مشکوٰۃ، ص:145)

ترجمہ: بے شک یہ قبریں اپنے رہنے والوں پر اندھیرے سے بھری ہوئی ہیں، لیکن میں اپنی نماز سے اُنھیں روشن کر دیتا ہوں۔

الحاصل سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ ہم غنی کرتے ہیں، نعمت دیتے ہیں، رزق دیتے ہیں اور اندھیری قبریں روشن کرتے ہیں۔ مگر منکرین و بدمذہب حضور پرنور ﷺ کا ایک ارشاد بھی نہیں مانتا اور یہی رٹ لگاتا رہتا ہے کہ آپ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ (العیاذ باللہ)

عذاب ابوطالب میں تخفیف

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے اپنے چچا ابوطالب کو کیا نفع دیا وہ آپ کی حمایت کرتا اور آپ کے لیے لوگوں سے لڑتا، جھگڑتا تھا؟ یہ سن کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَجَدْتُّهُ فِیْ غَمَرَاتٍ مِّنَ النَّارِ فَاَخْرَجْتُهُ اِلٰی ضَحْضَاحٍ ۰ (مسلم، باب شفاعۃ النبی)
یعنی میں نے اُنھیں آگ میں ڈوبا ہوا پایا تو میں نے کھینچ کر پاؤں تک کی آگ میں کر دیا۔

هُوَ فِیْ ضَحْضَاحٍ مِّنْ نَّارٍ وَّلَوْلَا اَنَا لَكَانَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۰
(بخاری، جلد اول، ص:548، مسلم، جلد اول، ص:115)

یعنی وہ پاؤں تک آگ میں ہیں، اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے نچلے طبقے میں ہوتے۔
منکرو! اب بتاؤ تم کہتے ہو کہ حضور کچھ نہیں کر سکتے اور مسلمانوں کے لیے دافع بلا نہیں بن سکتے، حالاں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود ابو طالب کے متعلق فرما رہے ہیں کہ میں نے اُنھیں غرق آتش ہونے سے بچا لیا۔ منکرو! اب کیا کہو گے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خداداد اختیارات میں یہ بھی ہے کہ اللہ کے قیدی کی سزا بدل دی جس عذاب میں تھا اس سے نکال لیا؟

اہل ایمان کا جہنم سے جنت میں جانا

حضور پر نور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خداداد طاقت سے گنہگار ایمان داروں کو خود اپنے ہاتھ سے نکالیں گے اور جنت میں داخل فرما دیں گے، سرکار نے فرمایا ہے:

اُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ فَاُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ۰ (بخاری، جلد دوم، ص:97)

ترجمہ: میں ان کو دوزخ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا۔
بیچارے منکرین نے بڑی کوشش کی، قرآن وحدیث پڑھ پڑھ کر اپنا گلا پھاڑا کہ حضور کچھ اختیار نہیں رکھتے نہ ہی کچھ کر سکتے ہیں اور نہ نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں مگر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے کہ میں ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا، منکرین کی ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ مگر کیا کیا جائے کہ اندھے اتنے واضح ارشاد بھی نہیں مانتے۔

☆☆☆

بیسواں وعظ: 2

اختیارات مصطفیٰ

منکرین کہتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہیں کر سکتے اور نہ ہی مدد کر سکتے ہیں، بلکہ غیر اللہ سے مدد لینا شرک اکبر ہے، حالاں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ ہم سے مدد طلب کرو، یہ سرکار کا حکم وارشاد ہے۔ جب وفد ہوازن خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور اپنے اموال واہل وعیال جو مسلمان غنیمت میں لائے تھے، سرکار سے مانگے اور طالب احسان والا ہوئے تو سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِذَا صَلَّيْتُمُ الظُّهْرَ فَقُوْمُوْا فَقُوْلُوْا اِنَّا نَسْتَعِيْنُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَوِ الْمُسْلِمِيْنَ فِیْ نِسَائِنَا وَ اَبْنَائِنَا ۰ (نسائی، جلد:2، ص:117)
ترجمہ: جب ظہر کی نماز ادا کر چکو تو کھڑے ہونا اور یوں کہنا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استعانت کرتے ہیں، مومنین پر اپنی خواتین اور بچوں کے سلسلے میں۔
یہ مبارک حدیث بتاتی ہے کہ سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس تعلیم فرمائی کہ ہم سے مدد چاہنا نماز کے بعد اور یوں کہنا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استعانت چاہتے ہیں۔ منکرو! اب بتاؤ! تم تو کہتے تھے کہ استعانت اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے، غیر سے استعانت شرک اکبر ہے، اب بتاؤ کیا سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔ منکرو! اللہ ورسول سے شرم کرو کہ کیا کہہ رہے ہو؟ باقی زمان حیات دنیاوی اور اس کے بعد کا فرقہ منکرین کی جہالت ہی نہیں بلکہ سراسر ضلالت ہے۔ قطع نظر اس سے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سب بحیات حقیقی دنیاوی وجسمانی زندہ ہیں جو بات اللہ کے لیے خاص ہو چکی ہے اور جو غیر کے ساتھ شرک ٹھہر چکی، اس میں حیات وموت، قرب وبعد اور ملکیت وبشریت خواہ کسی وجہ کا تفرقہ کیسا؟ کیا بعد موت ہی شرکت الٰہی کی صلاحیت نہیں رہتی اور بحال حیات شریک ہو سکتے ہیں۔ یہ پاگل پن بدعقیدہ کو ہر جگہ رہتا ہے جس نے انھیں حمایت توحید کے زعم میں الٹا مشرک بنا دیا ہے۔ ایک بات کو کہیں گے شرک ہے پھر کبھی موت وحیات کا فرق کریں گے، کبھی قرب وبعد کا کبھی کسی اور

وجہ کا، جس کا حاصل صاف یہ نکلے گا کہ یہ انوکھے موحد بعض قسم مخلوق کو، اللہ کا شریک جانتے ہیں
کیوں کہ وہ اس بات کو جس کا اثبات شرک تھا ان کے لیے ثابت مانتے ہیں۔

حضرت مسیح کا پرندہ بنانا

اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو بڑی طاقتیں اور بہت سے کمالات عنایت فرماتا ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنی طاقت اور کمال عطا فرمایا کہ آپ نے خود خداداد طاقت و
کمال کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں فرمایا ہے: اِنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ
فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ
اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ۔ (سورۂ آل عمران، آیت: 49)

ترجمہ: میں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی سی صورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں
تو اللہ کے حکم سے وہ فوراً پرندہ ہو جاتی ہے، میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو
اور اللہ کے حکم سے میں مردے زندہ کرتا ہوں اور تمھیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو گھروں میں
جمع کر رکھتے ہو۔

سبحان اللہ! اللہ نے اپنے پیاروں کو کیا کیا طاقتیں عطا فرمائیں اور قرآن نے بتایا جو
حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظاہر فرمائیں۔ جب خدا نے یہ کمالات حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ
والسلام کو عطا فرمائے تو اسی اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بطریق اولیٰ عطا فرمائیں،
کیوں کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کے جامع ہیں۔
باوجودیکہ محبوب خدا اتنے کمالات کے جامع ہیں پھر بھی منکرین کہیں کہ رسول کے چاہنے سے کچھ
نہیں ہوتا تو منکرین کا یہ قول سراسر ظلم اور ہٹ دھرمی نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

حضور کا ایک بچی کو زندہ فرمانا

سرور دو عالم ﷺ نے اپنی خداداد طاقت سے ایک بچی کو زندہ فرمایا، حضرت حسن سے
روایت ہے: اَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ لَهُ أَنَّهُ طَرَحَ بُنَيَّةً لَهُ فِيْ وَادِ كَذَا
فَانْطَلَقَ مَعَهُ إِلَى الْوَادِيْ وَ نَادَاهَا بِاسْمِهَا يَا فُلَانَةُ اَجِيْبِيْ بِإِذْنِ اللهِ فَخَرَجَتْ وَهِيَ تَقُوْلُ

لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ فَقَالَ لَهَا إِنَّ اَبَوَيْكِ قَدْ اَسْلَمَا فَإِنْ اَحْبَبْتِ اَنْ اَرُدَّكِ عَلَيْهِمَا قَالَتْ:
لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْهِمَا وَجَدْتُ اللهَ خَيْرًا لِيْ مِنْهُمَا۔ (شفا، جلد اول، ص: 211)

ترجمہ: ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا اور عرض کیا کہ میں نے
اپنی چھوٹی بچی کو فلاں وادی میں پھینکا تھا تو حضور اس کے ہمراہ اس وادی میں تشریف لے گئے
اور اس بچی کا نام لے کر پکارا کہ اے فلانی! اللہ کے حکم سے مجھے جواب دے تو وہ لبیک کہتی ہوئی
نکلی پھر اس سے فرمایا کہ بے شک تیرے والدین مسلمان ہو گئے ہیں، اگر تجھے پسند ہو تو میں
تجھے ان کے پاس پہنچا دوں، تو بچی نے عرض کیا: (یا رسول اللہ!) مجھے ان کی حاجت نہیں، میں
نے اللہ تعالیٰ کو ان سے بہتر پایا ہے۔

بیہقی نے دلائل میں اس حدیث کو اس طرح بیان فرمایا: أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا
رَجُلًا إِلَى الْإِسْلَامِ فَقَالَ: لَا اُوْمِنُ بِكَ حَتّٰى تُحْيِيَ لِيَ ابْنَتِيْ فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرِنِيْ
قَبْرَهَا فَاَرَاهُ فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا فُلَانَةُ فَقَالَتْ لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ فَقَالَ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُحِبِّيْنَ إِنْ تَرْجِعِيْ إِلَى الدُّنْيَا فَقَالَتْ: لَا، وَاللهِ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّيْ وَجَدْتُ اللهَ
خَيْرًا لِّيْ مِنْ اَبَوَيَّ وَوَجَدْتُ الْاٰخِرَةَ خَيْرًا لِّيْ مِنَ الدُّنْيَا۔

(انوار محمدیہ، ص: 295، معارف، جلد اول، ص: 240)

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اسلام کی طرف بلایا تو اس نے کہا میں
ایمان آپ کے ساتھ نہیں لاؤں گا، یہاں تک کہ آپ میری بچی کو زندہ کر دیں، تو حضور اقدس صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی قبر دکھاؤ، اس نے آپ کو اس کی قبر دکھائی، آپ نے فرمایا:
اے فلانی! تو لڑکی نے کہا: لبیک وسعدیک، اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو
یہ پسند کرتی ہے کہ دنیا کی طرف لوٹے تو اس نے کہا کہ نہیں، یا رسول اللہ! بے شک میں نے اللہ
کو اپنے والدین سے بہتر پایا اور دنیا سے آخرت کو اپنے لیے بہتر پایا۔

حضرات! سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے قادر اللہ نے کیا کیا طاقتیں اور کیسے
کیسے کمالات عطا فرمائے ہیں کہ آپ نے اپنی خداداد طاقت سے مردے زندہ کر دیے۔
مگر منکرین پھر بھی تسلیم نہ کریں تو قصور کس کا ہے؟

حضور کا نابینا کو بینا کرنا

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک اندھے نے خدمت اقدس میں عرض کیا: یارسول اللہ! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بینائی عطا فرمائے، آپ نے فرمایا: جاؤ، وضو کرو اور دو رکعت نماز ادا کر کے یہ دعا پڑھو: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّكَ أَن يَّكْشِفَ عَنْ بَصَرِیْ اَللّٰھُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ، قَالَ: فَرَجَعَ وَ قَدْ كَشَفَ اللهُ عَنْ بَصَرِهٖ۔ (شفا، جلد اول، ص:212)

یعنی یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں، یا محمد! (یارسول اللہ) بے شک میں متوجہ ہوتا ہوں، تیرے واسطے تیرے رب کی طرف کہ مجھے بینا کر دے، یا اللہ! حضور کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ اس حال میں واپس آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی لوٹا دی تھی، یعنی وہ انکھیارا ہو چکا تھا۔

سبحان اللہ! رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینا اور اندھے کو آنکھ والا بنا دیا، مگر اندھے منکرین پھر بھی نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)

باہر نکلی ہوئی آنکھ کا درست فرمانا

جنگ احد میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ تیر لگنے سے باہر نکل پڑی، اس آنکھ کو ہاتھ میں پکڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنَّ لِیْ اِمْرَأَةً اُحِبُّهَا وَ اَخْشٰى اِنْ رَاَتْنِیْ تَقْذَرُنِیْ فَاَخَذَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ وَرَدَّهَا اِلٰى مَوْضِعِهَا وَ قَالَ: اَللّٰھُمَّ اُكْسُهٗ جَمَالًا فَكَانَتْ اَحْسَنَ عَيْنَيْهِ وَ اَحَدَّهُمَا نَظَرًا وَ كَانَتْ لَا تَرْمَدُ اِذَا رَمِدَتِ الْاُخْرٰى۔ (طبرانی وابونعیم، شفا، جلد اول، ص:212، مدارج، جلد اول: ص 239)

یعنی یارسول اللہ! میری ایک بیوی ہے جس کو میں دوست رکھتا ہوں، اگر وہ مجھے دیکھے گی تو مجھے ناپسند کرے گی، تو رسول اللہ نے آنکھ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کو اپنے مقام پر رکھا اور کہا: یا اللہ! اس کو اور خوبصورتی عطا فرما۔ چنانچہ وہ آنکھ، خوب صورت اور بہت تیز نظر والی ہوگئی اور بالکل دکھتی نہ تھی جب کہ دوسری دکھتی تھی۔

بصارت کا واپس آنا

عقیلی نے حبیب بن فدیک سے روایت کی ہے کہ اس کے والد کی دونوں آنکھیں بالکل سفید ہوگئی تھیں (یعنی موتیا بند ہو گیا تھا) اور بالکل نظر نہیں آتا تھا۔

فَنَفَثَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ عَيْنَيْهِ فَاَبْصَرَ فَرَاَيْتُهٗ يُدْخِلُ الْخَيْطَ فِی الْاِبْرَةِ وَهُوَ ابْنُ ثَمَانِيْنَ۔ (شفا، جلد اول، ص:213)

ترجمہ: لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کی دونوں آنکھوں میں اپنا لعاب ڈالا تو وہ بینا ہو گئیں، میں نے اس کو دیکھا کہ وہ سوئی میں تاگا ڈال لیتے تھے، حالاں کہ ان کی عمر اسّی سال کی تھی۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خیبر کے دن سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَاُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ

ترجمہ: کل میں ایسے شخص کو یہ جھنڈا دوں گا کہ اللہ اس کے ہاتھوں پر فتح عنایت فرمائے گا، وہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔

صبح کے وقت صحابہ کرام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ہر ایک اس جھنڈے کا طلبگار تھا، مگر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَيْنَ عَلِیُّ بْنُ أَبِیْ طَالِبٍ؟ فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! يَشْتَكِیْ عَيْنَيْهِ قَالَ: فَاَرْسِلُوْا اِلَيْهِ، فَاُتِیَ بِهٖ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَرِأَ حَتّٰى كَاَنْ لَّمْ يَكُنْ بِهٖ وَجَعٌ۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، ص:563)

ترجمہ: علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں، فرمایا کہ کسی کو ان کی طرف بھیجو، وہ (آپ کی خدمت میں) لائے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب ڈالا جس سے حضرت علی اچھے ہو گئے، گویا کہ ان کو کچھ درد ہی نہیں تھا۔

حضرات! آپ نے سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم کا خداداد کمال ملاحظہ فرمایا۔ یہ ہے آپ کا تصرف اور اپنے غلاموں کو تندرست کرنا، مراد پوری کرنا، حاجت برلانا، مشکل میں دستگیری فرمانا، جس کو منکرین شرک کہتے ہیں۔

حضرات! اپنے رسول اور آقا و مولیٰ کے تصرفات عامہ کے ثبوت کے لیے چند اور احادیث پاک ذکر کی جاتی ہیں تاکہ مومنین کے ایمان تازہ ہوں اور منکرین کے لیے تازیانۂ عبرت بنیں۔

ٹوٹی ہوئی پنڈلی کو جوڑنا

حضرت عبداللہ بن عتیق رضی اللہ عنہ ابو رافع یہودی کو قتل کر کے اس کے کوٹھے سے گر پڑے اور ان کی پنڈلی ٹوٹ گئی، جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درست فرمادیا، ان کا بیان ہے:

فَعَصَبْتُهَا بِعِمَامَةٍ فَانْطَلَقْتُ إِلَى أَصْحَابِي فَانْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ فَقَالَ اُبْسُطْ رِجْلَكَ فَبَسَطْتُ رِجْلِيْ فَمَسَحَهَا فَكَأَنَّمَا لَمْ اَشْتَكِهَا قَطُّ۔

(بخاری، مشکوٰۃ، ص: 531)

ترجمہ: میں نے اس کو عمامہ سے باندھا اور اپنے اصحاب کی جانب چلا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنا پاؤں پھیلاؤ، میں نے اپنا پاؤں پھیلا دیا، آپ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو یہ حال ہوا کہ اس میں کبھی درد ہی نہ تھا۔

سبحان اللہ! دست اقدس پھیرنے سے ٹوٹی پنڈلی جڑ گئی۔ منکرو! آؤ اور ہمارے آقا و مولیٰ کے خداداد تصرف کو دیکھو کہ کس طرح اپنے غلاموں کی مشکل میں دستگیری فرماتے ہیں۔

حضرت سلمہ بن اکوع کا بیان ہے کہ جنگ خیبر میں ان کی پنڈلی ٹوٹ گئی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے:

فَنَفَثَ فِيْهِ ثَلَاثَ نَفَثَاتٍ فَمَا اشْتَكَيْتُهَا حَتَّى السَّاعَةِ۔ (بخاری، مشکوٰۃ، ص: 533)

ترجمہ: تو حضور نے تین دفعہ اس پر دم فرمایا تو مجھے اب تک درد کی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔

حضرات! قابل غور بات یہ ہے کہ صحابہ کرام زخمی ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیوں حاضر ہوئے؟ کیوں کہ بیمار طبیب کے پاس جاتا ہے اور زخمی ڈاکٹر و جراح کے پاس جاتا ہے، اسی لیے جنگوں میں جو زخمی ہوتے ہیں وہ ان ڈاکٹروں کے پاس ہی جاتے ہیں جو زخمیوں کے لیے مقرر ہوتے ہیں، مگر یہ حضرات صحابہ کہیں نہ گئے سیدھے خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا اعتقاد یہ تھا کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سلطان دارین ہیں، اس در سے کونین کی نعمتیں ملتی ہیں، مرادیں پوری ہوتی ہیں، بلائیں ٹلتی ہیں، مشکل کشائی ہوتی ہے، تندرستی ملتی ہے، اسی لیے جب ٹانگ ٹوٹی، مشکل رونما ہوئی، بلا میں مبتلا ہوئے اور صحت کے حاجت مند ہوئے تو تندرستی کی مراد دل میں لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے آقا و مولیٰ کے صدقے دم کے دم میں شفا پائی۔

اکیسواں وعظ: 3

سلطان دارین کونین کی نعمتیں عطا فرماتے ہیں

تندرستی کا واپس آنا

حضرت مشکل کشا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بیمار تھا کہ سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے، شدت مرض میں اس وقت یہ دعا کر رہا تھا کہ یا اللہ! اگر وقت آگیا ہے تو مجھے موت کے ساتھ اس مرض کی تکلیف سے راحت دے اور اگر ابھی زندگی باقی ہے تو تندرستی کے ساتھ زندگی میں وسعت فرما اور اگر یہ مرض بلا ہے تو صبر عنایت فرما، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تم کیا کہہ رہے تھے؟ میں نے وہ کلمے دہرا دیے: فَضَرَبَهٗ بِرِجْلِهٖ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ عَافِهٖ اَوِ اشْفِهٖ قَالَ فَمَا اشْتَكَيْتُ وَجَعِيْ بَعْدُ۔ (ترمذی، مشکوٰۃ، ص: 565)

یعنی آپ نے اپنی لات ماری یعنی ٹھوکر ماری اور فرمایا کہ یا اللہ! اس کو عافیت عطا فرما، یا یہ فرمایا: شفا عطا فرما۔ حضرت علی کا بیان ہے کہ اس کے بعد مجھے اس مرض کی کبھی شکایت ہی نہیں ہوئی۔

عجب شان ہے کہ محبوب کبریا خلیفۂ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ بیمار کو پاؤں ماریں، لات ماریں اور ٹھوکر ماریں تو بیمار صحت یاب ہو جائے۔ لیکن منکرین کو تو ایسی حدیثیں نظر ہی نہیں آتیں۔

مشت خاک سے لشکر کفّار کی شکست

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُنَيْنًا فَوَلّٰى صَحَابَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا غَشُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عَنِ الْبَغْلَةِ ثُمَّ قَبَضَ مِنْ تُرَابٍ مِّنَ الْاَرْضِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِهٖ وُجُوْهَهُمْ فَقَالَ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ فَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اِنْسَانًا اِلَّا مَلَاَ عَيْنَيْهِ تُرَابًا بِتِلْكَ الْقَبْضَةِ فَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ۔ (مسلم، مشکوٰۃ، ص: 543)

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جنگ حنین میں جہاد کیا تو صحابہ کرام کے قدم اکھڑ گئے، ادھر کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا، آپ خچر سے نیچے اترے، زمین سے ایک مٹھی خاک لی اور ان کے چہروں پر مار دیا اور فرمایا کہ برے ہوں ان کے چہرے۔ چنانچہ وہ جتنے انسان تھے سب کی آنکھوں کو اللہ نے آپ کی مٹھی کی مٹی سے بھر دیا، اس کی وجہ سے وہ پشت دے کر بھاگ گئے، یعنی وہ شکست کھا گئے۔

قربان جایئے اس خداداد طاقت وتصرف پر کہ ایک مشت خاک سے لشکر کرار کو شکست دی، اس کا نام ہے فتح وشکست دینا۔ یہاں مسلمانوں کو فتح دی اور کفار کو شکست، مگر اندھے منکروں کو یہ چیز شرک نظر آتی ہے۔ اللہ انھیں ہدایت دے۔

درخت کا خدمت نبوی میں حاضر ہونا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم ایک سفر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، ایک اعرابی حاضر ہوا۔ جب وہ قریب ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور میری رسالت کی شہادت دیتا ہے، اس نے عرض کیا اور کون یہ گواہی دیتا ہے تو آپ نے فرمایا: کیکر کا یہ درخت! فَدَعَاهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِشَاطِئِ الْوَادِيْ وَقَبِلَتْ تَخُدُّ الْأَرْضَ حَتّٰى قَامَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاسْتَشْهَدَهَا ثَلَاثًا فَشَهِدَتْ ثَلَاثًا أَنَّهٗ كَمَا قَالَ ثُمَّ رَجَعَتْ إِلٰى مَنْبَتِهَا۔ (دارمی، مشکوٰۃ، ص:541)

ترجمہ: حضور ﷺ نے اس کو بلایا، حالاں کہ آپ وادی کے کنارے پر تھے، مگر وہ زمین کو چیرتا ہوا متوجہ ہوا، یہاں تک کہ آپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اس سے تین مرتبہ شہادت دلوائی، اس نے تین مرتبہ گواہی دی کہ حضور کا ارشاد حق ہے، پھر وہ اپنی جگہ چلا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک اعرابی نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: میں کس دلیل سے پہچانوں کہ آپ نبی ہیں؟ فرمایا: اس دلیل سے کہ میں درخت کے اس خوشے کو بلاتا ہوں، وہ میری رسالت کی گواہی دے گا۔ حضور ﷺ نے اس کو بلایا: فَجَعَلَ يَنْزِلُ مِنَ النَّخْلَةِ حَتّٰى سَقَطَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ ارْجِعْ فَعَادَ فَأَسْلَمَ الْأَعْرَابِيُّ۔ (مشکوٰۃ، ص:541)

ترجمہ: وہ خوشہ کھجور اترنا شروع ہوا، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گرا (اور شہادت دی) پھر فرمایا کہ لوٹ جا، تو وہ لوٹ گیا، یہ دیکھ کر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔

حضرات! یہ ہے آقا و مولیٰ کی طاقت اور اُن کے تصرفات کہ خوشہ کو حکم دیں تو درخت سے اتر کر حاضر ہو، درخت کو اشارہ کریں تو زمین چیرتا ہوا خدمت نبوی میں پہنچے، پھر حضور ﷺ کے مرتبے کو پہچانے اور آپ کی رسالت کی شہادت دے۔

عجیب وقت ہے کہ خوشہ اور درخت تو سلطانِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے خداداد تصرف و کمال کا معترف ہے اور ایک اعرابی یہ دیکھ کر اسلام لے آتا ہے، مگر اندھے منکروں پر کچھ اثر نہیں ہوتا، وہ احادیث پڑھتے ہیں مگر منکر کے منکر ہی رہتے ہیں۔

دست مبارک سے چشمہ کا ابلنا

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ حدیبیہ میں پانی نہ رہا اور لشکر پر پیاس کا غلبہ ہوا۔ صرف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چھاگل تھی جس سے آپ نے وضو فرمایا۔ صحابہ کرام نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے پاس پینے اور وضو کرنے کے لیے پانی نہیں بجز حضور کی چھاگل کے......

فَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ فِي الرَّكْوَةِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَفُوْرُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهٖ كَأَمْثَالِ الْعُيُوْنِ قَالَ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا قِيْلَ لِجَابِرٍ كَمْ كُنْتُمْ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ أَلْفٍ لَكَفَانَا كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، ص:532)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے اپنا دست اقدس چھاگل میں رکھا تو انگشتہائے مبارک کے درمیان سے چشموں کی طرح پانی جوش مارنے لگا، راوی کا بیان ہے کہ ہم نے پانی پیا اور وضو کیا۔ حضرت جابر سے پوچھا گیا کہ کتنے لوگ تھے؟ ان کا کہنا ہے کہ اگر ہم لاکھ بھی ہوتے تو سب کو کفایت کرتا جب کہ ہم پندرہ سو تھے۔

حضرات! یہ ہے سلطان دارین ﷺ کی مشکل میں دستگیری اور حاجب برآری۔

سبحان اللہ! خزائن الٰہیہ اس طرح ہاتھ میں ہیں کہ انگشت مبارک سے دریا جاری فرما دیے، یہ معجزات، دلیل نبوت ہیں جو کفار کو عاجز کر دیتے ہیں مگر منکرین، احادیث میں یہ سب کچھ دیکھ کر

بھی یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ نہیں کر سکتے اور آپ کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

ایک صاع آٹا کی برکت

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت چٹان برآمد ہوئی تو صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چٹان کی شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ میں آتا ہوں، جب آپ نے قیام فرمایا تو آپ کے شکم اقدس پر پتھر بندھا ہوا تھا اور آپ نے تین دن سے کچھ نہ کھایا تھا۔ آپ نے کدال پکڑی اور اس کو مارا، چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی۔ میں اپنی بیوی کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ کیا تیرے پاس کوئی شئ ہے؟ کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سخت بھوکے ہیں تو اس نے ایک تھیلا نکالا، جس میں صرف ایک صاع جو تھا اور ہمارا ایک گھریلو بھیڑ کا بچہ تھا، اس کو میں نے ذبح کیا اور جو پسائے اور گوشت ہانڈی میں ڈالا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پھر میں نے آہستہ سے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے ایک بھیڑ کا بچہ ذبح کیا ہے اور جو کا ایک صاع پسوایا ہے، آپ بمع احباب تشریف لائیں، آپ نے بلند آواز سے فرمایا: یَا أَهْلَ الْخَنْدَقِ إِنَّ جَابِرًا صَنَعَ سُوْرًا فَحَيَّهَلًا بِكُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْزِلُنَّ بُرْمَتَكُمْ وَلَا تَخْبِزُنَّ عَجِيْنَتَكُمْ حَتّٰى اَجِيْئَ وَ جَاءَ رَسُوْلُ اللهِ فَاَخْرَجْتُ لَهٗ عَجِيْنًا فَبَصَقَ فِيْهِ وَبَارَكَ ثُمَّ عَمَدَ إِلٰى بُرْمَتِنَا فَبَصَقَ وَ بَارَكَ ثُمَّ قَالَ اُدْعُ خَابِزَةً فَلْتَخْبِزْ مَعَكِ وَ اقْدَحِيْ مِنْ بُرْمَتِكُمْ وَلَا تُنْزِلُوْهَا وَ هُمْ اَلْفٌ فَاُقْسِمُ بِاللهِ لَاَكَلُوْا حَتّٰى تَرَكُوْهُ وَانْحَرَفُوْا وَ إِنَّ بُرْمَتَنَا لَتَغِطُّ كَمَا هِيَ وَإِنَّ عَجِيْنَنَا لَتُخْبَزُ كَمَا هُوَ ۰ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، ص:532)

ترجمہ: اے اہل خندق! جابر نے مہمانی کی ہے تو تم جلدی چلو اور مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی ہانڈی نہ اتارنا اور اپنا آٹا نہ پکانا، جب تک کہ میں نہ آجاؤں، جب آپ آئے تو (میری اہلیہ نے) آپ کے سامنے آٹا حاضر کیا، آپ نے اس میں مبارک لعاب ڈالی اور برکت کی دعا فرمائی، پھر ہماری ہانڈی کی طرف قصد کیا، اس میں بھی لعاب دہن ڈالی اور برکت کی دعا فرمائی، پھر فرمایا کہ روٹی پکانے والی بی بی کو بلا وہ جو تیرے ساتھ روٹی پکائے اور گوشت چمچے سے اپنی ہانڈی سے نکالو اور ہانڈی کو (چولہے سے) نہ اتارنا۔ حضرت جابر بیان

کرتے ہیں کہ اہل خندق ایک ہزار تھے۔ واللہ! میں کہتا ہوں کہ اس سے سب نے کھایا یہاں تک کہ اس کو چھوڑ گئے اور ابھی ہماری ہانڈی جوش مار رہی تھی جیسے پہلے تھی اور ہمارا آٹا پکایا جا رہا تھا جیسے پک رہا تھا۔

عجب شان ہے محبوب خدا جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی، دست اقدس اور لعاب مبارک میں وہ برکت ہے کہ ایک صاع آٹے کو لگ جائے تو اس آٹے سے ہزار آدمی سیر ہوجائیں اور پھر بھی بچ جائے۔ ثابت ہوا کہ دست مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں وہ خداداد طاقت ہے کہ قلیل شئ کو کثیر بنادیتے ہیں۔ سخت دل منکرین ایسی حدیثوں سے کب متاثر ہو سکتے ہیں، مگر اہل اللہ تو ایسی حدیثیں سن کر پھڑک جاتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس واقعے سے متاثر ہوکر لکھتے ہیں: ایں ہمہ از برکات آں سید السادات ومنبع البرکات بود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ زمین وآسمان وظاہر وباطن از برکات ونعم وے پراست و تصور باید کرد کہ چہ ذوق وسرور ازیں در دلہائے اہل حضور حاصل شدہ باشد شادمان دلے خوشا باطنی کہ برکت آں رحمۃ للعالمین دروے راہ یابد، یکبار ایں فقیر در بازار یکہ در مسعی است از ترہ فروشے می شنود کہ برترہ ہائے خود آب می افشاند و می گوید یا برکۃ النبی تعالیٰ وانزلی ثم لا ترتحلی۔ اے برکت پیغمبر بیا بہ منزل من فرود آئی، پس ازاں ہرگز کوچ مکن۔

ترجمہ: یہ سب کچھ سرداروں کے سردار اور برکتوں کے منبع کی برکتوں سے ہے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیوں کہ زمین وآسمان اور ظاہر وباطن سرکار کی برکتوں اور نعمتوں سے بھرا ہوا ہے اور تصور کرنا چاہیے کہ اس مہمان سے اہل حضور کے دلوں میں کیسا ذوق وسرور حاصل ہوا ہوگا، وہ شادمان دل اور پاکیزہ باطن جس میں رحمۃ للعالمین کی برکت راہ پائے۔ ایک دفعہ یہ فقیر اس بازار میں جو مسعی میں ہے، ایک سبزی فروش سے سن رہا تھا کہ وہ وہ اپنی سبزیوں پر پانی چھڑک رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ اے نبی پاک کی برکت آ، میرے گھر آ، پھر یہاں سے کہیں کوچ نہ کر۔

پھر شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ درود پڑھتے ہیں: اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَزِدْ وَبَارِكْ وَكَرِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰينَا وَبَرَكَتِنَا وَ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۰

زمہجوری برآمد جان عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم
نہ آخر رحمۃ للعالمین زمحروماں چرا غافل نشینی

برکت کی پہلی مثال

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد فوت ہو گئے اور اُن پر بہت قرضہ تھا، میں نے قرض خواہوں کو کہا کہ تم اپنے قرضے کے عوض میری سب کھجوریں جو باغ سے اتریں ہیں لے لو مگر وہ نہ مانے۔ میں نے رحمۃ للعالمین کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: حضور! آپ جانتے ہیں کہ میرے والد جنگ احد میں شہید ہو گئے ہیں اور بہت قرض بھی چھوڑ گئے ہیں، اس لیے آپ میرے ساتھ تشریف لائیں تاکہ قرض خواہ آپ کو دیکھ کر کچھ رعایت کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم جا کر ایک طرف کھجوروں کا ڈھیر لگا دو، چنانچہ میں نے جا کر ڈھیر لگا دیے، پھر آپ کو بلا لے گیا، جب قرض خواہوں نے آپ کو دیکھا تو وہ مجھ پر ناراض ہونے لگے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حال کو ملاحظہ فرما لیا، پھر ایک بڑے ڈھیر کے ارد گرد تین دفعہ طواف کیا اور اس پر بیٹھ گئے اور فرمایا: قرض خواہوں کو بلا لاؤ، آپ ناپتے جاتے تھے اور اُن کو ان کا قرضہ دیتے جاتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد کا قرضہ ادا فرما دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں (اس وقت) اس بات پر خوش تھا کہ میرے باپ کا قرضہ ادا ہو جائے، اگرچہ ایک کھجور بھی میں گھر نہ لے جاؤں لیکن اس کے باوجود جو کچھ اس وقت رحمۃ للعالمین کی برکت دیکھی، اس کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

فَسَلَّمَ اللّٰهُ الْبَيَادِرَ كُلَّهَا وَحَتّٰى إِنِّيْ أَنْظُرُ إِلَى الْبَيْدَرِ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّهَا لَمْ تَنْقُصْ تَمْرَةً وَّاحِدَةً۔

(بخاری، مشکوٰۃ: ص،537)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے سب ڈھیروں کو سلامت رکھا (گویا ان سے کچھ ناپا نہیں گیا تھا) اور میں اس ڈھیر کو دیکھ رہا تھا جس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے، اس سے ایک کھجور کا ایک دانہ بھی کم نہ ہوا۔

برکت کی دوسری مثال

حضرت اُم معبد کے بھائی حبیش بن خالد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر، ان کے غلام عامر بن فہیرہ اور عبداللہ لیثی کے ساتھ ہجرت کے ایام میں مدینہ پاک

جاتے ہوئے حضرت اُم معبد کے خیمے میں تشریف لائے۔ ساتھیوں نے گوشت اور تمر پوچھا تاکہ ان کو خرید لیں مگر وہاں کوئی شئی دستیاب نہ ہوئی، کیوں کہ قحط سالی کا زمانہ تھا۔ اتنے میں آپ نے دیکھا کہ خیمے کی ایک جانب بکری کھڑی ہے، فرمایا: اُم معبد! یہ بکری کیسی ہے؟ انھوں نے عرض کیا: یہ بے چاری کمزوری کی وجہ سے گھر رہ گئی ہے، فرمایا: کیا دودھ دے گی؟ اُم معبد نے عرض کیا: حضور! اس میں دودھ کہاں؟ یہ تو مشقت میں پڑی ہوئی ہے، فرمایا: کیا اس کے دوہنے کی اجازت ہے؟ انھوں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں، اگر دودھ دیکھتے ہیں تو دوہ لیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکری منگائی اور اس کے پستانوں پر ہاتھ پیرا اور بسم اللہ پڑھی، اُم معبد کی بکریوں میں برکت کی دعا کی، اس کے بعد راوی نے جو برکت دیکھی اس کو یوں بیان کیا:

فَتَفَاجَتْ عَلَيْهِ وَدَرَّتْ وَاجْتَرَّتْ فَدَعَا بِإِنَاءٍ يُرْبِضُ الرَّهْطَ فَحَلَبَ فِيْهِ ثَجًّا حَتّٰى عَلَاهُ الْبَهَاءُ ثُمَّ سَقَاهَا حَتّٰى رَوِيَتْ وَسَقٰى أَصْحَابَهٗ حَتّٰى رَوَوْا ثُمَّ شَرِبَ آخِرُهُمْ ثُمَّ حَلَبَ فِيْهِ ثَانِيًا بَعْدَ بَدْءٍ حَتّٰى مَلَأَ الْإِنَاءَ ثُمَّ غَادَرَهٗ عِنْدَهَا وَبَايَعَهَا وَارْتَحَلُوْا عَنْهَا۔

(شرح السنہ، مشکوٰۃ، ص:544)

ترجمہ: بکری نے پاؤں کھولے اور دودھ لائی اور جگالی کی، آپ نے برتن منگایا جو ایک گروہ کو سیراب کرتا تھا، اس میں بہتا ہوا دودھ دوہا کہ اس پر جھاگ آگئی، پھر آپ نے اُم معبد کو پلایا وہ سیراب ہو گئی اور اپنے دوستوں کو پلایا وہ بھی سیراب ہو گئے، پھر اُن کے بعد خود نوش فرمایا، اس کے ساتھ ہی دوبارہ دوہا یہاں تک کہ برتن کو بھر دیا پھر اس کو اس کے پاس چھوڑ دیا اور اُم معبد کو اپنی بیعت میں داخل کیا اور وہاں سے کوچ کر گئے۔

برکت کی تیسری مثال

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر طعام کی درخواست کی، سلطان دارین نے اس کو نصف وسق جو عنایت فرمائے۔ (وہ اپنے گھر لے گیا جس سے) ہمیشہ وہ، اس کی بیوی اور اس کے مہمان اس نصف وسق جو کو کھاتے رہے، یہاں تک کہ (ایک روز) اس نے اس کو ناپ لیا تو (اس دن سے)

وہ ختم ہوگئے، پھر وہ سرکار اعظم کے دربار میں حاضر ہوکر واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا:

لَوْ لَمْ تَكِلْهُ لَا كَلْتُمْ مِنْهُ وَلَقَامَ لَكُمْ۔ (مسلم، مشکوۃ، ص:544)

ترجمہ: اگر تو اس کو نہ ناپتا تو تم اس سے کھاتے رہتے اور وہ باقی رہتا۔

برکت کی چوتھی مثال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں چند کھجوریں (21 دانے) لے کر دربارِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! ان میں برکت کی دعا کیجئے، آپ نے ان کو اکٹھا کیا اور اس میں برکت کی دعا کی اور فرمایا: خُذْهُنَّ فَاجْعَلْهُنَّ فِيْ مِزْوَدِكَ هٰذَا كُلَّمَا اَرَدْتَّ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهَا شَيْئًا فَاَدْخِلْ فِيْهِ يَدَكَ فَخُذْهُ وَلَا تَنْثُرْهُ فَقَدْ حَمَلْتُ مِنْ ذٰلِكَ التَّمْرِ كَذَا أَوْ كَذَا مِنْ وَسْقٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَكُنَّا نَاكُلُ مِنْهُ وَ نُطْعِمُ وَ كَانَ لَا يُفَارِقُ حَقْوِيْ حَتّٰى كَانَ يَوْمَ قَتْلِ عُثْمَانَ فَإِنَّهُ انْقَطَعَ۔ (ترمذی، مشکوۃ، ص:542)

ترجمہ: ان کو لے لو اور اپنے توشہ دان میں ڈال دو اور جس وقت اس سے کچھ لینا چاہو تو اس میں اپنا ہاتھ ڈالو، پھر جو چاہو اس سے لے لو مگر اس کو جھاڑو مت، پھر میں نے اس کھجور سے اتنے اتنے وسق اللہ کے لیے اٹھالیا، تو اب ہم اس سے کھاتے کھلاتے تھے اور وہ توشہ دان میری کمر سے جدا نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ حضرت عثمان کی شہادت کا دن آیا تو وہ ٹوٹ گیا اور گم ہوگیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب فساد عام ہوجاتا ہے تو برکت چلی جاتی ہے۔ علمائے کرام بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس دن فرماتے تھے کہ لوگوں کو ایک غم ہے اور مجھے دو غم ہیں ایک تو توشہ دان کے گم ہونے کا اور ایک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کا۔

(اشعۃ اللمعات، جلد رابع، ص:588)

سبحان اللہ! قربان جایئے مصطفی جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت پر کہ آپ کی برکت سے چند کھجوریں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کئی سال تک کھاتے اور کھلاتے رہے اور وہ کم بھی نہ ہوئیں۔

☆☆☆

بائیسواں وعظ: 4

سلطان دارین، کونین کی نعمتیں عطا فرماتے ہیں

اونٹ کی فریادرسی

حضرت یعلی بن مرہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین معجزے دیکھے:

پہلا معجزہ: ہم سیر کرتے ہوئے ایک ایسے اونٹ کے پاس سے گزرے جس سے پانی کھینچا جاتا تھا، اونٹ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آواز بلند کرکے فریاد کی اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آکر ٹھہر گئے اور فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟ اونٹ کا مالک آپ کے پاس آگیا تو فرمایا: اس کو میرے ہاتھ بیچ دو، مالک نے عرض کی: یارسول اللہ! بلکہ ہم آپ کو ہبہ کردیتے ہیں۔ (مگر) یہ اونٹ ایسے گھر والوں کا ہے جن کا گزارہ سوائے اس اونٹ کے اور کوئی نہیں ہے۔ حضور نے فرمایا: بہر حال! جو تو نے اونٹ سے متعلق بیان کیا ہے، اس لیے میں تجھ سے خریدنے کی طلب نہیں کرتا، لیکن اس کی خبر گیری کے متعلق تجھے وصیت کرتا ہوں: فَإِنَّهُ شَكٰى كَثْرَةَ الْعَمَلِ وَقِلَّةَ الْعَلَفِ فَاَحْسِنُوْا إِلَيْهِ.

کیوں کہ اس نے زیادتی کام اور کم چارہ کی شکایت کی ہے، تم اس کے ساتھ احسان کرو۔

سبحان اللہ! اونٹ جیسے جانور تو سلطان دارین کو اپنا فریادرس سمجھتے ہیں، پھر اپنی شکایتیں اور فریادیں اُن کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں اور اپنا مقصود پاتے ہیں اور منکرین انسان ہوکر بھی اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کو بندۂ ناچیز اور مجبور و عاجز سمجھتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں کرسکتے۔ (العیاذ باللہ)

دوسرا معجزہ: راوی کا بیان ہے کہ ہم چلتے چلتے اپنی منزل میں ٹھہرے جہاں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمانے لگے۔ ایک درخت زمین کو چیرتا ہوا آیا اور آکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم کو ڈھانک لیا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو وہ درخت اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ میں نے درخت کا واقعہ خدمت اقدس میں ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: هِيَ شَجَرَةٌ اسْتَأْذَنَتْ رَبَّهَا فِيْ أَنْ تُسَلِّمَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُذِنَ لَهَا.

ترجمہ: اس درخت نے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کرے، تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس درخت کو اجازت مل گئی ہے۔

اس حدیث سے ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ ہمارے آقا و مولا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ درخت بھی آپ کو اور آپ کی رسالت کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ دوسرا یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ درختوں میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت موجود ہے، جس کی وجہ سے وہ دور دراز سے زمین کو چیرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضری دیتے ہیں اور سلام پیش کرتے ہیں، مگر منکر ایسا بے محبت ہے کہ سلام پیش کرنے کے لیے حضور اقدس تک سفر کرنے کو حرام سمجھتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ درختوں سے بھی کمتر ہے۔

تیسرا معجزہ: حضرت یعلی بن مرہ کا بیان ہے کہ پھر ہم وہاں سے چل پڑے اور ایک چشمے پر پہنچے۔ ایک خاتون ایک ایسے بچے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی جس کو جنون تھا، یعنی جن چمٹا ہوا تھا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کی ناک پکڑی اور فرمایا:

أُخْرُجْ فَإِنِّيْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ. یعنی نکل جا، میں اللہ کا رسول محمد ہوں۔

پھر ہم وہاں سے چل پڑے اور جب ہم واپس لوٹے تو اسی چشمے پر سے گزرے جہاں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون سے بچے کا حال پوچھا۔ اس خاتون نے جواب دیا:

وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا رَأَيْنَا مِنْهُ رَيْبًا بَعْدَكَ. (مشکوٰۃ، ص:540)

ترجمہ: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، آپ کے چلے جانے کے بعد ہم نے اس بچے سے کوئی مکروہ شئی نہیں دیکھا جو شک میں ڈالے۔ بیت:

کم ابرت و صبا باللمس راحته
و اطلقت اربا من ربقة اللهم

(اشعۃ اللمعات، جلد:4، ص:582)

لیکن بد بخت منکر کہتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کچھ سنوار نہیں سکتے وہ دوسروں کو کیا فائدہ پہنچائیں گے؟ ادھر مبارک حدیث بتاتی ہے کہ سرکار اعظم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ خداداد طاقت حاصل ہے کہ صرف زبان مبارک سے کہہ دیں تو مجنوں کو صحت اور شفا ہو جاتی ہے اور جنون ایسا بھاگ جاتا ہے کہ واپس آتا ہی نہیں۔

مجنون بچہ کو تندرست فرمانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ایک خاتون اپنا بچہ ساتھ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: یا رسول اللہ! میرے بیٹے کو جنون (دیوانگی) ہے اور جنون اس کو صبح و شام کے کھانے کے وقت پکڑ لیتا ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کے سینے پر دست مبارک پھیرا اور دعا فرمائی، تو اس بچے نے قے کی:

وَخَرَجَ مِنْ جَوْفِهٖ مِثْلَ الْجَرْوِ الْأَسْوَدِ فَسَعٰى. (دارمی، مشکوٰۃ، ص:541)

ترجمہ: اس کے پیٹ سے کتے کے چھوٹے بچے کے مثل سیاہ رنگ کا کچھ نکلا جو دوڑتا بھاگا۔

حضور کی زبان سے نکلی ہوئی بات کا پورا ہونا

سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے بائیں ہاتھ سے کھانے لگا، آپ نے فرمایا: دائیں ہاتھ سے کھا، وہ کہنے لگا کہ میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا، تب آپ نے فرمایا: لا استطعت۔ یعنی تو (دائیں ہاتھ سے کھانے کی) طاقت ہرگز نہ رکھ سکے گا، اس شخص کا دائیں ہاتھ سے نہ کھانا محض تکبر کی بنا پر تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ: فَمَا رَفَعَهَا إِلٰى فِيْهِ. (صحیح مسلم، مشکوٰۃ، ص:536)

یعنی پھر وہ شخص اپنے دائیں ہاتھ کو منہ کی طرف نہ لے جا سکا۔

الحمد للہ رب العالمین! سرکار اعظم کی زبان اقدس سے جو نکلا تھا وہ ہو کر رہا اور سنیے: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا، وہ مرتد ہو گیا اور مشرکین کے ساتھ مل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الْاَرْضَ لَا تَقْبَلُهٗ۔ بے شک اس کو زمین قبول نہ کرے گی۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ مجھے ابوطلحہ انصاری نے خبر دی کہ میں اس زمین میں گیا، جہاں وہ مرا تھا اور دفن کیا گیا تھا تو دیکھا کہ وہ (مردود) قبر سے باہر پڑا ہوا ہے، ابوطلحہ نے پوچھا: مَا شَانُ هٰذَا فَقَالُوْا دَفَنَّاهُ مِرَارًا فَلَمْ تَقْبَلْهُ الْاَرْضُ۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، ص:535)

ترجمہ: اس مردہ کا کیا حال ہے (کہ باہر پڑا ہوا ہے) لوگوں نے کہا کہ ہم نے کئی دفعہ قبر میں اس کو دفن کیا، لیکن زمین نے اُسے قبول نہ کیا۔

ارے بخاری اور مسلم کے نام رٹنے والے منکرو! کس منہ سے کہتے ہو کہ ہم بخاری اور مسلم کو بہت مانتے ہیں۔ دیکھو! ان کتابوں میں کیا ہے اور تم کیا بکواس کرتے ہو کہ حضور کے چاہنے اور کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، ڈوب جاؤ شرم سے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنی والدہ کو جو مشرکہ تھی، اسلام کی دعوت دیتا تھا، ایک روز میں نے اسے دعوت اسلام دی تو اس نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ ایسی باتیں کہیں جو مجھے ناپسند تھیں۔ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور رو کر عرض کیا: یارسول اللہ! دعا فرمائیں کہ میری والدہ کو اللہ ہدایت عطا فرمائے۔ آپ نے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اهْدِ اُمَّ اَبِیْ هُرَیْرَةَ۔ یا اللہ! ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت عطا فرما۔ میں حضور ﷺ کی اس دعا سے خوش ہو کر باہر آیا اور جب میں اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ بند ہے۔ میری والدہ نے میرے پاؤں کی آہٹ سنی اور بولی: ابو ہریرہ! اندر مت آؤ۔ باہر ہی ٹھہرو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے پانی کے چلنے کی آواز سنی (شاید وہ غسل کر رہی تھیں)، یوں والدہ نے غسل کیا اور قمیص پہنی اور جلدی اوڑھنی سر پر رکھی اور دروازہ کھولا، پھر کہا: یَا اَبَا هُرَیْرَةَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ فَرَجَعْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ اَنَا اَبْكِیْ مِنَ الْفَرَحِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ قَالَ خَیْرًا۔ (مسلم، مشکوٰۃ، ص:535)

ترجمہ: ابو ہریرہ! میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتی ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ میں خوشی سے روتا ہوا رسول اللہ کی طرف واپس پلٹا۔ حضور ﷺ نے اللہ کی حمد بیان کی اور کہا کہ بہتر ہے! یعنی یہ سن کر خوش ہوئے۔

دیکھا! سرکار کی زبان اقدس سے اتنا کلمہ نکلا کہ: الٰہی! ابو ہریرہ کی ماں کو اسلام عطا فرما اور ابو ہریرہ جب گھر پہنچے تو والدہ کلمہ پڑھ کر سنا دیتی ہے۔ سبحان اللہ!

حضرات! ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص جو اسلام کا دعویٰ کرتا تھا، اس کے متعلق فرمایا کہ یہ دوزخی ہے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو اس شخص نے جنگ کی، اسے ایک زخم لگا جس کا ذکر آپ کی خدمت میں کیا گیا کہ: یارسول اللہ! جس شخص کو آپ نے دوزخی فرمایا ہے، اس نے بڑی جنگ کی اور مر گیا، فرمایا: دوزخ کو پہنچا۔ راوی نے کہا: قریب تھا کہ بعض لوگ شک میں پڑیں، اتنے میں کسی نے کہا کہ اس شخص نے زخم سے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔ سرکار کی خدمت میں یہ بات عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ یہ منادی کر دیا جائے کہ جنت میں مسلمان ہی داخل ہوں گے اور فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَیُؤَیِّدُ هٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْكَافِرِ۔ (بخاری، ج اول، ص:430)

حضرت ابو ہریرہ کو قوت حافظہ عطا فرمانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتیں بہت بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے وعدے کی جگہ ہے کہ وہاں سچ اور جھوٹ کا پتہ چلے گا۔ خود کثرت روایت کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ مہاجر بھائی بازاروں میں خرید و فروخت میں مشغول تھے اور انصار بھائی کھیتی باڑی کے کاموں میں مشغول اور میں ایک مسکین آدمی تھا، میرے پاس کوئی کام نہیں تھا اس لیے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود رہتا تھا، جو کچھ مل جاتا اس سے پیٹ بھر لیتا۔ ایک دن سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَنْ یَّبْسُطَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ ثَوْبَهٗ حَتّٰی اَقْضِیَ مَقَالَتِیْ هٰذِهٖ ثُمَّ یَجْمَعُهٗ اِلٰی صَدْرِهٖ فَیَنْسٰی مِنْ مَّقَالَتِیْ شَیْئًا اَبَدًا فَبَسَطْتُ نَمِرَةً لَّیْسَ عَلَیَّ ثَوْبٌ غَیْرُهَا حَتّٰی قَضَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهٗ ثُمَّ جَمَعْتُهَا اِلٰی صَدْرِیْ فَوَالَّذِیْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ مَا نَسِیْتُ مِنْ مَّقَالَتِهٖ ذٰلِكَ اِلٰی یَوْمِیْ هٰذَا۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، ص:535)

ترجمہ: تم میں سے کوئی اپنے کپڑے کو ہرگز فراخ نہیں کرے گا یہاں تک کہ میں اپنی اس بات کو پورا کردوں، پھر وہ اس کو اپنے سینے میں جمع کرے، تو کبھی میری حدیث سے کسی شئے کو بھول جائے۔ میں نے اپنی گدڑی بچھادی کہ میرے بدن پر اس کے سوا کوئی کپڑا نہ تھا، یہاں تک کہ نبی پاک نے اپنی بات پوری کی، یعنی جو دعا پڑھی تھی، پھر میں نے اس کو اپنے سینے پر لپیٹ لیا۔ اس ذات کی قسم! جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، حضور کی جو بھی حدیثیں میں نے سنی ہیں آج تک نہیں بھولا۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ سلطان دارین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قوت حافظہ کی ایسی نعمت عنایت فرمائی کہ جو حدیث ایک دفعہ سن لی وہ ان کی قوت حافظہ سے پھر نہیں نکلی۔

☆☆☆

تیئیسواں وعظ:5

سلطان دارین، کونین کی نعمتیں عطا فرماتے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

ترجمہ: نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر رحمت تمام جہان کے لیے۔

اس آیت پاک سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوا کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لیے رحمت ہیں اور رحمت سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہے۔ مسلمانو! غور و تامل کا مقام ہے کہ سارے عالم کا خالق و مالک جل مجدہ تو فرمائے کہ میرا محبوب تمام جہان کے لیے رحمت ہے، خواہ فرشتے ہوں یا انسان، خواہ جن ہوں یا حیوان، خواہ سنی ہوں یا غیر سنی۔ لیکن چودہویں صدی کا موحد و منکر انکار کرتا ہے کہ حضور نعمت نہیں ہیں اور نہ کچھ دے سکتے ہیں، نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ حالاں کہ سرکار دوعالم ﷺ کی نعمت سارے جہان میں جاری و ساری ہے اور سارا جہان آپ ہی کے خوان نعمت سے سرفراز ہے۔

حضور دافع البلا ہیں

اس آیت نے بتادیا کہ حبیب خدا سارے جہان کے لیے رحمت ہیں اور رحمت کی نقیض زحمت و عذاب ہے اور قاعدہ ہے کہ ایک نقیض کے پائے جانے سے دوسری نقیض کا انتفاع ضروری ہوتا ہے، لہٰذا رحمت کے پائے جانے سے زحمت اٹھ جائے گی اور دفع ہو جائے گی۔ پس آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں تو بالیقین دافع زحمت بھی ہیں۔

الحمدللہ! نص صریح سے ثابت ہوا کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم دافع بلا ہیں۔ منکرو! غیض و غضب سے مرجاؤ، اگر سرکار کو نعمت دینے والا نہیں سمجھتے تو چاہیے کہ اس جہان سے باہر نکل جاؤ، کسی اور جہان میں گزارہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ (سورۂ انفال)

ترجمہ: اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کافروں کو عذاب دے، جب آپ ان میں تشریف فرما ہیں۔

مسلمانو! اللہ فرماتا ہے، دونوں جہان کا مالک وخالق ارشاد فرماتا ہے کہ میرے حبیب (ﷺ) کفار کے لیے دافع بلا ہیں تو بالضرور مسلمانوں کے لیے بھی دافع بلا ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ؕ یعنی حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے لیے بڑے ہی مہربان ورحیم ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ؕ (سورۂ نسا، آیت:64)

ترجمہ: جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں اور آپ کے سامنے ہوں، پھر آپ ان کے لیے اللہ سے بخشش چاہیں اور معافی مانگیں تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

حضرات! وہ ذات جل مجدہٗ اس بات پر بھی قادر تھی کہ خود ہی دربار مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے بغیر گنہگاروں کے گناہ بخشش دیتا، مگر ایسا نہیں کیا، بلکہ حکم دیا کہ میرے محبوب کے دربار میں حاضر ہو کر توبہ واستغفار کرو، تب تمہاری توبہ قبول ہوگی۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کی حاضری توبہ کے قبول ہونے کا سبب ہے۔

امید ہے کہ اتنی بات منکرین مانتے ہوں گے، مگر اب ذرا اس میں تدبر کرو اور تامل سے کام لو کہ جب توبہ قبول ہوگی تو کیا ہوگا، یہی کہ عذاب الٰہی دفع ہوگا، جو ایک بڑی مصیبت اور بلا ہے۔ جب حضور کے سامنے حاضری سے توبہ قبول ہوتی ہے تو بالضرور اس حاضری سے بلا دفع ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے فضل سے دافع بلا ہیں۔

حضور کے دافع بلا ہونے پر کتب سابقہ کی شہادت

حضرت عبد اللہ بن سلام جو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے تھے اور اشراف و علمائے یہود سے تھے۔ جب احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اُسی روز حضرت عبد اللہ بن سلام شرف ملاقات سے مشرف ہوئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: میں آپ کو اس اللہ کی قسم دلاتا ہوں جس نے تورات شریف نازل

فرمائی، کیا آپ اپنی کتاب میں میری صفت پاتے ہیں؟ حضرت عبد اللہ بن سلام نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب تورات میں آپ کی یوں صفت بیان فرمائی:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا (الی قوله) لَنْ يَّقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ يَفْتَحُ بِهٖ اَعْيُنًا عُمْيًا وَّ اٰذَانًا صُمًّا وَّ قُلُوْبًا غُلْفًا ؕ (بخاری، ج دوم، ص:717)

ترجمہ: اے نبی! ہم نے آپ کو بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے اور ڈرسنانے والا، اللہ اس نبی کو نہ اٹھائے گا جب تک کہ اس کے سبب ٹیڑھے دین کو سیدھا نہ کردے اور لوگ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہ کہہ دیں۔ اسی نبی کے وسیلے سے اندھی آنکھیں، بہرے کان اور محجوب دل کو کھولتا ہے۔

مسلمانو! سچ بتاؤ جس ذات مقدسہ کے ذریعے اندھی آنکھیں، بہرے کان اور محجوب دل کھل جائیں، بھلا وہ دافع بلا نہیں ہے؟ ضرور ہے: ولکن المنکرین قوم لا یشعرون۔

اور سنیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دافع بلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ (سورۂ اعراف، آیت:157)

ترجمہ: وہ لوگ جو پیروی کریں گے، اس بھیجے ہوئے غیب کی باتیں بتانے والے اُمی کی جسے اپنے توریت وانجیل میں لکھا پائیں گے۔ وہ انھیں بھلائی کا حکم دے گا، برائی سے روکے گا، ستھری چیزیں ان کے لیے حلال کرے گا اور گندی چیزیں ان کے لیے حرام کرے گا، پھر اُن سے اُن کا بھاری بوجھ اور سخت تکلیفوں کے طوق اتارے گا جو اُن پر تھے۔

مسلمانو! اس مبارک آیت نے ہمارے آقا ومولا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یہ تعریف فرمائی کہ وہ اللہ کا پیارا اپنی امت کا متوالا، ہماری پشتوں سے بھاری بوجھ اتارتے ہیں اور ہماری گردنوں سے تکلیفوں کے طوق کاٹ دیتے ہیں۔

مسلمانو! انصاف سے کہنا کیا کہ بھاری بوجھ اتارنا اور تکلیفوں کے طوق کو کاٹ دینا، یہ دفع بلا نہیں ہے؟ ضرور ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دافع بلا ہیں۔

اُمت کو پاک کرنا اور علم عطا فرمانا

سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ خدا میں عرض کیا:

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ۝ (سورۂ بقر، آیت:129)

ترجمہ: اے رب ہمارے! ان میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیج تا کہ ان پر تیری آیتیں پڑھے اور انھیں کتاب وحکمت سکھائے اور انھیں گناہوں سے پاک کردے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظروں میں ہمارے آقا ومولا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو پاک فرماتے ہیں اور علم بھی عطا فرماتے ہیں۔

رب کریم کی شہادت کہ اس کا حبیب لبیب امت کو پاک کرتے ہیں اور علم عطا فرماتے ہیں:

كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ۝ (سورۂ بقر، آیت:151)

یعنی جس طرح ہم نے تمہارے درمیا تمھیں سے ایک رسول بھیجا کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتا، تمھیں پاکیزہ بناتا، تمھیں قرآن وعلم سکھاتا اور ان باتوں کا تم کو علم دیتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

ایک دوسرے مقام پر ہے: لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ۝ (سورۂ آل عمران، آیت:164)

ترجمہ: بے شک ایمان والوں پر اللہ کا بڑا احسان ہوا کہ ان میں ایک رسول انھیں میں سے بھیجا، جو اُن پر اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے، انھیں گناہوں سے پاک کرتا ہے اور انھیں قرآن وحکمت کا علم دیتا ہے، اگر چہ وہ اس سے پہلے بے شک کھلی گمراہی میں تھے۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ یہ کا ارشاد ہے: هُوَ الَّذِىۡ بَعَثَ فِى الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا

عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ۝ وَّاٰخَرِيۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ۝ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ۝ (سورۂ جمعہ، آیت:2)

ترجمہ: اللہ ہی نے اَن پڑھوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا، جو اُن پر آیات الٰہی پڑھتا، انھیں ستھرا کرتا اور انھیں کتاب وحقائق کا علم بخشتا ہے، اگر چہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے، نیز ان کی جنس کے اور لوگوں کو پاک کرے گا اور علم عطا فرمائے گا جو اَب تک ان سے نہیں ملے اور وہی غالب حکمت والا ہے، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے، اللہ بڑا فضل والا ہے۔

حضرات! یہ تینوں آسمانی شہادتیں کیسی عمدہ پیرایے میں شہادت دے رہی ہیں کہ محبوب خدا سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو گناہوں سے پاک وستھرا کرتے اور علم عطا فرماتے ہیں۔ تیسری آیت مبارکہ نے اتنا اور زیادہ بیان فرمایا کہ سلطان دارین کا علم عطا فرمانا، گناہوں سے پاک اور ستھرا کرنا، صرف صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ قیامت تک کے مسلمان حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان نعمتوں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ اب بھی منکرین یہ کہیں کہ حضور کچھ نہیں دے سکتے اور نہ کچھ کر سکتے ہیں تو یہ ان کی قساوت قلبی اور بدبختی ہے۔

آخرین سے مراد

اس مؤخر الذکر آیت مبارکہ میں واٰخرین منہم سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس تعلق سے قاضی بیضاوی علیہ رحمۃ اللہ الباری لکھتے ہیں: هُمُ الَّذِيۡنَ جَآؤُا بَعۡدَ الصَّحَابَةِ إِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ۔ یعنی یہ دوسرے جن کو حضور اقدس علم سے بھرپور کرتے اور گناہوں سے پاک کرتے ہیں، صحابہ کے بعد تمام مسلمان ہیں جو قیامت تک آنے والے ہیں۔

حضور کا امت کے لیے پشت پناہ ہونا

حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت تورات میں اس طرح ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا حِرۡزًا لِّلۡاُمِّيّٖنَ۔

(مدارج، جلد اول، صفحہ:121)

ترجمہ: اے نبی! بے شک ہم نے تجھے گواہ اور خوشخبری وڈر سنانے والا اور اَن پڑھوں کے لیے پناہ بنا کر بھیجا۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وی صلی اللہ علیہ وسلم پشت و پناہ تمامہ عالم است، تخصیص بعرب بجہت بعث وی در ایشاں و قرب ایشاں از وے باشد یا بجہت غلو وانہماک ایں قوم در جہل وقساوت وبعد از مقام علم وہدایت وحرز موضوع حصین را گویند کہ نگاہ دارد از آفات و مراد از اں حفظ وتحصین ایشاں است از آفات نفس وغوائل شیطان۔ (مدارج، جلد اول، ص:121)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ تمام جہان کے پشت پناہ ہیں۔ خصوصاً عرب کے، کیوں کہ آپ کی بعثت عرب میں اور آپ عرب کے قریبی بھی ہیں، یا اس وجہ سے کہ عرب قوم جہالت میں غرق اور درندگی میں حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ چنانچہ انھیں مقام ہدایت پر متمکن ہو جانے کے بعد اسی قوم کے لیے آپ حرز جاں بن گئے۔ مراد یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے عرب شیطانی خواہشات اور بری عادتوں سے محفوظ ہو گئے۔

حضرات! مقام غور ہے کہ حرز، اللہ رب العزت جل وعلا کی صفتوں سے ایک صفت ہے۔ حدیث پاک میں ہے: یَاحِرْزَ الضُّعَفَاءِ یَاکَنْزَ الْفُقَرَاءِ۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں: جَعَلَہٗ نَفْسَہٗ حِرْزًا مُّبَالَغَۃً لِحِفْظِہٖ لَھُمْ فِی الدَّارَیْنِ۔ یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو پناہ دینے والے ہیں، مگر اللہ رب العزت جل وعلا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور مبالغہ خود پناہ فرمایا، جیسے عادل کو عدل اور عالم کو علم کہتے ہیں۔ اس وصف کی وجہ یہ ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا وآخرت میں اپنی امت کے حافظ اور نگہبان ہیں۔

مگر مسلمانو! چودہویں صدی کے منکرین تو اس کو شرک کہتے ہیں، جیسا کہ توریت جو آسمانی کتاب ہے اور اللہ کا کلام ہے، حبیب پاک ﷺ کو پشت پناہ عالم بتاتی ہے، گویا کہ ان بے دینوں کے زعم کے مطابق آسمانی اور ربانی کتابیں بھی شرک کی تعلیم دیتی ہیں۔

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ الْعَبْدَۃِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

سب حضور کے محتاج ہیں

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''تحفہ اثناعشریہ'' میں لکھتے ہیں کہ توریت کے چوتھے سفر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے مخاطب ہو کر یوں فرمایا:

اِنَّ ھَاجَرَۃَ تَلِدُ وَیَکُوْنُ مِنْ وَّلَدِھَا مَنْ یَدُہٗ فَوْقَ الْجَمِیْعِ مَبْسُوْطَۃٌ اِلَیْہِ بِالْخُشُوْعِ۔ (تحفہ اثناعشریہ، ص:265)

ترجمہ: واقعی ہاجرہ کی اولاد ہوگی اور اس کی اولاد میں وہ شخص ہوگا جس کا ہاتھ سب کے ہاتھ سے بالاتر ہوگا اور سب کے ہاتھ اس کی طرف عاجزی سے دراز ہوں گے۔

شاہ عبدالعزیز آگے لکھتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ حضرت ہاجرہ کی اولاد میں اس قسم کا شخص کہ جس کے ہاتھ سب سے بالاتر ہوں اور جملہ اہل عصر اس کے سامنے عاجزی سے جھکیں سوائے محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی وقت کوئی نہیں ہوا۔ (تحفہ اثناعشریہ، ص:265)

حضرات! اس ربانی کلام سے ثابت ہے کہ اللہ رب العزت جل وعلا نے اپنے حبیب کریم رؤف ورحیم کو ایسا داتا اور سلطان دارین بنایا کہ تمام مخلوق کے ہاتھ اس کی بارگاہ کی طرف پھیلے ہوئے ہیں اور آپ کے در اقدس سے بھیک مانگ رہے ہیں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست ہرچہ خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَھَا ۔۔۔ وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

اگر خیریت دنیا وعقبیٰ آرزو داری ۔۔۔ بدرگاہش بیا وہرچہ میخواہی تمنا کن

مگر بے دین منکر نہ قرآن مبارک کو مانتا ہے اور نہ ہی آسمانی کتاب توریت شریف کو تسلیم کرتا ہے۔ بس یہی رٹ لگاتا ہے کہ رسول پاک کسی کو کچھ نہیں دے سکتے۔ خدائے قدوس نے سچ فرمایا: وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَمَالَہٗ مِنْ هَادٍ۔

☆☆☆

چوبیسواں وعظ:6

سلطان دارین کونین کی نعمتیں عطا فرماتے ہیں

ہمارے گناہوں کی مغفرت

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب خیبر کو چلے، رات کا سفر تھا۔ ہم میں سے ایک شخص نے مجھ (عامر بن اکوع) سے کہا: اے عامر! ہمیں کچھ اپنے اشعار کیوں نہیں سناتے تو میں (عامر) اپنی سواری سے اترا، اور قوم کو یہ اشعار سنانے لگا:

اَللّٰهُمَّ لَوْ لَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا — وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّكَ مَا أَبْقَيْنَا — وَ ثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
وَ أَلْقِيَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا — إِنَّا إِذَا صِيْحَ بِنَا أَبَيْنَا

ترجمہ: اللہ گواہ ہے، یارسول اللہ! اگر آپ نہ ہوتے تو ہم ہدایت نہ پاتے، ہم نہ زکاۃ دیتے اور نہ نماز ادا کرتے، بخش دیجیے، ہم حضور پر قربان جتنے رہ گئے ہیں۔ جب ہم دشمنوں سے مقابل ہوں تو ہمیں ثابت قدم رکھیں اور حضور ہم پر سکینہ اتاریں، بے شک جب ہم بلائے جائیں ناحق کی طرف، تو انکار کریں۔

سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سن کر فرمایا: مَنْ هٰذَا السَّائِقُ قَالُوْا عَامِرُ بْنُ الْأَكْوَعِ قَالَ: يَرْحَمُهُ اللهُ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ وَجَبَتْ يَا نَبِيَّ اللهِ لَوْ لَا أَمْتَعْتَنَا بِهٖ۔
(بخاری، جلد دوم، ص:602، مسلم، جلد دوم، ص:111)

ترجمہ: یہ کون اونٹوں کو چلانے والا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: عامر بن اکوع، حضور نے فرمایا: اللہ اس پر رحمت کرے۔ حاضرین میں سے ایک شخص یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

یارسول اللہ! (آپ کی دعا سے عامر کے لیے) شہادت واجب ہوگئی۔ حضور نے ہمیں ان سے نفع کیوں نہ لینے دیا، یعنی آپ ان کے لیے دعا کو ذرا مؤخر فرماتے تو ہم ان سے نفع حاصل کرتے۔

حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان کے لیے شہادت واجب ہوگئی، اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ جب کسی کے لیے دعائے رحمت اور استغفار فرماتے تو وہ شہید ہو جاتا تھا۔ (حاشیہ بخاری، ص:603 اور مسلم، جلد دوم، ص:115)

چنانچہ اس جنگ میں حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درجہ شہادت حاصل کیا۔

حضرات! اس حدیث پاک کے فوائد بیان کرنے سے قبل حدیث کی تھوڑی سی تشریح سن لیجیے۔ علامہ قسطلانی شارح بخاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں:

(فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّكَ) وَالْمُخَاطَبُ بِذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ اِغْفِرْ لَنَا تَقْصِيْرَنَا فِيْ حَقِّكَ وَ نَصْرِكَ إِذْ لَا يُتَصَوَّرُ أَنْ يُّقَالَ مِثْلُ هٰذَا الْكَلَامِ فِيْ حَقِّ اللهِ تَعَالٰى وَ قَوْلُهُ اَللّٰهُمَّ لَمْ يَقْصِدْ بِهَا الدُّعَاءَ وَإِنَّمَا افْتَتَحَ بِهَا الْكَلَامَ۔ (حاشیہ بخاری، ص:603)

ان اشعار میں مخاطب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یعنی حضور کے حقوق حضور کی مدد میں جو قصور ہم سے ہوئے معاف فرمادیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ایسے کلام سے خطاب کرنا متصور نہیں ہوسکتا۔ رہا یہ کہ ان کا قول اَللّٰهُمَّ اس سے مقصود اللہ جل وجلالہ کو پکارنا نہیں، بلکہ اس کے نام سے ابتدائے کلام ہے۔

صحیح مسلم، ص:115 کی روایت میں یہ مصرع بھی ہے: نَحْنُ عَنْ فَضْلِكَ مَا اسْتَغْنَيْنَا۔ یعنی ہم حضور کے فضل سے بے نیاز نہیں ہیں۔

چار نورانی فائدے

۱۔ یارسول اللہ! ہمارے گناہ بخش دیجیے۔
۲۔ یارسول اللہ! ہم پر سکینہ اتاریے۔
۳۔ یارسول اللہ! ہمیں ثابت قدم رکھیے۔
۴۔ یارسول اللہ! ہم حضور کے فضل کے محتاج ہیں۔

منکرو! تم کیوں کہتے ہو کہ حضور کچھ نہیں دے سکتے اور ان کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

صحابی رسول تو سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ بخشنے والا اور سکینہ نازل فرمانے والا اور ثابت قدم رکھنے والا فرمارہا ہے اور اپنے آپ کو حضور کے فضل کی طرف محتاج کر رہا ہے، پھر یہ کیسے؟ یا تم سچے یا حضور کے صحابہ سچے، مگر بالیقین صحابہ سچے ہے اور جھوٹے ہو تو تم منکرین۔

اللہ و رسول کی طرف توبہ کرنا

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک تکیہ خریدا، جس میں تصویریں تھیں: فَلَمَّا رَاٰھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَی الْبَابِ فَلَمْ یَدْخُلْ فَعَرَفْتُ فِیْ وَجْھِہِ الْکَرَاھِیَۃَ قَالَتْ: فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ وَ اِلٰی رَسُوْلِہٖ مَاذَا اَذْنَبْتُ۔ (مسلم وبخاری، مشکوٰۃ، ص:385)

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہو گئے کہ اندر داخل نہ ہو۔ میں نے آپ کے چہرۂ اقدس میں ناراضگی کا اثر معلوم کیا تو عرض کیا: یارسول اللہ! میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں، میں نے کیا گناہ کیا ہے؟

حضرات! جب اللہ تعالیٰ کا سچا رسول کچھ نہیں دے سکتے اور نہ ہی کچھ کر سکتے ہیں تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کیوں رسول پاک کی طرف توبہ کی؟ معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گناہوں کے بخشوانے کا وسیلہ عظمیٰ ہیں۔

حضور کفر مٹاتے ہیں

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اِنَّ لِیْ اَسْمَاءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَنَا اَحْمَدُ وَ اَنَا الْمَاحِیْ الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ وَ اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ۔

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ، ص:515)

ترجمہ: میرے متعدد نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں، یعنی کفر وشرک مٹانے والا کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر مٹاتا ہے۔ میں حاشر ہوں یعنی مخلوق کو حشر دینے والا

ہوں کہ میرے قدموں پر تمام لوگوں کا حشر ہوگا۔

حضرات! تمہارا اور ہمارا آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کفر وشرک کو مٹاتے ہیں، مگر منکرین کہتے ہیں کہ رسول پاک کچھ نہیں کر سکتے: قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔

نیز یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام بلاؤں سے بڑی بلا کفر ہے، تو جو اللہ کا حبیب کفر مٹاتا ہے اور شرک کو دفع فرماتا ہے، وہ دافع بلا نہ ہوا تو کیا ہوا؟ ضرور بالضرور ہمارے رسول معظم باذنہ تعالیٰ دافع البلاء ہیں، لیکن یہ منکرین نہیں سمجھتے۔

حدیث پاک کے لفظ حاشر نے منکرین کی جان کو جلا کر راکھ بنا دیا۔

منکرو! اللہ تعالیٰ کا پیارا حبیب یہ کیا فرمارہے ہیں کہ میں حاشر ہوں، یعنی حشر دینے والا ہوں، اپنے قدموں پر تمام لوگوں کو حشر دوں گا۔ تم نے قرآن مجید سے یہ سنا ہوگا کہ حشر کرنا نشر کرنا اللہ کی شان ہے۔ یہاں بھی تم یہی کہو گے کہ نبی نے اپنے آپ کو اللہ کی شان میں ملا دیا تو کیا تمہارا ایمان سلامت رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ منکروں نے ابھی تک شانِ خدا کے معنی ہی نہیں سمجھے۔ نبی کی شانیں اللہ کی شان ہیں، تو اللہ کی بعض شانیں ضرور نبی کی شان ہیں، کیوں کہ موجبہ کلیہ کو اس کا عکس موجبہ جزئیہ لازم ہے۔ ہاں! وہ شان جس سے خدائی لازم آئے، نبی کے لیے نہیں ہو سکتی۔ مگر دفع بلا، یا سماع، ندا، یا فریاد کو پہنچنا، یا مراد کا دینا وغیرہ امور کہ عطائے رحمانی اور وساطت فیض ربانی سے مانے جاتے ہیں، لازم الوہیت نہیں: وَلٰکِنْ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا مَالَہٗ مِنْ نُّوْرٍ۔

حضور دنیا و آخرت میں مومنوں کے مددگار ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا مِنْ مُّؤْمِنٍ اِلَّا اَنَا اَوْلٰی بِہٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ اِقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ فَاَیُّمَا مُؤْمِنٍ مَّاتَ وَ تَرَکَ مَالًا فَلْیَرِثْہُ عَصَبَتُہٗ مَنْ کَانُوْا وَ مَنْ تَرَکَ دَیْنًا اَوْ ضَیَاعًا فَلْیَاْتِنِیْ فَاَنَا مَوْلَاہُ۔ (بخاری، ج: اول، ص:323، مسلم، ج:2، ص:36)

ترجمہ: کوئی مومن ایسا نہیں کہ میں دنیا و آخرت میں اس کا والی نہ ہوں، اگر چاہو تو یہ آیت

کریمہ پڑھو کہ نبی زیادہ والی ہے مومنوں کا ان کی جانوں سے، پس جو مومن مرجائے اور مال چھوڑ جائے تو اس مال کے وارث اس کے حصے دار ہوں گے جو بھی ہوں، جو شخص قرضہ یا بیکس بچے چھوڑے جائے وہ میری پناہ میں آئے، پس میں اس کا مولیٰ ہوں۔

امام حسین عمدۃ القاری میں زیر حدیث مذکور فرماتے ہیں: المولیٰ الناصر۔ یعنی مولا بمعنی مددگار ہے، مدارج میں ہے: اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ۔

اور حضور نے فرمایا: اَنَا وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ اور فرمایا: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔ کہ اینجا محب وناصر است۔ (مدارج، اول، ص:212)

الحمد للہ! ہمارے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم ہر مومن کے مددگار ہیں، صرف دنیا ہی میں نہیں بلکہ آخرت میں بھی، صرف ظاہر حیات میں مددگار نہیں بلکہ بعد از وصال بھی مددگار ہیں۔ حدیث پاک سے یہی کچھ مفہوم ہوتا ہے، مگر منکرین بتائیں کہ وہ مومن ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو ہر مومن کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مددگار ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، تو منکرین یہ نعمت عظمیٰ کیوں قبول نہیں کرتے۔ اگر وہ مومن نہیں تو وہ ٹھیک کہتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم مددگار نہیں ہیں، کیوں کہ آپ ایمان داروں کے مددگار ہیں، بے ایمانوں کی مدد نہیں فرماتے۔

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔ (سورۂ شعراء، آیت:227)

آخری فیصلہ منکروں کے پیرومرشد کے اقوال سے

حضرات! منکرین اپنے وعظوں اور تقریروں میں بیان کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کسی غیر سے خواہ وہ نبی ہو یا ولی، غوث ہو، قطب ہو، مدد لینا حرام ہے اور کسی نبی اور ولی کو مشکل کشا کہنا شرک اکبر ہے اور بے موقع آیات مبارک پڑھ کر عوام الناس کو دھوکہ دیتے ہیں۔ قرآن و حدیث تو اس مسئلے سے مالا مال ہیں اور ہم نے سنی بھائیوں کے لیے قرآن وحدیث سے اس مسئلے کو واضح کیا ہے۔ مگر منکروں کو قرآن وحدیث کی کیا قدر؟ لہٰذا ہم ان کے پیرومرشد حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال سے ثابت کرتے ہیں کہ نبی اور ولی مدد فرماتے ہیں اور وہ بعون اللہ مشکل کشا ہوتے ہیں، آپ ذرا غور سے سنتے جائیں:

حضرت علی کی مشکل کشائی

دُور کر دل سے حجاب جہل وغفلت میرے اب
کھول دے دل میں در علم حقیقت میرے اب
ہادی عالم علی مشکل کشا کے واسطے (ارشاد مرشد، ص:13)

حضور کی مشکل کشائی

اے رسول کبریا فریاد ہے
یا محمد مصطفی فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل
اے مرے مشکل کشا فریاد ہے
(مناجات، ص:22)

منکرین! نبی اور ولی سے مدد طلب کرنا اور ان سے فریاد چاہنا اور مصائب میں ان کو دور سے پکارنا کفر وشرک خیال کرتے ہیں، اب ان کے شرک کو تھوڑا سا سرکاؤ۔ کچھ اوپر کے اشعار سے یہ شرک سرک گیا ہے اور کچھ ان اشعار سے سرک جائے گا اور نبی ولی سے مدد طلب کرنا، فریاد چاہنا اور مصائب میں ان کو پکارنا خالص ایمان باقی رہ جائے گا، سنیے:

حضور کو مصائب میں پکارنا

جہاز اُمت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ
پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں ناخدا ہو کر
میری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ
اگرچہ ہوں نہ لائق ان کے پُر امید ہے تم سے
کہ پھر مجھ کو مدینہ میں بلاؤ یا رسول اللہ

خدا کے واسطے رحمت کے پانی سے مرے آکر
تپ ہجراں کی آتش کو بجھا و یا رسول اللہ

پھنسا کر اپنے دامِ عشق میں امداد عاجز کو
بس اب قید دو عالم سے چھڑا و یا رسول اللہ

(گلزار معرفت، ص:504)

منکرو! تم جو منبروں پر عوام کو مغالطہ دینے کے لیے یہ آیتیں پڑھتے ہو:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ (سورہ یونس:106)

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (سورہ احقاف، آیت:4)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (سورہ احقاف، آیت:4)

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاۗءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (سورہ نحل، آیت:21)

وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۝ (سورہ اعراف، آیت:29)

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ (سورہ انعام، آیت:17-18)

تو پھر تمہارا مرشد، رسول پاک کو کیوں مشکل کشا اور اپنا مددگار بناتا ہے اور ان سے اپنی کشتی کیوں پار لگاتا ہے؟ تمہارے عقیدے کے مطابق تو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (معاذ اللہ) مشرک ثابت ہوتے ہیں۔

پھر منکرین حضرت شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کلام کا کیا جواب دیں گے، جو آپ فرماتے ہیں: فَهُوَ مُمِدٌّ بِجَمِيْعِ النَّاسِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا فَهُوَ مُمِدٌّ بِكُلِّ نَبِيٍّ وَّ وَلِيٍّ سَابِقٍ عَلٰى

ظُهُوْرِهٖ حَالَ كَوْنِهٖ فِي الْغَيْبِ وَمُمِدٌّ اَيْضًا لِكُلِّ وَلِيٍّ لَاحِقٍ بِهٖ فَيُوْصِلُهٗ بِذٰلِكَ الْاِمْدَادِ اِلٰى مَرْتَبَةِ كَمَالِهٖ فِيْ حَالِ كَوْنِهٖ مَوْجُوْدًا فِيْ عَالَمِ الشَّهَادَةِ وَفِيْ حَالِ كَوْنِهٖ مُنْتَقِلًا اِلَى الْغَيْبِ الَّذِيْ هُوَ الْبَرْزَخُ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ فَاِنَّ اَنْوَارَ رِسَالَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُ مُنْقَطِعَةٍ عَنِ الْعَالَمِ مِنَ الْمُتَقَدِّمِيْنَ وَالْمُتَاَخِّرِيْنَ ۝ (الیواقیت والجواہر، ص:20، جلد دوم)

مطلب یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں، نبیوں اور ولیوں کے عالم شہادت، برزخ و آخرت میں مددگار ہیں، کیوں کہ آپ کی رسالت کے انوار تمام عالم میں چمکتے ہیں۔

حضرات! منکرین بے بصر بدزبان کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی قدرت نہیں۔ کسی کام میں نہ بالفعل ان کو دخل ہے نہ اس کی قدرت رکھتے ہیں۔ اپنی جان تک کے نفع ونقصان کے مالک نہیں، تو دوسروں کا کیا کرسکیں گے۔ اللہ کے یہاں کا معاملہ ان کے اختیار سے باہر ہے۔ وہاں کسی کی حمایت نہیں کرسکتے۔ کسی کے وکیل نہیں بن سکتے، مگر اُن اندھوں کو کون سمجھائے کہ قرآن کی روشنی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وہ خداداد طاقت رکھتے ہیں کہ انسانوں کا کفر دور کرتے ہیں اور اُنھیں ایمان جیسی دولت عطا فرماتے ہیں۔

اب ذرا گوش ہوش سے سنیے قرآن فرماتا ہے: الٓرٰ ۣ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڏ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ (ابراہیم، آیت:1)

ترجمہ: یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف اتاری تا کہ تم لوگوں کو اندھیروں سے نکال لو روشنی کی طرف، ان کے رب کی اجازت سے غالب سراہے گئے کی راہ کی طرف۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڏ (ابراہیم)

ترجمہ: بے شک بالیقین ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اے موسیٰ! تو نکال لے اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف۔

حضرات! یہ اندھیرے اور نور سے کیا مراد ہیں؟ اندھیرے کفر وضلالت ہیں اور نور ایمان اور ہدایات ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک ایمان وکفر میں واسطہ اور منزلہ نہیں۔ کفر سے نکالنا ایمان میں داخل کرنا ہے۔ قرآن کریم صاف ارشاد فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کفر سے نکالا اور ایمان کی روشنی عطا فرمائی اور اس اُمت مرحومہ کو مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کفر سے

چھڑاتے ہیں اور ایمان عطا فرماتے ہیں۔ اگر انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اِس کام کی طاقت نہ ہوتی تو اللہ رب العزت جل وعلا کا اُنھیں یہ حکم فرمانا کفر سے نکالنا تو (معاذ اللہ) تکلیف مالا یطاق ہوتا، جو عند العقل اور عند الشرع محال ہے۔

الحاصل ثابت ہوا کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ایمان کی دولت جو سب دولتوں سے ارفع واعلیٰ ہے، اپنے نیاز مندوں کو عطا فرماتے ہیں، مگر اندھے منکرین نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ انبیا علیہم السلام کچھ نہیں دے سکتے: وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ (شعرا:227)

منکرین کا اعتراض

منکرین؛ عطائے رسول کے انکار پر فوراً یہ آیت پڑھ دیتے ہیں:

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ۔ یعنی آپ ہدایت وایمان نہیں دے سکتے۔

جواب: منکرین بعض کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور یہی یہودیوں کا کام ہے۔ رب قہار فرماتا ہے: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔

ان بے بصروں اندھوں کو اتنا معلوم نہیں کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ میں عطائے ذاتی کی نفی ہے، جو خاصہ خدا ہے، یہ کچھ ایمان کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر شئے یہاں تک کہ ایک ٹڈی بیبہ بھی بے عطائے خدا کوئی بھی اپنی ذات سے نہیں دے سکتا اور ایک عطا باذن اللہ ہے۔ لہٰذا عطا باذن اللہ کی نفی اس آیت میں نہیں اور ہماری پیش کردہ آیات کریمہ میں عطا باذن اللہ کا ثبوت ہے، اسی فرق کو نہ جاننے سے منکرین گمراہ ہوگئے۔

منکرین، اسلام کی شان وشوکت کو ختم کررہے ہیں

حضرات! ہر مذہب وملت والے اپنے مذہب کی تعریف کرتے ہیں اور اس کے بانی کی شان وشوکت بیان کرتے ہیں، مثلاً ہندو کہتے ہیں کہ میرا دھرم بہت اچھا ہے اور ہمارے رام چندر وہ قوت رکھتا ہے کہ سیتا سے شادی کرنے کے لیے ایک کمان کے دو ٹکڑے کردیے۔ عیسائی بھی کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب عمدہ ہے، کیوں کہ ہمارے مذہب کے بانی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی وہ شان تھی کہ مردوں کو زندہ کرکے اپنا کلمہ پڑھاتے تھے۔ یہودی کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب خوب ہے، کیوں کہ ہمارے مذہب کے پیشوا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ طاقت تھی کہ پتھر پر اپنا عصا مار کر چشمے جاری کردیے۔ مگر منکرین کہتے ہیں کہ ہمارے نبی تو بندۂ مجبور تھے، وہ کچھ نہ کرسکتے تھے اور نہ دے سکتے تھے اور ان کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ تھا۔

اب غور کرو کہ ان منکرین ظالموں نے اسلام کی شان وشوکت ختم نہیں کردی؟ غیر مسلم یہ سن کر کہہ دیں گے کہ ایسے اسلام کی ہم کو ضرورت ہی نہیں جس کا بانی اتنا مجبور اور بے بس ہے کہ وہ نہ کچھ کرسکتا اور نہ کچھ دے سکتا۔ اس کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ البتہ اہل سنت غیر مسلم کو یوں جواب دے سکتا ہے کہ اے ہندوؤ! اگر رام چندر نے ایک بھاری کمان توڑ ڈالا تو ہمارے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد قوت ملاحظہ کرو کہ آپ نے زمین پر کھڑے ہوکر آسمانی چاند کو توڑ کر دو ٹکڑے کرکے دکھایا اور اے عیسائیو! اگر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مردوں کو زندہ کرکے کلمہ پڑھوایا ہے تو اللہ کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خداداد طاقت سے جنگل کے درختوں اور کنکروں سے اپنا کلمہ پڑھوایا۔ اُستن حنانہ جو ایک خشک لکڑی تھی، زندہ فرمایا اور کلام کرنے لگا۔ (دیکھو بزوری شریف) اور اے یہودیو! اگرچہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا عصا مار کر پتھروں سے پانی کے چشمے جاری کردیے تو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان خداداد ملاحظہ کرو کہ جنھوں نے اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری فرمادیے۔

الغرض اسلام کی شان وشوکت دکھانے کے لیے بانی اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وشوکت کا بیان از حد ضروری ہے۔ مگر افسوس کہ منکروں نے اس زریں اصول کو اپنی حماقت سے نہ سمجھا۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔

☆☆☆

پچیسواں وعظ:1

حضور باذن اللہ دنیا کے مالک ومختار ہیں

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی: اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡکَوۡثَرَ۔ (سورۂ کوثر)

ترجمہ: ہم نے اپنے محبوب کو کوثر سے سرفراز فرمایا۔

حضرات اہل سنت! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اولاد آدم کے روحانی باپ ہیں، جیسا کہ آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سب کے جسمانی باپ ہیں۔

شیخ تقی الدین بن ابی منصور علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: فَهُوَ أَبُو الرُّوْحَانِيَّةِ كُلِّهَا كَمَا كَانَ اٰدَمُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ أَبَا الْجِسْمَانِيَّاتِ كُلِّهَا۔ (الیواقیت والجواہر، جلد دوم، صفحہ:18)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے روحانی باپ ہیں، جیسا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سب کے جسمانی باپ ہیں۔

ایسا ہی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان میں سب مخلوق، انبیا غیر انبیا کے بادشاہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور نائب اعظم ہیں۔ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيُّ الْأَنْبِيَاءِ فَهُوَ كَسُلْطَانِ الْأَعْظَمِ وَجَمِيْعُ الْأَنْبِيَاءِ كَأُمَرَاءِ الْعَسَاكِرِ۔ (الیواقیت والجواہر، ج:2، ص:40)

ترجمہ: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انبیا کے نبی ہیں، آپ سلطان اعظم کی طرح ہیں اور تمام انبیا لشکروں کے امیر کی طرح ہیں۔

خداوند کریم نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرمایا: اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً۔

یعنی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو میں اپنی زمین میں اپنا نائب اور خلیفہ بنانے والا ہوں تو زمین خدا میں آدم صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام خلیفہ اور نائب خدا ہوئے اور خود آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ شیخ اکبر ابن عربی فتوحات میں فرماتے ہیں کہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ۔
تمام بنی آدم کا میں سردار ہوں اور یہ میرے کوئی فخر نہیں۔

اس لیے یہ درست ہے کہ: اِنَّمَا كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدَ وُلْدِ اٰدَمَ لِأَنَّ جَمِيْعَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نُوَّابٌ لَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ إِلَى الرُّسُلِ وَهُوَ عِيْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ (الیواقیت والجواہر، ج:2، ص:22)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنی آدم کے سردار اس لیے ہیں کہ تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک۔

جب زمین خدا میں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ رب العالمین کے خلیفہ اور نائب ہوئے اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور نائب ہیں تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین خدا میں اللہ رب العزت جل وعلا کے خلیفۂ اعظم اور نائب اعظم ہیں۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں:

وی صلی اللہ علیہ وسلم محبوب الٰہی وسرور کائنات ومظہر فیوض نامتناہی اوست جل وعلا وخلیفہ رب العالمین ونائب مالک یوم الدین اوست ومقامے کہ اورا باشد ہیچ یکے را نباشد وجاہے کہ اورا است کسے را نہ بود روز اوست وحکم او بحکم رب العالمین۔ (مدارج، حصہ اول، ص:318)

یعنی آپ، اللہ کے محبوب، کائنات کے سردار، لامتناہی فیوض الٰہی کے مظہر، خلیفۃ اللہ اور مالک یوم حساب کے نائب ہیں۔ جو مرتبہ آپ کو ملا وہ کسی کو نہیں ملا اور عظمت آپ کو حاصل ہے وہ کبھی کو حاصل نہیں ہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کا حکم گویا اللہ رب العالمین کا حکم ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی اطاعت وفرماں برداری کا حکم دیا، وہیں اپنے خلیفۂ اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاقت وفرماں برداری کا حکم دیا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کرو۔

پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العالمین کے نائب اعظم ہیں اور دونوں جہان میں اپنے رب کی عطا سے بادشاہی کرتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ ہر بادشاہ کا نائب بادشاہ کی اجازت سے خزانوں کا مالک اور ہر سیاہ وسفید کا مالک ومختار ہوتا ہے، جس کو جو چاہے بخشتا ہے، بلا تشبیہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے خلیفہ اعظم ہیں۔ رب کے خزانوں کے مالک ہیں اور ہر سیاہی وسفیدی کے مختار ہیں۔ مگر افسوس کہ منکرین، نائب خدا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مِلک واختیار کی نفی کرتے ہیں۔ امام المنکرین نے تقویۃ الایمان میں لکھا ہے:

"جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں۔" (نعوذ باللہ من ذالک)

اب ذرا کتاب وسنت سے شہنشاہ دوعالم سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم کا مِلک واختیار اور مملکت خدا میں سلطنت مصطفی ملاحظہ کیجیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (سورۂ کوثر) ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔

کوثر کی تفسیر

کوثر کیا ہے؟ اس میں سولہ اقوال ہیں: (1) نہر جنت (2) حوض کوثر (3) نبوت (4) قرآن (5) اسلام (6) تیسیر القرآن وتخفیف الشریعۃ (7) کثرت اصحاب وامت اور اتباع (8) رفعت ذکر (9) نور قلبی (10) شفاعت (11) معجزات (12) لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (13) نقاہت فی الدین (14) پانچ نمازیں (15) عظمت (16) دینی ودنیاوی خیر کثیر (17)

(صاوی جلد رابع ص:306)

اس میں آخری معنی دینی ودنیاوی خیر مراد لی جائے تو اس میں نہر، حوض کوثر، نبوت، قرآن وغیرہ سب داخل ہوجاتے ہیں، کیوں کہ یہ سب خیر کثیر دنیاوی ودینی کے افراد ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا هُوَ الْخَيْرُ الْكَثِيْرُ فَقِيْلَ لَهٗ اَنَّ اُنَاسًا يَقُوْلُوْنَ هُوَ نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ هُوَ مِنَ الْخَيْرِ الْكَثِيْرِ۔ (تفسیر نسفی، جلد رابع، ص:380)

یعنی ابن عباس سے مروی ہے کہ انھیں خیر کثیر کے بارے میں بتایا گیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ خیر کثیر ایک جنتی نہر ہے، تو انھوں نے کہا کہ وہ خیر کثیر سے ہے۔

ایسا ہی تفسیر ابن کثیر اور منثور میں ہے۔ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے دینی ودنیاوی کثیر بھلائیاں اپنے محبوب معظم کو عطا فرمادیں: اَعْطَيْنَا کے لفظ سے معلوم ہوا کہ خیر کثیر عطا ہوچکی ہے اور قبضہ ہوچکا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس خیر کثیر کے مالک بن چکے ہیں۔ جب اللہ کا پیارا محبوب بعطائے الٰہی خیر کثیر کے مالک ہیں تو امام المنکرین کیوں کہتے ہیں کہ جس کا نام محمد اور علی ہے، وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں ہے، اگر کوثر سے مراد فقط ایک ہی چیز ہو تب بھی امام المنکرین کے قول کی تردید کے لیے کافی وافی ہے، کیوں کہ اس کا یہ مقولہ جس کا نام محمد وعلی ہے، وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں، سالبہ کلیہ ہے اور سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہے۔ پس جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک ہی چیز کے مالک ہوگئے تو موجبہ جزئیہ صادق آوے گا۔

پس ثابت ہوا کہ امام الوہابیہ کا یہ مقولہ قرآن پاک کے اس ارشاد کے بالکل مخالف ہے۔

کوثر کا ماخذ

کوثر کا ماخذ کثرت ہے اور اس کا وزن فوعل ہے جو مبالغہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ تفسیر مدارک میں ہے، لہٰذا کوثر ایک تو خود کثرت سے ماخوذ پھر مبالغے کا صیغہ بھی، اس لیے اس کا معنی بہت ہی زیادہ ہوگا۔ علامہ صاوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: فَوْعَلٌ مِنَ الْكَثْرَةِ وَصْفُ مُبَالَغَةٍ فِي الْبَالِغِ الْغَايَةِ فِي الْكَثْرَةِ۔ (صاوی، جلد چہارم، ص:206)

سبحان اللہ! اللہ رب العزت جل وعلا نے تمام دنیا کی نعمتوں کو قلیل فرمایا یعنی بہت تھوڑی ہیں، مگر جو اپنے محبوب کو عطا فرمایا وہ کثیر نہیں اکثر نہیں، بلکہ کوثر ہے۔

نہیں سمجھا، تو یوں سمجھو کہ زیادہ نہیں بہت زیادہ نہیں بلکہ بہت ہی زیادہ ہے۔ ثابت ہوا کہ ہمارے آقا کی ملکیت کا دنیا ایک کروڑواں حصہ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ (سورۂ فتح)

ترجمہ: بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت جل وعلا نے اپنے محبوب کو فتح دی۔ فتح سے یا تو ملکوں کا فتح کرنا مراد ہے، جیسا کہ کتب تفاسیر میں فرمایا گیا ہے:

اَلْفَتْحُ هُوَ الظَّفَرُ بِالْبِلَادِ عَنْوَةً اَوْ صُلْحًا ۔ (تفسیر نسفی، ج:4،ص:156)

پھر ملاحظہ کرو کہ فتحنا کا معمول اور مفعول حذف کیا گیا أي البلاد تا کہ تعمیم پر دلالت کرے۔ (تفسیر صاوی، جلد چہارم، ص:80)

تو معنی یہ ہوئے کہ ہم نے آپ کے لیے بے شمار ملک اور شہر فتح فرما دیے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس کے لیے ملک و شہر فتح ہوں، وہ مفتوحہ ملک اور شہر کا مالک و بادشاہ ہوتا ہے۔ پس ہمارے آقا و مولیٰ اپنے رب کا پیارا ملکوں اور شہروں اور علاقوں کے مالک اور بادشاہ ہیں۔ یا فتح کے معنی لغوی کھولنا ہو، تو آیت کا مطلب یہ بنے گا کہ اے محبوب! ہم نے تمہارے لیے بند دروازے کھول دیے، جنت کے دروازہ کھول دیے، دیدار الٰہی کے دروازہ کھول دیے، شفاعت کے دروازہ کھول دیے، یعنی ہر نعمت کے دروازہ کھول دیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرماتا ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۔ (سورۂ ضحیٰ)

یعنی اے محبوب! آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جاؤ گے۔

اس آیت میں کسی خاص عطائے نعمت کا ذکر نہیں فرمایا کہ کیا نعمت دیں گے، وہ اس لیے تا کہ پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ کی عطائیں بے شمار ہیں، اور حد و قیاس سے باہر ہیں۔

علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَلْمُنَاسِبُ أَنْ يُّبْقٰى عَلٰى عُمُوْمِهٖ لِأَنَّ إِعْطَاءَهٗ حَتّٰى يَرْضٰى لَيْسَ قَاصِرًا عَلَى الْاٰخِرَةِ بَلْ عَامٌّ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ إِلٰى قَوْلِهٖ اَلَا يَعْلَمُ كُنْهَهٗ سِوَاهُ تَعَالٰى. (تفسیر صاوی، ج:4، ص:278)

ترجمہ: مناسب یہ ہے کہ اس کو اپنے عموم پر باقی رکھا جائے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی اتنی عطا ہے کہ آپ راضی ہو جائیں۔ آخرت کی عطاؤں پر بند نہیں بلکہ عام ہیں۔ دنیا اور آخرت (اتنی) کہ ان کی کنہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی زیر آیت مذکورہ فرماتے ہیں:

عطایائے الٰہی کہ درحق آنجناب از ابتدائے آفرینش روح مبارک ایشاں تا انتہائے دخول بہشت واقع شدہ ومیشود وخواہد شد بیرون از حیط قیاس وحد بیان است۔ (تفسیر عزیزی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی وہ عطائیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں آپ کی روح

مبارک کی پیدائش سے لے کر تا دخول جنت واقع ہوئیں اور ہوتی ہیں اور ہوں گی، وہ قیاس و حد کے دائرے سے باہر ہیں۔

حضرات! جب اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں سے بے شمار عطائیں دی ہیں یا دے گا تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان عطایائے الٰہی کے مالک ہوئے یا ہوں گے یا نہیں۔ بالضرور کہنا پڑے گا کہ آپ مالک ہیں اور ہوں گے، تو پھر منکرین یہ شور کیوں مچاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کے مالک و مختار نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى ۔ (سورۂ ضحیٰ)

ترجمہ: آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں، مگر بہتر تفسیر وہ ہے جو امام جلیل اسماعیل بن کثیر دمشقی نے اپنی تفسیر ابن کثیر میں بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

أَيْ كُنْتَ فَقِيْرًا ذَا عِيَالٍ فَأَغْنَاكَ اللّٰهُ عَمَّنْ سِوَاهُ ۔ (تفسیر ابن کثیر)

یعنی آپ حاجت مند صاحب عیال تھے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ماسوا سے غنی اور بے نیاز کر دیا۔

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے خزانوں سے مالامال کر دیا کہ آپ اللہ کے سوا سے بے نیاز ہو گئے۔

اب ذرا ان خزانوں کی فہرست بھی ملاحظہ فرمائیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَدْ أُوْتِيَ خَزَائِنُ الْأَرْضِ وَمَفَاتِيْحُ الْبِلَادِ وَأُحِلَّتْ لَهُ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تُحَلَّ لِنَبِيٍّ قَبْلَهٗ وَفُتِحَ عَلَيْهِ فِيْ حَيَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَادُ الْحِجَازِ وَالْيَمَنِ وَجَمِيْعُ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَمَا دَانَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ وَجُلِبَتْ إِلَيْهِ مِنْ أَخْمَاسِهَا وَجِزْيَتِهَا وَصَدَقَاتِهَا وَهَادَتْهُ جَمَاعَةٌ مِّنْ مُّلُوْكِ الْأَقَالِيْمِ. (شفا، جلد اول، ص:55)

ترجمہ: آپ کو زمین کے خزانے اور شہروں کی چابیاں دی گئی ہیں اور آپ کے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں، حالاں کہ آپ سے پہلے کسی نبی کے لیے حلال نہیں کی گئیں اور آپ پر آپ کی زندگی ہی میں حجاز اور یمن کے شہر اور تمام جزیرۂ عرب جو شام و عراق سے قریب تھا، مفتوح ہوئے اور آپ کی طرف ان کے خمس اور جزیے اور صدقات لائے جاتے کہ اتنے دوسرے

بادشاہوں کو نہیں دیے جاتے، مگر اس کا کچھ حصہ اور ولایتوں کے بادشاہوں کی ایک جماعت آپ کو ہدیے بھیجتے۔

صاحب نظر! انصاف سے دیکھو کہ جس ذات مقدس کے قبضے میں اتنی دولت اور خزانے ہوں، کیا ان کو اِن خزانوں کا مالک نہ کہا جائے گا؟

چنانچہ ثابت ہوا کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شمار خزانوں کے مالک ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆

چھبیسواں وعظ: 2

حضور باذنِ اللہ مختار ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(5) وَمَا نَقَمُوْا اِلَّا اَنْ اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ۔ (سورۂ توبہ: 59)

یعنی ان کو نہیں برا لگا مگر یہ کہ ان کو غنی کر دیا اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے۔

حضرات! یہ آیت مبارکہ صاف بتا رہی ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو غنی اور مالدار فرماتے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ دوسروں کو وہی ذات مقدس غنی کر سکتی ہے جو خود مالک و مختار ہو گی۔ ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک و مختار ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(6) وَلَوْ اَنَّھُمْ رَضُوْا مَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَرَسُوْلُہٗ اِنَّا اِلَی اللّٰہِ رَاغِبُوْنَ۔ (سورۂ توبہ، آیت: 59)

ترجمہ: اگر وہ لوگ راضی ہوتے اس پر جو ان کو اللہ و رسول نے دیا ہے اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے، اب ہمیں اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے دے گا۔ بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے اور دیں گے، اور واضح رہے کہ دیتا وہی ہے جس کے پاس کچھ ہو اور جس کے پاس کچھ ہوگا، ضرور وہ اس کا مالک و مختار ہوگا۔ معلوم ہوا کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم مالک و مختار ہیں اور نیاز مندوں کو دیتے ہیں۔

حضور شفاعت کے مالک ہیں

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

(7) لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۔ (سورۂ مریم:87)

ترجمہ: شفاعت کے مالک نہیں، مگر وہ جنھوں نے رحمن کے ساتھ عہد و پیمان کر رکھا ہے۔

(8) وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔ (سورۂ زخرف، آیت:86)

ترجمہ: مشرکین جنھیں اللہ کے سوا پوجتے ہیں، ان میں شفاعت کے مالک صرف وہی ہیں جنھوں نے حق کی گواہی دی اور علم رکھتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں سے اللہ رب العالمین نے اپنے محبوبوں کو شفاعت کا مالک بتایا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ رب العزت جل وعلا کا محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لہٰذا آپ شفاعت کے مالک ہیں۔ منکرین صاحبان بتائیں کہ کیا تمہاری بات جھوٹی نہ ثابت ہوئی کہ کہتے ہو کہ جس کا نام محمد اور علی ہے وہ کسی شئے کا مالک و مختار نہیں، مگر یہاں اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کو شفاعت کا مالک فرما رہا ہے۔

قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۔ (آل عمران، آیت:119)

یعنی تم اپنے غصے کے سبب مرجاؤ، تمہارے دلوں کی بات اللہ خوب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (9) اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ ۔ (سورۂ نمل، آیت:23)

ترجمہ: ہدہد نے کہا کہ میں نے ایک خاتون کو پایا جو اُن کی مالک ہے۔

جب بلقیس لوگوں کی مالک ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بطریق اعلیٰ مالک ہوئے۔

آسمانی کتاب زبور مقدس کا ارشاد ہے کہ حبیب خدا ساری زمین کے مالک ہیں:

يَا اَحْمَدُ فَاضَتِ الرَّحْمَةُ عَلٰى شَفَتَيْكَ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ اُبَارِكُ عَلَيْكَ فَتَقَلَّدِ السَّيْفَ فَاِنَّ بَهَاءَكَ وَحَمْدَكَ الْغَالِبُ (الی قوله) اَلْاُمَمُ يَخِرُّوْنَ تَحْتَكَ كِتَابٌ حَقٌّ جَاءَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْيَمَنِ وَالتَّقْدِيْسِ مِنْ جَبَلِ فَارَانَ وَامْتَلَأَتِ الْاَرْضُ مِنْ تَحْمِيْدِ اَحْمَدَ وَتَقْدِيْسِهٖ وَمَلَكَ الْاَرْضَ وَرِقَابَ الْاُمَمِ ۔ (تحفہ اثنا عشریہ، ص:266، مدارج، حصہ اول، ص:130)

ترجمہ: اے احمد! رحمت نے جوش مارا تیرے لبوں پر اس لیے تجھے میں برکت دیتا ہوں تو اپنی تلوار حمائل کر کہ تیری چمک اور تیری تعریف غالب ہے اور سب اُمتیں تیرے قدموں میں

گریں گی۔ کتاب سچی ہے، جو اللہ لایا ہے برکت و پاکی کے ساتھ فاران پہاڑ سے۔ زمین احمد کی حمد اور اس کی پاکی سے بھر گئی اور وہ ساری زمین اور ساری امتوں کی گردنوں کا مالک ہوا۔

آسمانی کتاب زبور مقدس کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اللہ رب العالمین کا پیارا متوالا اپنے رب کی عطا سے ساری زمین کے مالک ہیں، مگر منکرین؛ حضور کی ملکیت ایک شئ پر بھی ماننا شرک بتاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے شر سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

مالک دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ہمراہ یہود مدینہ کے پاس تشریف لے گئے اور یہ فرمایا:

يَا مَعْشَرَ يَهُوْدَ اَسْلِمُوْا تَسْلَمُوْا اِعْلَمُوْا اَنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَاَنِّيْ اِنْ اُجْلِيَكُمْ مِنْ هٰذِهِ الْاَرْضِ فَمَنْ وَجَدَ مِنْكُمْ بِمَالِهٖ شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ ۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ ص:355)

ترجمہ: اے طائفۂ یہود! اسلام لاؤ، سلامت رہو گے۔ جان لو کہ زمین کے مالک اللہ اور اس کے رسول ہیں اور میں تم کو اس زمین سے جلاوطن کرتا ہوں، جو شخص تم سے اپنے مال سے کوئی پائے، تو وہ اس کو بیچ ڈالے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کے مالک ہیں۔

دنیا پر حضور کا قبضہ ہے

خطیب بغدادی نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

لَمَّا وَضَعْتُهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ رَاَيْتُ سَحَابَةً عَظِيْمَةً لَهَا نُوْرٌ اَسْمَعُ فِيْهَا صَهِيْلَ الْخَيْلِ وَخَفَقَانَ الْاَجْنِحَةِ وَكَلَامَ الرِّجَالِ حَتّٰى غَشِيَتْهُ وَغُيِّبَ عَنِّيْ فَسَمِعْتُ مُنَادِيًا يُّنَادِيْ طُوْفُوْا بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَمِيْعِ الْاَرْضِ (الی قوله) ثُمَّ انْجَلَتْ عَنْهُ فَاِذَا بِهٖ قَدْ قَبَضَ عَلٰى حَرِيْرَةٍ خَضْرَاءَ مَطْوِيَّةٍ طَيًّا شَدِيْدًا يَنْبَعُ مِنْهَا مَاءٌ وَاِذَا قَائِلٌ بَخٍ بَخٍ قَبَضَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الدُّنْيَا كُلِّهَا لَمْ يَبْقَ خَلْقٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِلَّا دَخَلَ فِيْ قَبْضَتِهٖ ۔ (مواہب لدنیہ بحوالہ انوار محمدیہ، ص:24-23)

ترجمہ: جب میں نے حضور کو جنا تو میں نے ایک بڑا نورانی بادل کو دیکھا۔ میں اس میں گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور پروں کی حرکت اور لوگوں کا کلام سنا، یہاں تک کہ آپ کو اس نے ڈھانک دیا اور وہ

غائب ہو گئے۔ پھر میں نے ایک منادی کو یہ آواز دیتے ہوئے سنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام زمین میں پھراؤ، پھر وہ پردہ آپ سے ہٹ گیا، دیکھا کہ ایک سبز ریشم کا لپٹا ہوا کپڑا آپ کی مٹھی میں ہے، جس سے پانی گر رہا ہے اور کوئی منادی پکار رہا ہے: واہ واہ! محمد (ﷺ) نے ساری دنیا پر قبضہ کر لیا ہے اور ایسی کوئی مخلوق باقی نہیں جو ان کے قبضے میں داخل نہ ہوئی۔

ثابت ہوا کہ ساری دنیا اور اس کی مخلوق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹھی اور قبضے میں ہے اور آپ اس کے مالک و مختار ہیں۔

سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں زمین کی کنجیاں دی گئیں، عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مالک کونین صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز باہر تشریف لائے:

فَصَلّٰی عَلٰی اَھْلِ اُحُدٍ صَلَاتَہٗ عَلَی الْمَیِّتِ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ اِنِّیْ فَرَطُکُمْ وَ اَنَا شَھِیْدٌ عَلَیْکُمْ وَ اِنِّیْ وَاللّٰہِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِی الْاٰنَ وَ اِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ وَ اِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَخَافُ مِنْ بَعْدِیْ اَنْ تُشْرِکُوْا وَلٰکِنْ اَخَافُ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْھَا۔

(بخاری، ص:508-585، مسلم، ص:250)

ترجمہ: آپ نے شہدائے احد کے لیے دعائیں کیں جیسا کہ میت کے لیے دعائیں کی جاتی ہیں، پھر منبر کی طرف پلٹے اور فرمایا میں تمہارا پیش رو ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں۔ اللہ کی قسم! اب میں دیکھ رہا ہوں اپنے حوض کی طرف اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا کی گئیں۔ اللہ کی قسم! میں خوف نہیں کرتا کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے، لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ تم دنیا کی طرف راغب ہو جاؤ گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا نَائِمٌ رَاَیْتَنِیْ اُوْتِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدِیْ۔

(بخاری، ص:1038، مسلم، ص:244، مشکوۃ، ص:512)

ترجمہ: میں سو رہا تھا کہ میں نے اپنے آپ دیکھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔

حضرات! یہ نصوص ظاہرہ ہیں اور وہ بھی بخاری و مسلم کی کہ اللہ کا پیارا محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم زمین کے خزانوں کے مالک ہیں۔ منکرین یوں تو زبانی دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ ہم بخاری و مسلم کو خوب مانتے ہیں، مگر شان رسالت کی صحاح حدیثوں پر ان کے کان بہرے اور زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں اور دریدہ دہن ہو کر یوں منہ کھولتے ہیں کہ جس کا نام محمد یا علی ہے، وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں ہے: وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔

حضور چاندی، سونے کے مالک ہیں

حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَھَا وَ مَغَارِبَھَا وَ اِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْھَا وَ اُعْطِیْتُ الْکَنْزَیْنِ الْاَحْمَرَ وَ الْاَبْیَضَ۔ (مسلم، مشکوۃ، ص:512)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ساری زمین لپیٹ دی، میں اس کے تمام مشرقوں اور مغربوں کو ملاحظہ فرمایا اور عنقریب میری امت میں اس کی سلطنت پہنچے گی جہاں تک زمین میرے لیے سمیٹ دی گئی اور مجھے سونے چاندی کے دو خزانے عطا فرمائے گئے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت جل وعلا کا نائب اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے اور چاندی کے خزانوں کے مالک ہیں۔ نیز حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مالک کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یَا عَائِشَۃُ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِیَ جِبَالُ الذَّھَبِ۔ (شرح السنہ، مشکوۃ، ص:521)

ترجمہ: اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں۔

ثابت ہوا کہ حضور مالک دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم ہر شئے کے مالک ہیں، مگر ظاہر کرنا منظور نہیں۔

☆☆☆

ستائیسواں وعظ:3

حضور باذنِ اللہ مالک ہیں

حبیب کبریا باذن اللہ کونین کے مالک ومختار ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خزانۂ الٰہی کے قاسم ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ وَاِنَّمَآ اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ یُعْطِیْ۔ (بخاری، ج، اول، ص:14، مشکوٰۃ، ص:32)

ترجمہ: جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے اور بے شک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ جو چیز رب عطا کرتا ہے، جس کو بھی دیتا ہے وہ جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس سے عطا فرماتا ہے، دست مصطفی اس چیز کے تقسیم کرنے والے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کوئی چیز، کوئی نعمت اور خزانہ وامارت وسلطنت بغیر دست مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو نہیں ملتی، کیوں کہ قاعدہ ہے کہ بادشاہ اپنا خزانہ اپنے نائب کے ہاتھ سے لٹاتا ہے اور بادشاہ حقیقی کا نائب اعظم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لہٰذا ہر نعمت دست حبیب پاک سے ملے گی، جو ہر شئے تقسیم کرتا ہے، وہ اس چیز کا مالک کہلاتا ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ ہمارے آقا مالک ومختار ہیں۔

حضور جان ومال کے مالک ہیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں فرمایا:

مَا نَفَعَنِیْ مَالٌ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ فَبَکٰی اَبُوْ بَکْرٍ وَقَالَ هَلْ اَنَا وَمَالِیْ اِلَّا لَکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (الخلفا، ص:36، الصواعق المحرقۃ، ص:72)

ترجمہ: مجھے کسی کے مال نے کبھی اتنا نفع نہیں دیا جتنا کہ ابوبکر کے مال نے مجھے نفع دیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رو پڑے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میری جان ومال کا مالک آپ کے سوا کون ہے؟

ثابت ہوا کہ سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جان ومال کے مالک ہیں، نیز ایک روایت میں ہے کہ جب جنگ حنین میں بنی ہوازن کے بچے اور خواتین قید ہوئیں اور سرکار نے ان کے اموال، بچے اور خواتین مجاہدین پر تقسیم فرمادیے۔ اب بنی ہوازن کے سردار وفد بن کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنے اہل وعیال واموال مانگے، ان کے ایک شاعر نے کچھ اشعار پڑھے، تب سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا کَانَ لِیْ وَلِبَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَکُمْ۔ یعنی جو کچھ میرے اور بنی عبد المطلب کے حصے میں آیا ہے وہ میں نے تمھیں بخش دیا۔ اسی طرح مہاجرین وانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا: مَا کَانَ لَنَا فَهُوَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ یعنی جو کچھ ہمارا ہے، وہ سب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

(سیرت حلبی، جلد سوم، ص:145)

سبحان اللہ! صحابہ عظام رضی اللہ عنہم اجمعین کا کیسا عمدہ عقیدہ تھا کہ ان کے نزدیک ان کے جان ومال کے مالک رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ایک روایت ایمان افروز سنیے:

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ نے مقسم سے اور اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ انصار نے فخریہ طور پر کہا کہ ہم نے اسلام کی ایسی ایسی خدمت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ہم کو تم پر فضیلت حاصل ہے۔ یہ بات سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچی، آپ انصار کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے انصار کے گروہ! کیا تم ذلیل نہیں تھے؟ تو اللہ تعالیٰ نے میرے واسطے سے تم کو عزت عطا فرمائی۔ انصار نے عرض کیا: ہاں، یارسول اللہ! پھر فرمایا: کیا تم گمراہ نہیں تھے؟ تو اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم کو ہدایت عطا فرمائی۔ انھوں نے عرض کیا: ہاں، یارسول اللہ! انصار نے کہا: ہم کیا عرض کریں؟ اس پر آپ نے فرمایا: تم یوں کہو کہ آپ کو آپ کی قوم نے نکال دیا، ہم نے آپ کو جگہ دی، انھوں نے آپ کی تکذیب کی، ہم نے آپ کی تصدیق کی، انھوں نے آپ کو چھوڑ دیا، ہم نے آپ کی مدد کی۔ آپ یہ فرماتے رہے اور انصار

کرام گھٹنوں کے بل گر پڑے اور عرض کرنے لگے: اَمْوَالُنَا وَمَا فِیْ اَیْدِیْنَا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔
یعنی ہمارے مال اور جو کچھ ہمارے ہاتھوں میں ہے، سب اللہ اور رسول کا ہے۔
(تفسیر ابن کثیر، جلد چہارم، ص:112، درمنثور، علامہ سیوطی ج،4 ص:6)

ثابت ہوا کہ حضرات انصار کرام کا عقیدہ یہی تھا کہ ان کے مالوں کے مالک اللہ اور اس کے رسول پاک ہیں، اسی لیے امام اجل عارف باللہ حضرت سہل بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مَنْ لَّمْ یَرَ وِلَایَۃَ الرَّسُوْلِ عَلَیْہِ فِیْ جَمِیْعِ اَحْوَالِہٖ وَیَرَ نَفْسَہٗ فِیْ مِلْکِہٖ لَا یَذُوْقُ حَلَاوَۃَ سُنَّتِہٖ۔ (شفا، دوم، ص:15، مواحب بحوالہ انوار محمدیہ، ص:417)

ترجمہ: جو ہر حال میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا والی اور اپنے کو حضور کی ملک نہ جانے وہ سنت نبوی کی لذت نہ چکھ سکے گا۔

حضور کی حکومت شمس پر ہے

طبرانی نے معجم اوسط میں جید اسناد سے روایت کیا ہے:
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ الشَّمْسَ فَتَاَخَّرَتْ سَاعَۃً مِّنْ نَّھَارٍ۔
(مواحب لدنیہ بحوالہ انوار محمدیہ، ص:272)

ترجمہ: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو حکم دیا کہ ٹھہر جائے، تو وہ دن کی ایک ساعت تک ٹھہر گیا۔

حضرات! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کبریٰ ایسی ہے کہ آسمان اور زمینوں میں ان کا حکم جاری ہے۔ تمام مخلوق الٰہی ان کی مطیع وفرماں بردار ہے۔ جو کچھ اللہ کا ہے سب ان کا ہے، وہ خلیفہ اعظم ہیں۔

حضور کے اشارے پر چاند کا گھومنا

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا کیا کہنا کہ جب دودھ پیتے تھے، تو گہوارے میں چاند آپ کی غلامی کرتا تھا، جدھر اشارہ فرماتے تھے، چاند ادھر جھک جاتا۔ بیہقی میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کی بارگاہ میں عرض کیا: میرے اسلام لانے کا سبب آپ کا معجزہ ہوا:

رَاَیْتُکَ فِی الْمَھْدِ تُنَاجِی الْقَمَرَ وَ تُشِیْرُ بِاِصْبَعِکَ فَحَیْثُ اَشَرْتَ اِلَیْہِ مَالَ، قَالَ: اِنِّیْ کُنْتُ اُحَدِّثُہٗ وَیُحَدِّثُنِیْ وَیُلْھِیْنِیْ عَنِ الْبُکَاءِ وَاَسْمَعُ وَجْبَتَہٗ حِیْنَ یَسْجُدُ تَحْتَ الْعَرْشِ۔
(انوار محمدیہ، ص:20، سیرت حلبی ج،1: ص:93)

ترجمہ: میں نے حضور کو دیکھا کہ گہوارے میں چاند سے باتیں فرماتے اور جس طرف انگشت مبارک سے اشارہ کرتے چاند ادھر جھک جاتا، آپ نے فرمایا کہ میں اس سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور میں اس کے گرنے کا دھماکہ سنتا تھا جب وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا تھا۔

مائکہ کا جھولا جھلانا

حضرات! شہنشاہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کی وہ شان وشوکت ہے کہ بچپن میں آپ کو فرشتے گہوارے میں جھولا جھلایا کرتے تھے۔ حضرت ابن سبع فرماتے ہیں:
اِنَّ مَھْدَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَتَحَرَّکُ بِتَحْرِیْکِ الْمَلَائِکَۃِ ذَکَرَہُ ابْنُ سَبْعٍ فِی الْخَصَائِصِ۔
(انوار محمدیہ، ص:309، مدارج، ج:1 ص:144)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گہوارہ فرشتوں کے ہلانے سے حرکت کرتا تھا، اس کو ابن سبع نے خصائص میں لکھا۔

حضور کی حکومت درختوں پر

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک اعرابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت کی نشانی طلب کی تو آپ نے فرمایا:
قُلْ لِتِلْکَ الشَّجَرَۃِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدْعُوْکَ قَالَ فَمَالَتِ الشَّجَرَۃُ عَنْ یَمِیْنِھَا وَ شِمَالِھَا وَ بَیْنَ یَدَیْھَا وَ خَلْفَھَا فَتَقَطَّعَتْ عُرُوْقُھَا ثُمَّ جَاءَتْ تَخُدُّ الْاَرْضَ تَجُرُّ عُرُوْقَھَا مُغْبَرَّۃً حَتّٰی وَقَفَتْ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتِ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، قَالَ الْاَعْرَابِیُّ مُرْھَا فَلْتَرْجِعْ اِلٰی مَنْبَتِھَا فَرَجَعَتْ۔
(شفا، ج:1، ص:196، مدارج: اول، ص:233)

ترجمہ: اس درخت سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے بلاتے ہیں۔ راوی نے کہا کہ یہ سن کر درخت اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے حرکت کیا، اس کی جڑیں جدا ہوئیں، پھر وہ زمین کو چیرتا اور اپنی ٹہنیوں کو کھینچتا غبار آلود حالت میں آیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا اور السلام علیك یا رسول اللہ! کہا۔ اعرابی نے کہا: اسے حکم دیں کہ اپنی جگہ پر چلا جائے، چنانچہ وہ لوٹ گیا۔

ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت درختوں پر بھی ہے۔

حضور کی حکومت پہاڑوں پر بھی ہے

خلیفۃ المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلٰى ثُبَيْرِ مَكَّةَ وَ مَعَهٗ أَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ أَنَا فَتَحَرَّكَ الْجَبَلُ حَتّٰى تُسَاقَطَتْ حِجَارَةٌ بِالْحَضِيْضِ فَرَكَضَهٗ بِرِجْلِهٖ قَالَ اسْكُنْ ثُبَيْرُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَ صِدِّيْقٌ وَ شَهِيْدَانِ ۔ (ترمذی، نسائی، دارمی، مشکوٰۃ، ص: 561-562)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ثبیر پہاڑ پر تھے اور آپ کے ہمراہ ابوبکر، عمر اور میں (عثمان) تھا۔ پہاڑ حرکت میں آیا، یہاں تک کہ ایک پتھر زمین پر گرا۔ حضور نے اس کو لات ماری اور فرمایا: اے ثبیر! ٹھہر جا، تجھ پر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔

الحاصل مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہوا کہ آفتاب و ماہتاب، جن و بشر، فرشتے، نباتات اور جمادات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر فرمان ہیں اور یہ کیوں نہ ہوں کہ آپ خود فرماتے ہیں: اُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً ۔ (صحیح مسلم)

یعنی میں تمام مخلوق الٰہی کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

نیز خدائے قدوس جل وعلا فرماتا ہے: تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۔ ترجمہ: وہ برکت والا ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا، تاکہ وہ تمام اہل عالم کو ڈر سنانے والا ہوں۔

اور ملائکہ، آفتاب و ماہتاب، نباتات و جمادات وغیرہ عالم میں داخل، تو ثابت ہوا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت ان پر بھی ضروری ہے۔

اٹھائیسواں وعظ: 4

دست مبارک میں جنت کی کنجیاں ہیں

(1) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا إِذَا بُعِثُوْا وَ أَنَا قَائِدُهُمْ إِذَا وَفَدُوْا وَ أَنَا خَطِيْبُهُمْ إِذَا أَنْصَتُوْا وَ أَنَا مُسْتَشْفِعُهُمْ إِذَا حُبِسُوْا وَ أَنَا مُبَشِّرُهُمْ إِذَا يَئِسُوْا، اَلْكَرَامَةُ وَالْمَفَاتِيْحُ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ أَنَا أَكْرَمُ وُلْدِ اٰدَمَ عَلٰى رَبِّيْ يَطُوْفُ عَلَيَّ أَلْفُ خَادِمٍ كَأَنَّهُمْ بَيْضٌ مَكْنُوْنٌ ۔

(ترمذی و دارمی، مشکوٰۃ، ص: 514)

ترجمہ: میں سب سے پہلے نکلوں گا جب لوگ قبر سے اٹھائے جائیں گے، میں ان کا قائد ہوں گا، جب وہ روانہ ہوں گے۔ میں ان کی طرف سے کلام کرنے والا ہوں گا جب وہ خاموش ہوں گے اور میں ان کا سفارشی ہوں گا جب وہ قید کر دیے جائیں گے اور میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا جب وہ ناامید ہو چکے ہوں گے۔ عزتِ دنیا اور جنت کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ میں اللہ کے نزدیک تمام اولاد آدم سے زیادہ عزت والا ہوں گا اور مجھ پر ہزار خادم طواف کریں گے، گویا وہ پوشیدہ انڈے ہیں۔

سبحان اللہ! کیا شان و شوکت ہے اس کریم رؤف و رحیم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی؟ عزت دنیا اس روز ان کے ہاتھوں میں ہوگی اور جنت کی کنجیاں ان کے دست اقدس میں ہوں گی، آپ کی اسی شان و شوکت کا اظہار حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس الفاظ میں فرماتے ہیں: دراں روز ظاہر گردد کہ وی صلی اللہ علیہ وسلم نائب مالک یوم الدین است روز روز اوست و حکم حکم او بحکم رب العالمین۔ (مدارج، جلد اول، ص: 318)

یعنی قیامت میں یہ ظاہر ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مالک یوم حساب کے نائب ہیں، یوم

قیامت آپ ہی کی عظمت کے ظہور کے لیے ہے اور آپ کا حکم گویا اللہ رب العلمین کا حکم ہے۔

مفاتیح سے مراد کیا ہے

اس مبارک حدیث میں جو فرمایا گیا ہے: اَلْمَفَاتِیْحُ یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ۔ اس روز کنجیاں میرے دست اقدس میں ہوں گی، ان کنجیوں سے مراد جنت کی کنجیاں ہیں، جیسا کہ بیہقی نے بھی اس حدیث کو ان الفاظ میں بیان کیا: وَمَفَاتِیْحُ الْجَنَّةِ بِیَدِیْ۔

(مواہب لدنیہ بحوالہ انوار محمدیہ، ص:626)

یعنی جنت کی کنجیاں اس دن میرے دست اقدس میں ہوں گی۔

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بالا کے ان الفاظ اَلْکَرَامَةُ وَالْمَفَاتِیْحُ یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ۔ کی یوں تشریح فرمائی ہے کہ ”بزرگی دادن وکلید ہائے بہشت وابواب رحمت آں روز بدست من است۔“ (اشعۃ اللمعات، جلد رابع، ص:477)

یعنی قیامت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز حاصل ہوگا کہ جنت کی کنجیاں، رحمت کے دروازے آپ کے اختیار میں ہوں گے۔

(2) شیخ محقق حضرت مولانا عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج میں لکھتے ہیں:

مخصوص گرداند اورا پروردگاروی جل وعلا درآں روز چناں کہ آمدہ است کہ ایستادہ می کند اورا پروردگاروی یمین عرش ودرروایتے برکرسی وے سپاردبوے کلیدی جنت ومی دہد بدست وے لوائے حمد وشفاعت یکے ازیں کمالات ست کہ میرسد دروے نفع عظیم خلائق را۔ (مدارج، جلد اول، ص:325)

ترجمہ: ان کو پروردگار جل وعلا ان کے لیے اس دن کو خاص کرے گا۔ جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ ان کو ان کا پروردگار عرش کے دائیں طرف کھڑا فرمائے گا اور ایک روایت میں عرش پر اور ایک روایت میں کرسی پر، اور ان کو جنت کی کنجیاں سپرد کرے گا اور ان کے ہاتھ میں لوائے حمد اور سفارش دے گا۔ ان کمالات میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں نفع بڑا مخلوق کو پہنچے گا۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ جنت کی کنجیاں ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے دست اقدس میں ہوں گی، اور قاعدہ ہے کہ کنجی مالک کے ہی ہاتھ میں ہوتی ہے، لہٰذا حبیب کبریا بعطائے الٰہی جنت کے مالک ہیں۔

قیامت میں جنت کی کنجیاں حضرت ابوبکر کو دی جائیں گی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روضۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ آپ آگے ہوں اور روضۂ اقدس کا دروازہ کھولیں۔ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا: اے علی! آپ آگے ہوں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ میں ایسے شخص سے آگے کس طرح ہوسکتا ہوں، جس کے حق میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات فرمائے ہوں: اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ یَجِیْءُ رِضْوَانُ خَازِنِ الْجِنَانِ بِمَفَاتِیْحِ الْجَنَّةِ وَمَفَاتِیْحِ النَّارِ وَیَقُوْلُ یَا اَبَابَکْرٍ الرَّبُّ جَلَّ جَلَالُهٗ یُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَیَقُوْلُ لَكَ هٰذِهٖ مَفَاتِیْحُ الْجَنَّةِ وَمَفَاتِیْحُ النَّارِ اِبْعَثْ مَنْ شِئْتَ اِلَی الْجَنَّةِ وَابْعَثْ مَنْ شِئْتَ اِلَی النَّارِ۔ (نور الابصار، ص:9)

ترجمہ: جب قیامت کا دن ہوگا، رضواں جنت و دوزخ کی کنجیاں لے آئے گا اور کہے گا کہ اے ابوبکر! پروردگار جل جلالہ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ جنت اور دوزخ کی کنجیاں ہیں، جس کو چاہو جنت میں داخل کرو اور جس کو چاہو دوزخ میں بھیج دو۔

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے حبیب کے ایک خلیفہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ عظمت حاصل ہے، جن کے مبارک ہاتھوں میں جنت اور دوزخ کی کنجیاں دی جارہی ہیں۔ بھلا یہ تو حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خلیفہ ہیں، جن کو یہ عظمت حاصل ہے، تو اس ذات مقدسہ کا کیا کہنا جو رب العالمین کے خلیفۂ اعظم ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ وہ ذات مقدسہ اللہ تعالیٰ کے جملہ خزانوں کے مالک ہیں، جنت تو آپ کی سلطنت کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔

حضور نے ربیعہ کو جنت عطا فرمادی

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَيْتُهٗ بِوَضُوْئِهٖ وَ حَاجَتِهٖ فَقَالَ:لِيْ سَلْ. فَقُلْتُ: اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ قُلْتُ هُوَ اذٰلِكَ قَالَ: فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ. (مسلم، مشکوٰۃ، ص:84)

ترجمہ: میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات کو حاضر رہتا۔ ایک رات میں حضور کے لیے وضو کا پانی اور آپ کی ضروریات کا سامان حاضر کیا۔ آپ نے جوش رحمت میں آکر فرمایا: مانگ کیا مانگنا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں اپنی رفاقت عطا فرمائیں۔ فرمایا: کچھ اور؟ میں نے عرض کیا: میری مراد صرف یہی ہے۔ فرمایا: میری اعانت کروا اپنے نفس پر کثرت سجود سے۔

حضرات! یہ جلیل ونفیس حدیث صحیح کا ہر ایک جملہ منکرین کے لیے تازیانہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلقاً بلا قید اور بلا تخصیص ارادہ فرمانا: سل ۰ مانگ، کیا مانگتا ہے؟ اس جملے نے منکرین کو بالکل ہی ذبح کر ڈالا۔ اس سے خوب روشن ہو رہا ہے کہ ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں اور دنیا وآخرت کی سب اشیا حضور کے اختیار میں ہیں، اسی لیے تو آپ نے فرمایا: مانگ، کیا مانگتا ہے؟ یعنی جو دل میں آتا ہے، مانگ لے، کیوں کہ ہمارے دربار میں ہر نعمت موجود ہے: ؎

اگر خیریت دنیا وعقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہر چہ میخواہی تمنا کن

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ رحمۃ الباری اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

از اطلاع سوال کہ فرمود سل بخواہ تخصیص نہ کرد، بمطلوبے خاص معلوم میشود کہ کار ہمہ بدست وکرامت اوست صلی اللہ علیہ وسلم ہر چہ خواہد وہر کہ را خواہد باذن پروردگار خود دہد۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا
وَ مِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

(اشعۃ اللمعات، ج:1، ص:396)

یہ شعر قصیدہ بردہ کا ہے، جس میں سیدی امام محمد بوصیری رحمۃ اللہ علیہ دربار رسالت میں

عرض کرتے ہیں: یا حبیب اللہ! دنیا اور آخرت دونوں حضور کے دسترخوانِ جودوکرم کا ایک حصہ ہیں اور لوح وقلم کے تمام علوم جن میں ما کان وما یکون بھی ہے، حضور کے علوم کا ایک قطرہ ہیں۔

اتنی وضاحت کے باوجود بھی منکرین اپنے منہ سے یہی زہر اُگلتے ہیں کہ جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ (العیاذ باللہ)

ان پڑھ منکرین تو مطلقاً کسی غیر اللہ سے مانگنے کو شرکت کہہ دیتے ہیں، مگر کچھ پڑھے ہوئے منکرین کچھ قید کا اضافہ کرتے ہیں کہ غیر اللہ سے مافوق الاسباب شئے کا مانگنا ناجائز اور شرک ہے، مگر اس حدیث صحیح نے دونوں قسم کے منکروں کے مذہب پر پانی پھیر دیا، کیوں کہ جنت مافوق الاسباب ہے، مگر صحابی رسول حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اللہ تعالیٰ سے نہیں بلکہ خود حضور اقدس سے جنت مانگ رہے ہیں، جیسا کہ وہ عرض کرتے ہیں:

اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ۔ یارسول اللہ! میں جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔

منکروں کے یہاں تو یہ ایک صریح شرک ہے، مگر ایک صحابی رسول سوال کر رہا ہے اور خود سرور کائنات مالک جنت صلی اللہ علیہ وسلم اسے قبول فرما رہے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیا سے کوئی شئے مانگنی، خواہ تحت اسباب ہو، یا مافوق الاسباب، شرک نہیں، بلکہ سنت صحابہ ہے۔

☆☆☆

انتیسواں وعظ

حضور باذن اللہ کونین کے مالک ہیں

حضور جنت کے ضامن ہیں

(1) حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنۡ یَّکۡفُلُ لِیۡ أَنۡ لَّا یَسۡئَلَ النَّاسَ شَیۡئًا فَاَتَکَفَّلُ لَهٗ بِالۡجَنَّةِ. فَقَالَ: ثَوۡبَانُ اَنَا وَکَانَ لَا یَسۡئَلُ اَحَدًا شَیۡئًا۔ (نسائی ومشکوٰۃ، ص:163)

ترجمہ: جو شخص میرے لیے ضامن ہو کہ وہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرے گا، میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں۔ اور حضرت ثوبان کسی سے کچھ سوال نہیں کرتے تھے۔

(2) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنۡ یَّضۡمَنۡ لِیۡ مَا بَیۡنَ لَحۡیَیۡهِ وَمَا بَیۡنَ رِجۡلَیۡهِ اَضۡمَنۡ لَّهُ الۡجَنَّةَ۔

(بخاری، مشکوٰۃ، ص:411)

یعنی جو میرے لیے اپنی زبان اور شرمگاہ کا ضامن ہو جائے، تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔

حضرات! ان حدیثوں کو پڑھو اور غور کرو، تو واضح ہو جائے گا کہ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم بتملیکِ الٰہی جنت کے مالک ومختار ہیں، ورنہ جنت کا ضامن ہونا اور ذمہ لینے کا کیا مطلب ہے؟

حضور نے جنت عثمان کے ہاتھ بیچ دی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اِشۡتَرٰی عُثۡمَانُ بۡنُ عَفَّانَ مِنۡ رَسُوۡلِ

اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ الۡجَنَّةَ مَرَّتَیۡنِ، یَوۡمَ رُوۡمَةَ وَیَوۡمَ جَیۡشِ الۡعُسۡرَةِ.

(تاریخ الخلفاء، ص:118، صواعق محرقہ، ص:108)

ترجمہ: عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت خریدلی۔ ایک بیررومہ کے دن اور دوسرے لشکر کی تنگ دستی کے دن۔

حضرات! ہر دانشور جانتا ہے کہ بیع وہی کرے گا جو خود مالک ہو، یا مالک کی طرف سے ماذون ومختار ہو، ورنہ وہ فضولی ہوگا اور اس کی بیع بیکار ثابت ہوگی۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ جنت بیچ دی، تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ کو اذن الٰہی حاصل ہے، لہٰذا آپ یہ حق رکھتے ہیں کہ جس کو چاہیں جنت عطا فرمادیں۔

منکروں کی عقلوں پر افسوس

جب ہم یہ پیاری ایمان افروز حدیثیں پڑھتے ہیں تو منکروں کی عقلوں پر بڑا افسوس آتا ہے کہ وہ اپنے آقا مالک جنت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان مبارک حدیثوں پر ایمان نہیں لاتے اور مولوی اسمٰعیل کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' پر ایمان لے آتے ہیں، جس نے اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کے متعلق لکھا ہے کہ ان کو کسی نوع کی قدرت نہیں، کسی کام میں نہ بالفعل ان کو دخل ہے، نہ ان کی طاقت رکھتے ہیں۔ بلکہ اپنی جان تک کے نفع ونقصان کے مالک نہیں، تو دوسرے کے لیے کیا کرسکیں گے۔ اللہ کے یہاں کا معاملہ ان کے اختیار سے باہر ہے۔ وہاں کسی کی حمایت نہیں کرسکتے۔ کسی کے وکیل نہیں بن سکتے۔

بارگاہِ الٰہی میں دعا

آخر ہمارے پاس اور کوئی چارہ نہیں کہ بارگاہ الٰہی میں یہ دعا مانگی جائے: الٰہ العالمین! تو ہی ان لوگوں کو وہ عقل وفہم عطا فرما کہ وہ تیرے حبیب کی شان کو پہچان سکیں۔

حضور کا جنت تقسیم فرمانا

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: نُقِلَ عَنۡ کَعۡبِ الۡاَحۡبَارِ اَنَّهٗ قَالَ اِسۡمُ

النَّبِی صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَبْدُ الْکَرِیْمِ اِلٰی قَوْلِهٖ وَ کُنْیَتُهٗ اَبُوْ الْقَاسِمِ لِاَنَّهٗ یُقَسِّمُ الْجَنَّةَ بَیْنَ اَهْلِهَا کَذَا نُقِلَ عَنِ الْحُسَیْنِ بْنِ مُحَمَّدِ الدَّامغَانِیْ فِیْ کِتَابِ سُوْقِ الْعُرُوْسِ۔ (مدارج، ج:1، ص:317، مواہب لدنیہ بحوالہ انوار محمدیہ، ص:144)

ترجمہ: حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اہل جنت کے نزدیک عبد الکریم ہے اور کنیت ابو القاسم، کیوں کہ حضور اس کے حقداروں کے درمیان جنت تقسیم فرماتے ہیں۔ اسی طرح حسین بن محمد دامغانی سے سوق العروس میں نقل کیا گیا ہے۔

ہر صاحب عقل و دانش جانتا ہے کہ جنت وہی ذات مقدسہ تقسیم فرمائے گی جو جنت کی مالک ہو گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بتملیکِ الٰہی جنت کے مالک و مختار ہیں، اسی لیے شیخ محقق حضرت مولانا عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وی صلی اللہ علیہ وسلم محبوب الٰہی و سرور کائنات و مظہر فیوض نامتناہی اوست جل وعلا و خلیفہ رب العالمین و نائب مالک یوم الدین اوست و مقامے کہ او را باشد ہیچ یکے را نہ باشد و جاہے کہ او راست کسے را نہ بود روز اوست و حکم او بحکم رب العالمین۔ (مدارج، حصہ اول، ص:318)

یعنی آپ، اللہ کے محبوب، کائنات کے سردار، لامتناہی فیوض الٰہی کے مظہر، خلیفۃ اللہ اور مالک یوم حساب کے نائب ہیں۔ جو مرتبہ آپ کو ملا وہ کسی کو نہیں ملا اور عظمت آپ کو حاصل ہے وہ کسی کو حاصل نہیں ہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کا حکم گویا اللہ رب العالمین کا حکم ہے۔

امام سبکی کا عقیدہ

امام سبکی شفاء السقام میں فرماتے ہیں:

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَکُوْنُ فِی الْجَنَّةِ مِثْلَ الْوَزِیْرِ مِنَ الْمَلِكِ بِغَیْرِ تَمْثِیْلٍ لَا یَصِلُ اِلٰی اَحَدٍ شَیْئٌ اِلَّا بِوَسِیْلَتِهٖ۔ (شفاء السقام، ص:220)

یعنی بلا تشبیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے ہیں جیسے بادشاہ کا وزیر، کسی تک کوئی شی بغیر آپ کے واسطے کے نہیں پہنچے گی۔

ایک ایمان افروز حدیث

ایک اعرابی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حاجت پوچھی کہ تیری کیا حاجت ہے؟ اعرابی نے عرض کیا: سواری کے لیے ایک اونٹنی اور دودھ کے لیے ایک بکری۔ آپ نے فرمایا: تو تو بنی اسرائیل کی ضعیفہ سے بھی زیادہ عاجز ثابت ہوا۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بنی اسرائیل کی بوڑھیا کا کیا واقعہ ہے؟ فرمایا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر چلے، تو راستہ بھول گئے۔ بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو بنی اسرائیل کے علما نے عرض کیا: واقعہ یہ ہے کہ جب سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کا وقت آیا، تو ہم سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ وعدہ لیا کہ مصر سے جاتے وقت میرا تابوت ساتھ لے جانا۔ سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر جانتا ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ ایک ضعیفہ آپ کی قبر کو جانتی ہے۔ آپ نے اس ضعیفہ کو طلب فرما کر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کے متعلق پوچھا۔ مگر اُس نے کہا کہ ایک شرط پر بتاؤں گی۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: کون سی شرط؟ ضعیفہ نے عرض کیا: میری شرط یہ ہے کہ جنت میں، میں آپ کے ساتھ رہوں۔ یہ شرط آپ پر ناگوار گزری، لیکن حکم ہوا کہ ان کی شرط پوری کرو۔ آپ نے اس کی شرط تسلیم فرمالی۔ اس کے بعد اُس نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر بتادی۔ پھر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تابوت کو نکال کر اپنے ہمراہ لے گئے۔ (تفسیر کبیر، جلد ثالث، ص:236)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سرکارِ دو عالم مالک جنت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام کا منشا یہ تھا کہ اے اعرابی! تو نے مجھ سے جنت مانگی ہوتی، مگر تو نے ایک ادنیٰ شئے مانگی ہے۔

ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے بھی مالک ہیں۔

حضور اقدس دوزخ کے مالک ہیں

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِسْمِیْ فِی الْقُرْآنِ مُحَمَّدٌ وَ فِی الْاِنْجِیْلِ اَحْمَدُ وَ فِی التَّوْرَاتِ اَحْیَدُ وَ اِنَّمَا سُمِّیْتُ اَحْیَدُ لِاَنِّیْ اُحِیْدُ عَنْ اُمَّتِیْ نَارَ جَھَنَّمَ۔ (انوار محمدیہ، ص:143، نور الابصار، ص:30)

ترجمہ: میرا نام قرآن میں محمد اور انجیل میں احمد اور توریت میں احید ہے، میرا نام احید اس لیے رکھا گیا ہے کہ میں اپنی امت سے دوزخ کی آگ دفع کرتا ہوں۔

حضرات! دوزخ کی آگ وہی ذات مقدسہ دور فرما سکتی ہے، جس کو دوزخ پر اختیار وتصرف حاصل ہو۔ معلوم ہوا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا دوزخ پر بھی ملک واختیار ہے۔

حضرت علی کا اختیار

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ الکریم کے متعلق فرمایا: یَا عَلِیُّ اَنْتَ قَسِیْمُ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (دار قطنی، صواعق محرقہ، ص:124)

ترجمہ: اے علی! قیامت کے دن تم جنت ودوزخ کے تقسیم کرنے والے ہو۔

حضرت علی رضا سے بھی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: اَنْتَ قَسِیْمُ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ۔ (صواعق محرقہ، ص:124)

ترجمہ: تم جنت ودوزخ کے تقسیم کرنے والے ہو۔

قاضی عیاض ''شفا شریف'' میں فرماتے ہیں: قَدْ خَرَّجَ اَھْلُ الصَّحِیْحِ وَ الْاَئِمَّةُ مَا اَعْلَمَ بِهٖ اَصْحَابَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا وَعَدَھُمْ بِهٖ مِنَ الظُّھُوْرِ عَلٰی اَعْدَائِهٖ (الی قولہ) وَ قَتْلِ عَلِیٍّ وَ اَنَّ اَشْقَاھَا الَّذِیْ یَخْضِبُ ھٰذِهٖ مِنْ ھٰذِهٖ اَیْ لِحْیَتَهٗ مِنْ رَّاْسِهٖ وَ اَنَّهٗ قَسِیْمُ النَّارِ یُدْخِلُ اَوْلِیَآءَهُ الْجَنَّةَ وَ اَعْدَاءَهُ النَّارَ۔ (جلد اول، ص:223)

ترجمہ: اصحاب صحاح اور ائمہ احادیث نے وہ حدیثیں روایت کیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو غیب کی خبریں دیں، مثلاً یہ وعدہ کہ وہ دشمنوں پر غالب آئیں گے اور حضرت علی شہید ہوں گے اور اُمت کا بد بخت ترین شخص ان کے سر مبارک کے خون سے ان کی داڑھی مبارک کو رنگے گا، نیز یہ کہ حضرت علی دوزخ کے قسیم ہیں۔ اپنے دوستوں کو جنت اور دشمنوں کو دوزخ میں داخل کریں گے۔

حضرات! ان روایات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا گیا کہ جس کو چاہیں جنت میں داخل کریں اور جس کو چاہیں دوزخ میں ڈھکیل دیں، اس کا اختیار اُن کو حاصل ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا یہ کمال سرور کائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہے، لہٰذا خود سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ اختیار حاصل ہوگا اور آپ بتملیک الٰہی دوزخ کے مالک ہوں گے۔

☆☆☆

تیسواں وعظ:1

حضور مالک احکام شریعت ہیں

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے احکام کے بتملیک الٰہی مالک ہیں۔ اپنی مرضی سے کسی پر کوئی چیز فرض فرمادیں اور کسی کو معاف فرمادیں اور بعطائے الٰہی حلال وحرام کے بھی مالک ومختار ہیں۔ اس مسئلے پر قرآن مجید کی بہت سی آیتیں اور کثیر احادیث دلالت کرتی ہیں، پہلے قرآن مجید کی آیات سے ثبوت پیش ہے:

(1) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا۔ (احزاب، آیت:36)

ترجمہ: کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان خاتون کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ ورسول کسی امر کا حکم کردیں تو وہ اس امر میں کچھ اختیار رکھے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانیں وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہوا۔

شان نزول: ائمہ مفسرین فرماتے ہیں کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد فرمادیا اور اپنا متبنّٰی بنایا۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کا پیغام بھیجا۔ پہلے تو وہ اس خیال سے راضی ہوئیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے خواستگاری فرماتے ہیں، مگر جب ان کو یہ پتہ چلا کہ زید رضی اللہ عنہ کے لیے طلب ہے تو انکار کیا اور خبر بھیجی کہ یارسول اللہ! میں حضور والا کی پھوپھی کی بیٹی ہوں، ایسے شخص کے ساتھ اپنا نکاح پسند نہیں کرتی اور اُن کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے بھی اسی بنا پر انکار کیا، اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

حضرات! آیت کے مفہوم اور شان نزول سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے مال، جان اور اولاد کے مالک ہیں اور ایسے مالک کہ ان کے حکم کے مقابلے میں کسی کو اپنی جان، مال و اولاد کا اصلاً کچھ اختیار نہیں، کیوں کہ ظاہر ہے کہ کسی خاتون پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ فرض نہیں کہ وہ فلاں مرد سے ضرور نکاح کرے۔ خصوصاً جب کہ وہ اس کا کفو بھی نہ ہو، خصوصاً خاتون کا خاندان وشرافت میں بلند وبرتر ہو، مگر اس کے باوجود حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا پیغام نہ ماننے پر اللہ رب العالمین نے بعینہٖ وہی الفاظ ارشاد فرمائے جو کسی فرض الٰہی کے ترک کرنے پر فرمائے جاتے ہیں اور اپنے رسول پاک کے نام کے ساتھ اپنا نام اقدس بھی شامل فرمایا۔ مطلب یہ ہوا کہ میرا رسول جو بات تمھیں فرمائیں، وہ اگرچہ ہمارا فرض نہ بھی ہو تو اَب رسول پاک کے فرمانے سے وہ فرض قطعی ہوگئی۔ اب مسلمانوں کو اس کے نہ ماننے کا بالکل اختیار نہیں رہا، بلکہ جو نہ مانے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔ ثابت ہوا کہ رسول پاک کے حکم سے کام فرض ہو جاتا ہے، اگرچہ فی نفسہ اللہ کا فرض نہ بھی ہو، بلکہ وہ ایک مباح اور جائز امر ہو۔ اس سے واضح یہ بھی ہو جاتا ہے کہ احکام شریعت حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد ہیں۔ آپ جو چاہیں واجب فرمادیں اور جو چاہیں ناجائز قرار دے دیں۔ جس شئے یا جس شخص کو جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ کردیں۔ عارف باللہ حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ "میزان الشریعۃ الکبریٰ" میں حضرت سیدی علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں:

كَانَ الْاِمَامُ اَبُوْ حَنِیْفَةَ مِنْ اَكْثَرِ الْاَئِمَّةِ اَدَبًا مَعَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلِذٰلِكَ لَمْ یَجْعَلِ النِّیَّةَ فَرْضًا وَسَمَّى الْوِتْرَ وَاجِبًا لِكَوْنِهِمَا ثَبَتَا بِالسُّنَّةِ لَا بِالْكِتَابِ فَقَصَدَ بِذٰلِكَ تَمْیِیْزَ مَا فَرَضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَتَمْیِیْزَ مَا اَوْجَبَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ مَا فَرَضَهُ اللّٰهُ اَشَدُّ مِمَّا فَرَضَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذَاتِ نَفْسِهٖ حِیْنَ خَیَّرَهُ اللّٰهُ اَنْ یُّوْجِبَ مَا شَآءَ اَوْ لَا یُوْجِبَ۔ (جلد اول، ص:124)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ان اکابر ائمہ سے ہیں، جن کا ادب اللہ تعالیٰ کے ساتھ زیادہ ہے اور اسی واسطے انھوں نے نیت کو وضو میں فرض نہ کیا اور وتر واجب رکھا، کیوں کہ یہ دونوں سنت سے ثابت ہیں نہ کہ قرآن پاک سے، تو امام نے ان احکام سے یہ ارادہ کیا کہ اللہ کے فرض اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض میں فرق وتمیز کریں، اس لیے کہ اللہ کا فرض کیا

ہوا، اس سے زیادہ مؤکد ہے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی طرف سے فرض کیا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اختیار دے دیا ہے کہ جس بات کو چاہیں واجب کر دیں یا واجب نہ کریں۔

امام شعرانی کے اس منقول عبارت نے واضح کر دیا کہ حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام شریعت ہیں، جس چیز کو چاہیں واجب فرما دیں اور جس کو چاہیں نہ کریں اور یہی ہم اہل سنت کہتے ہیں۔

حضور کو حلال وحرام کا اختیار حاصل ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ۔ (سورۂ توبہ، آیت: 29)

ترجمہ: ان سے جنگ کرو جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اس چیز کو حرام نہیں مانتے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے۔

اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم چیزوں کو حلال وحرام کرنے کا اختیار حاصل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ احکام شریعت کے مالک ومختار ہیں۔

پاک چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام فرمانا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(3) اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهٗ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ (اعراف، آیت: 157)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو اس غیب کی بات بتانے والے رسول کی پیروی کریں گے جسے وہ اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا پائیں گے، وہ انھیں بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور ان کے لیے پاک چیزیں حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں حرام، پھر جو بھاری

بوجھ اور سخت تکلیفوں کے طوق ان کے گلے میں تھے انھیں اتارتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کے ان الفاظ پر غور کرو کہ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ سرکار ان کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع فرماتے ہیں۔

اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آمر بھی ہیں اور ناہی بھی ہیں، یعنی مالک شریعت ہیں۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ میں فرماتے ہیں: نَبِيُّنَا الْآمِرُ النَّاهِي فَلَا أَحَدٌ أَبَرَّ فِي قَوْلِ لَا مِنْهُ وَلَا نَعَمِ۔ (قصیدہ بردہ، ص: 35)

ترجمہ: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم دینے والے، منع کرنے والے ہیں، پس لفظ لا اور نعم کہنے میں کوئی آپ سے زیادہ نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم آمر اور ناہی ہیں اور ایسے حاکم ہیں کہ جب کسی معاملے میں لا یا نعم (ہاں یا نہیں) فرما دیں تو کوئی شخص آپ کے خلاف نہیں کر سکتا۔

یہ ہے عقیدہ، عارفین وکاملین کا اور اہل سنت کا۔

حضور کا یہ حکم واجب العمل ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔

یعنی رسول پاک جو تمھیں دیں وہ پکڑ لو اور جس سے منع فرما دیں اس سے رک جاؤ۔

مطلب یہ ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم جس قسم کا حکم دیں، خواہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا، اس حکم پر عمل کرنا امت مسلمہ پر واجب اور ضروری ہے۔ کسی کو چوں چرا کی گنجائش نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے حاکم ہیں، جو حکم صادر فرما دیں، واجب العمل ہوگا۔ الحاصل مندرجہ بالا آیات بینات سے ثابت ہوا کہ ہمارے رسول معظم جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم باذن اللہ حاکم شریعت ہیں۔ اس کا انکار نہ کرے گا، مگر جاہل، یا ضدی۔

☆☆☆

اکتیسواں وعظ:2

حضور اقدس مالک احکام ہیں

ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم باذن اللہ شریعت کے مالک ہیں اور احکام میں مختار ہیں، جس پر جو چاہیں حکم فرمائیں، اس کے مالک ہیں، جس کو جس حکم سے مستثنیٰ فرما دیں، اس کے مختار ہیں۔ یہ مضمون بے شمار نورانی حدیثوں سے ثابت ہے:

1۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ: رَجُلٌ أَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلٰثًا، لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ، لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ. (مشکوٰۃ، ص:221)

ترجمہ: اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے، تو حج کرو۔ چنانچہ ایک شخص نے عرض کیا: کیا ہر سال؟ یا رسول اللہ! آپ خاموش رہے، یہاں تک کہ اس نے تین مرتبہ کہا، تو آپ نے فرمایا: اگر میں ''ہاں'' کہہ دیتا تو یقیناً حج واجب ہو جاتی اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔

حضرات! یہ حدیث مبارک کتنی واضح ہے کہ آپ شخص مذکور کے جواب میں ''ہاں'' فرما دیتے تو حج ہر سال واجب ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم احکام الٰہی کے مالک ہیں۔ محقق علی الاطلاق حضرت عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس نورانی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ظاہراً این حدیث در آں است کہ احکام مفوض اند بآنحضرت۔

(اشعۃ اللمعات، جلد ثانی، ص:302)

یعنی یہ حدیث اس مسئلے میں ظاہر ہے کہ احکام الٰہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہیں۔

2۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ، فَقَالَ: هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَاِنِّيْ أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا. (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، ص:240)

یعنی ایک سفر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُحد پہاڑ ظاہر ہوا، فرمایا: یہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں۔ یا اللہ! ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے مکہ کو حرم بنایا اور بے شک میں حرم بناتا ہوں جو مدینہ کے دو پہاڑیوں کے درمیان ہے۔

3۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَامًا وَ إِنِّيْ حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ حَرَامًا مَا بَيْنَ مَازِمَيْهَا أَنْ لَّا يُهْرَقَ فِيْهَا دَمٌ وَ لَا يُحْمَلُ فِيْهَا سَلَاحٌ لِقِتَالٍ وَ لَا تُخْبَطُ فِيْهَا شَجَرَةٌ إِلَّا لِعَلْفٍ. (مسلم، مشکوٰۃ، ص:239)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نے مکہ معظّمہ کو حرم کر کے اس میں خون خرابہ حرام بنا دیا اور میں نے مدینہ کے دونوں کناروں میں جو پہلے ہے، اسے حرم بنا کر اس میں خون گرانا، لڑائی کرنا، ہتھیار اٹھانا اور درخت کاٹنا حرام کر دیا، مگر صرف جانوروں کو چارہ دینے کے لیے۔

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو حرم بنایا اور آپ کے اس میں خون خرابہ حرام کر دینے سے مدینہ طیبہ حرم ہو گیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ باذن اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام ہیں۔

4۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا: لَا هِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَ نِيَّةٌ وَ إِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا وَ قَالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ أَنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ إِنَّهُ لَمْ يَحِلِّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ وَ لَمْ يَحِلَّ لِيْ إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ وَ لَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ وَ لَا يَلْتَقِطُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا وَ لَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِلَّا الْإِذْخِرَ فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَ لِبُيُوْتِهِمْ فَقَالَ إِلَّا الْإِذْخِرَ۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، ص:238)

ترجمہ: اب ہجرت نہیں لیکن جہاد اور نیت ہے اور جس وقت تم جہاد کے لیے نکالے جاؤ، تو نکلو اور فتح مکہ کے دن فرمایا کہ یہ شہر ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے حرم بنایا اور اس دن سے جب آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، پس وہ حرام ہے اللہ کے حرام کرنے سے قیامت کے دن تک اور

اس کی شان یہ ہے کہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس میں جنگ کرنا حلال نہیں کیا، نہ میرے لیے حلال کیا، مگر ایک دن سے، پس وہ حرام ہے اللہ کے حرام کرنے سے قیامت کے دن تک، اس کا کانٹا نہ کاٹا جائے، نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے اور نہ اٹھائے اس کی گری ہوئی چیز کو مگر وہ شخص جو اس کی تعریف کرے اور نہ اس کا گھاس کاٹا جائے، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مگر اذخر کہ اس کی استثنا فرمائیے، بے شک وہ لوہاروں اور لوگوں کے گھروں کے کام آتا ہے۔ پس فرمایا کہ اذخر مستثنیٰ ہے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم احکام کے مالک ہیں، جس چیز کو چاہیں حلال فرمادیں اور جس چیز کو چاہیں حرام فرمادیں۔ حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

درمذہب بعضے آں است کہ احکام مفوض بود بوے صلی اللہ علیہ وسلم ہرچہ خواہد و بر ہر کہ خواہد حلال وحرام گرداند۔ (اشعۃ اللمعات، ج ثانی، ص:385)

ترجمہ: بعض حضرات کا مذہب ہے کہ احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہیں جو کچھ چاہیں اور جس پر چاہیں حلال وحرام کردیں۔

اسی طرح امام شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَإِنْ كَانَ الْحَقُّ تَعَالَى جَعَلَ لَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُشَرِّعَ مِنْ قِبَلِ نَفْسِهِ مَا شَاءَ كَمَا فِيْ حَدِيْثِ تَحْرِيْمِ شَجَرِ مَكَّةَ فَإِنَّ عَمَّهُ الْعَبَّاسَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَمَّا قَالَ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِلَّا الْإِذْخِرَ فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا الْإِذْخِرَ وَلَوْ أَنَّ اللهَ تَعَالَى لَمْ يَجْعَلْ لَهُ أَنْ يُشَرِّعَ مِنْ قِبَلِ نَفْسِهِ لَمْ يَتَجَرَّأْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسْتَثْنِيَ شَيْئًا مِمَّا حَرَّمَ اللهُ تَعَالَى۔ (میزان کبریٰ، جلد اول، ص:48)

ترجمہ: اگرچہ حق تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منصب دیا تھا کہ شریعت میں اپنی طرف سے جو حکم چاہیں مقرر فرمادیں، جس طرح حرم مکہ کے نباتات کو حرام فرمانے والی حدیث میں ہے کہ جب حضور نے وہاں کی گھاس وغیرہ کاٹنے کی ممانعت فرمائی، تو حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اذخر گھاس کو اس حکم سے نکال دیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذخر کو اس حکم سے نکال دیا، یعنی اس کا کاٹنا جائز کردیا۔ اگر اللہ تعالیٰ

نے حضور کو یہ رتبہ نہ دیا ہوتا کہ اپنی طرف سے جو شریعت چاہیں مقرر فرمادیں تو حضور ہرگز جرأت نہ فرماتے کہ جو چیز اللہ نے حرام کی اس میں سے کچھ مستثنیٰ فرمادیں۔

حضرات! امام شعرانی رحمہ اللہ کی اس عبارت نے واضح کردیا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ جس چیز کو حلال فرمادیں اور آپ احکام شریعت کے مالک ومختار ہیں۔

5۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِيْ لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُؤَخِّرُوا الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ أَوْ نِصْفِهِ۔

(احمد وترمذی وابن ماجہ، مشکوٰۃ، ص:61)

ترجمہ: اگر اپنی امت کو مشقت میں ڈالنے کا لحاظ نہ ہوتا تو میں عشا کو تہائی یا آدھی رات تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وقت عشا کو تہائی رات یا آدھی رات موخر کرنے کا اختیار تھا، مگر اُمت پر شفقت فرماتے ہوئے یہ حکم صادر نہ فرمایا کہ کہیں میری امت مشقت میں نہ پڑ جائے، تاہم آپ کو اختیار ضرور تھا۔

معلوم ہوا کہ آپ احکام شریعت کے مالک ومختار ہیں کہ جس حکم کو چاہیں واجب فرمادیں، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے وہ حکم واجب نہ بھی کیا ہو۔

6۔ حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلَى أَصْحَابِهِ ضَحَايَا فَبَقِيَ عَتُوْدٌ فَذَكَرَهُ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ضَحِّ بِهِ أَنْتَ۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ، ص:127)

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (عقبہ) کو بکریاں عطا فرمائیں کہ وہ ان کو حضور کے صحابہ کے درمیان قربانی کے طور پر تقسیم کردیں، تو انھوں نے تقسیم کردیا، مگر ایک چھ ماہ کی بکری باقی رہ گئی۔ چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر نے اس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا، تو آپ نے فرمایا کہ تم اس سے اپنی قربانی کرلو۔

عتود اس بکری کو کہتے ہیں کہ جس کی عمر سال سے کم ہو اور اکثر سال اس پر گزر چکا ہو، حالاں کہ بکری سال سے کم ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت عقبہ بن عامر کو اس کی اجازت دے دی کہ سال سے کم عمر والی بھی بکری ذبح کرنے سے تیری قربانی صحیح ہو جائے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم احکام کے مالک ہیں کہ جس حکم کو جس شخص کے ساتھ چاہیں مخصوص فرمادیں، اس کے مختار ہیں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کے تحت لکھتے ہیں:

آنحضرت را برسد کہ تخصیص کند بعض احکام را بہ بعض اشخاص و احکام مفوض بود بوے بر قول صحیح۔ (اشعۃ اللمعات، جلد اول، ص:609)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیبا ہے کہ بعض احکام بعض اشخاص کے ساتھ خاص فرمادیں اور صحیح قول یہ ہے کہ احکام شریعت آپ کی طرف سپرد کیے گئے ہیں۔

حضرات! اس حدیث پاک اور اس کی شرح سے بخوبی سمجھا جاتا ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم احکام کے مالک و مختار ہیں۔

☆☆☆

بتیسواں وعظ: 3

حضور مالک احکام ہیں

(7) حضرت عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ فرماتی ہیں:

لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى أَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللهِ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ قَالَتْ كَانَ مِنْهُ النِّيَاحَةُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِلَّا اٰلَ فُلَانٍ فَإِنَّهُمْ كَانُوا اَسْعَدُوْنِيْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَا بُدَّ لِيْ مِنْ أَنْ اُسْعِدَهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا آلَ فُلَانٍ۔ (مسلم، جلد اول، ص:304)

ترجمہ: جب یہ آیت نازل ہوئی کہ خواتین آپ کی بیعت اس شرط پر کریں کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کریں گی اور اچھے کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گے۔ اُم عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مُردے پر بین کرنا بھی اس میں داخل تھا۔ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! فلاں گھر والوں کو اِستثنیٰ فرمادیجیے، کیوں کہ اُنھوں نے زمانہ جاہلیت میں میری مدد کی تھی، یعنی میرے ساتھ ہو کر میرے ایک میت پر نوحہ کیا تھا، پس ضروری ہے کہ میں بھی رونے میں ان کی مدد کروں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا آل فلاں کو مستثنیٰ کر دیا۔

حضرات! میت پر نوحہ کرنا گناہ ہے، مگر نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُم عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آل فلاں کی میت پر نوحہ کرنے کی اجازت عطا فرمادی کہ وہ اگر نوحہ آل فلاں پر کریں گی تو گناہ نہ ہوگا۔ ثابت ہوا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم احکام کے مالک ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کے نیچے لکھتے ہیں:

هٰذَا مَحْمُوْلٌ عَلَى التَّرْخِيْصِ لِأُمِّ عَطِيَّةَ فِيْ اٰلِ فُلَانٍ خَاصَّةً كَمَا هُوَ الظَّاهِرُ وَ لِلشَّارِعِ أَنْ يَّخُصَّ مِنَ الْعُمُوْمِ مَا شَاءَ۔ (شرح نوری، ص:304)

ترجمہ: یہ اس بات پر محمول ہے کہ حضور نے خاص رخصت اُم عطیہ کو دی تھی، خاص آل فلاں کے بارے میں جیسا کہ ظاہر ہے اور شارع یعنی نبی پاک کو اختیار ہے کہ عام حکموں سے

جو چاہیں خاص فرما دیں۔

(8) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا۔ فرمایا: کیا ہوا؟ اس نے عرض کیا: میں نے رمضان میں اپنی بیوی سے نزدیکی کر لی۔ فرمایا: کیا غلام آزاد کر سکتا ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں، فرمایا: کیا دو ماہ لگاتار روزے رکھ سکتا ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں، فرمایا: کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں، فرمایا: بیٹھ جا۔ اتنے میں کھجوروں کا ایک ٹوکرا خدمت اقدس میں لایا گیا۔ حضور نے فرمایا: سائل کہاں ہے؟ اس نے عرض کیا: حاضر ہوں: فرمایا:

خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهٖ. فَقَالَ الرَّجُلُ: أَعَلٰى أَفْقَرَ مِنِّيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَوَاللهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ ثُمَّ قَالَ أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ. (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ، ص:176)

ترجمہ: یہ ٹوکرا پکڑو اور اسے خیرات کر دو۔ اس شخص نے عرض کیا: کیا اپنے سے زیادہ کسی محتاج پر؟ یارسول اللہ! واللہ! مدینہ پاک میں دونوں پہاڑیوں کے درمیان میرے گھر والوں سے زیادہ کوئی محتاج نہیں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ کے دندانِ مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر فرمایا: اچھا جا، اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔

حضرات! گناہ کا ایسا کفارہ بھی کسی نے سنا ہے کہ کھجوروں کا ٹوکرا اپنی سرکار سے عطا فرماتے ہیں اور حکم ہوتا ہے کہ خود ہی کھا لو، تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔

سبحان اللہ! یہ ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کہ ایک گنہگار کی سزا کو انعام سے بدل ڈالتے ہیں۔ اس حدیث پاک سے ظاہر ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام ہیں۔

حضرات! بعض لوگ اس حدیث کی تاویل کر کے ہمارے بیان کردہ مضمون کو غلط ثابت کرتے ہیں، لہٰذا میں اسی مضمون کو مزید اطمینان کے لیے ایک دوسری حدیث سے ثابت کرتا ہوں کہ سنن ابی داؤد میں امام ابن شہاب زہری سے منقول ہے:

إِنَّمَا كَانَ هٰذِهٖ رُخْصَةً لَّهٗ خَاصَّةً وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا فَعَلَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ بُدٌّ مِّنَ التَّكْفِيْرِ. (فتح القدیر، ج اول، ص:394)

ترجمہ: یہ خاص اسی شخص کے لیے رخصت تھی، آج اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو کفارہ ادا کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

نیز دار قطنی میں یہ الفاظ ہیں: كُلْهُ أَنْتَ وَعِيَالُكَ فَقَدْ كَفَّرَ اللهُ عَنْكَ. یعنی تو اور تیرے اہل وعیال یہ خرمے کھا لیں کہ اللہ تعالیٰ نے تیری طرف سے کفارہ ادا فرما دیا۔

حضرت ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

الظاهر أنه خصوصية۔ ظاہر یہی ہے کہ اس طرح کفارہ ادا ہونا اسی شخص کے ساتھ خاص ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منجملہ خصائص سے ہے۔ (فتح القدیر، ج اول، ص:394)

9- ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی نے عرض کیا: یارسول اللہ! إِنَّ سَالِمًا يَدْخُلُ عَلَيَّ وَهُوَ رَجُلٌ وَفِيْ نَفْسِ أَبِيْ حُذَيْفَةَ مِنْهُ شَيْءٌ فَقَالَ: رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْضِعِيْهِ حَتّٰى يَدْخُلَ عَلَيْكِ.

(مسلم، ج:1 ص:469، نسائی، ج،2 ص:69، ابن ماجہ، ص:141)

ترجمہ: یارسول اللہ! سالم (آزاد کردہ غلام) میرے سامنے آتا جاتا ہے، وہ جوان ہے، اور ابو حذیفہ کو یہ ناگوار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اس کو دودھ پلا دے، تاکہ وہ تجھ پر (بلا پردہ) داخل ہوتا رہے۔

حضرات! یہ حدیث پاک اعلیٰ ندا کے ساتھ بتا رہی ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام ہیں، کیوں کہ اوّلاً تو جوان مرد کو کسی خاتون کا دودھ پینا ہی حلال نہیں، ثانیاً اگر پی بھی لے، تو اس سے بیٹا رضاعی نہیں بن سکتا، مگر نبی مختار نے ان حکموں سے سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مستثنیٰ فرما دیا، اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہ کے سوا تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مَا نَرٰى هٰذِهٖ إِلَّا رُخْصَةً أَرْخَصَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسَالِمٍ خَاصَّةً. (مسلم، جلد دوم، ص:469)

ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ یہ رخصت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص سالم کے لیے فرمائی تھی۔

(10) حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو فرمایا: يَا عَلِيُّ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يُّجْنِبَ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ غَيْرِيْ وَغَيْرُكَ. (ترمذی، مشکوٰۃ، ص:565) یعنی اے علی! میرے اور تمہارے سوا کسی کو حلال نہیں کہ

اس مسجد میں بحالت جنابت داخل ہو۔

اس حدیث پاک سے واضح ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام ہیں۔

(11) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت رقیہ زوجہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار تھیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مدینہ طیبہ میں اپنی شہزادی کی تیمارداری کے لیے ٹھہرنے کا حکم دیا اور فرمایا: اِنَّ لَکَ اَجْرَ رَجُلٍ مِّمَّنْ شَھِدَ بَدْرًا وَ سَھْمَہٗ۔ (بخاری، مشکوٰۃ، ص:562)

ترجمہ: تمہارے لیے حاضرین بدر کے برابر ثواب ہے اور غنیمت کا حصہ ہے۔

یہ ہے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بغیر حاضری جہاد کے ثواب میں شریک فرمایا اور غنیمت سے حصہ بھی دلوایا، حالاں کہ جو جہاد میں حاضر نہ ہو وہ غنیمت سے حصہ نہیں پاتا۔

(12) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِتَاخِیْرِ الْعِشَآءِ وَبِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ، ص:44)

ترجمہ: اگر اُمت کی مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں یقیناً ان کے لیے یہ امر واجب کر دیتا کہ وہ نمازِ عشا میں تاخیر کرے اور ہر نماز کے وضو کے وقت مسواک کرے۔

اس مبارک حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام ہیں۔

تحقیق انیق

مجدد مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: امر کی دو قسم ہے، پہلا حتمی: جس کا حاصل ایجاب اور اس کی مخالفت معصیت ہے۔ وَ ذٰلِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖ۔ دوسرا ندبی: جس کا حاصل ترغیب اور اس کے ترک میں وسعت ہے۔ وَذٰلِکَ قَوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِالسِّوَاکِ حَتّٰی خَشِیْتُ اَنْ یُّکْتَبَ عَلَیَّ۔ (احمد عن واثل بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسندِ حسنٍ) اور ندبی یہاں پر قطعاً حاصل ہے، تو ضرور حتمی کی نفی ہے۔ امر حتمی بھی دو قسم ہے: ظنی، جس کا مفاد وجوب اور قطعی، جس کا مقتضی فرضیت طینت، خواہ من جہۃ الروایۃ ہو یا من جہۃ الدلالۃ ہمارے حق میں ہوتی ہے۔ حضور سید دو عالم صلی

اللہ علیہ وسلم کے علوم سب قطعی یقینی ہیں، جس کے سرپردۂ عزت کے گرد ظنون کو اصلاً بار نہیں تو قسم واجب اصطلاحی حضور کے حق میں متحقق نہیں۔ وہاں یہ فرض ہے یا مندوب نَصَّ عَلَیْہِ الْاِمَامُ الْمُحَقِّقُ حَیْثُ اَطْلَقَ فِی الْفَتْحِ۔

اب واضح ہو گیا کہ ان ارشادات کریمہ کے قطعاً یہی معنی ہیں کہ میں چاہتا تو اپنی امت پر ہر نماز کے لیے یعنی ہر وضو کے وقت مسواک کرنا فرض فرما دیتا، مگر ان کی مشقت کے لحاظ سے میں نے فرض نہ کیے اور اختیار احکام کے کیا معنی؟ (الامن والعلی، ص:25)

13- حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَ مِثْلَہٗ اِلَّا یُوْشِکُ رَجُلٌ شَبْعَانٌ عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِھٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْہُ وَمَا وَجَدْتُّمْ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْہُ اِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ کَمَا حَرَّمَ اللّٰہُ۔ (ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ، ص:29)

ترجمہ: سن لو! مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اس کا مثل دیا گیا ہے یعنی حدیث۔ قریب ہے کہ ایک آسودہ پیٹ شخص اپنے تخت پر بیٹھا یہ کہے گا کہ اس قرآن کو لازم پکڑو، اس میں جو حلال ہے اسے حلال جانو اور اس میں جو حرام ہے، اسے حرام جانو اور جو کچھ اللہ کے رسول نے حرام کیا ہے، وہ بھی اسی کے مثل ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔

فائدہ: ایمان دار کی پہلی نگاہ بتائے گی کہ اس نورانی حدیث میں صراحتاً حرام کی دو قسمیں بیان فرمائیں: ایک وہ جسے اللہ نے حرام کیا اور دوسرا جسے رسول نے حرام کیا، نیز فرمایا گیا کہ وہ دونوں برابر و یکساں ہیں، یعنی نفس حرمت میں برابر ہیں، لہٰذا فرمان مذکور علما کے منافی نہیں کہ اللہ کا فرض رسول کے فرض سے اشد واقویٰ ہے۔ مزید یہ کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب بھی ثابت ہوا کہ آپ نے پہلے ہی بتا دیا کہ ایک آسودہ پیٹ شخص میری حدیث کا انکار کرے گا۔

چنانچہ اس ارشاد کے موافق عبداللہ چکڑالوی نے چودہویں صدی ہجری میں بمقام لاہور حدیث رسول پاک کا صاف انکار کر دیا اور کہا کہ صرف قرآن پاک ہی کافی ہے، حدیث پاک کی ضرورت نہیں۔ قربان جائیں نگاہ مصطفیٰ پر کہ جس نگاہ نے چودہ سو سال قبل اس جکڑالوی کو ملاحظہ فرما کر اپنی اُمت کو اس کے مکر و فریب سے خبردار کیا۔

تینتیسواں وعظ:4

حضور مالک احکام ہیں

(اقوال صحابہ اور محدثین کی روشنی میں)

1۔ ذوالشہادتین حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثًا وَلَوْ مَضَى السَّائِلُ عَلٰى مَسْئَلَتِهٖ لَجَعَلَهَا خَمْسًا۔ (سنن ابن ماجہ، ص:42)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسح موزہ) کی مدت تین رات مقرر فرمائی، اگر سائل اپنے سوال پر جاری رہتا، یعنی سوال کرنے والا سوال کرتا رہتا تو حضور پانچ راتیں کر دیتے۔

2۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حدیث پاک میں فرمایا: وَلَوِ اسْتَزَدْنَاهُ لَزَادَنَا۔ (معانی الآثار، ج:اول، ص:42)

ترجمہ: اگر ہم حضور سے اور مدت سے متعلق کہتے تو آپ اور مدت بڑھا دیتے۔

3۔ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: اَنَّهٗ جَعَلَ الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ وَلِلْمُقِيْمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً قَالَ وَلَوْ اَطْلَبَ لَهُ السَّائِلُ فِيْ مَسْئَلَتِهٖ لَزَادَهٗ۔ (شرح معانی الآثار، ج:اول، ص:42)

ترجمہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح موزہ کی مدت مسافر کے لیے تین دن تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن ایک رات مقرر فرمائی، اگر سائل اور کہتا تو حضور اور زیادہ مدت عطا فرماتے۔

حضرات! ان تینوں روایتوں کو پڑھو، تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ صحابہ کرام کا بھی عقیدہ یہی تھا کہ سلطان دارین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم احکام کے مالک و مختار ہیں۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ کا عقیدہ

امام شعرانی فرماتے ہیں: اَلْقِسْمُ الثَّانِيْ مَا اَبَاحَ الْحَقُّ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّسُنَّهٗ عَلٰى رَاْيِهٖ هُوَ عَلٰى وَجْهِ الْاِرْشَادِ لِاُمَّتِهٖ كَتَحْرِيْمِ لُبْسِ الْحَرِيْرِ عَلَى الرِّجَالِ وَقَوْلِهٖ فِيْ حَدِيْثِ تَحْرِيْمِ مَكَّةَ اِلَّا الْاِذْخِرَ حِيْنَ قَالَ لَهٗ عَمُّهُ الْعَبَّاسُ اِلَّا الْاِذْخِرَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَوْلَا اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى كَانَ يُحَرِّمُ جَمِيْعَ نَبَاتِ الْحَرَامِ لَمْ يَسْتَثْنِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِذْخِرَ لَمَّا سَاَلَهٗ عَمُّهُ الْعَبَّاسُ فِيْ ذٰلِكَ وَنَحْوَ حَدِيْثِ وَلَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمْ تَسْتَطِيْعُوْا فِيْ جَوَابِ مَنْ قَالَ لَهٗ فِيْ فَرِيْضَةِ الْحَجِّ اَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: لَا، وَلَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ۔ (میزان کبریٰ، ج:اول، ص:55)

یعنی شریعت کی کئی قسمیں کیں ایک وہ جس پر وحی وارد ہوئی، دوسری قسم وہ ہے جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے رب تعالیٰ نے ماذون فرما دیا کہ خود اپنی رائے سے جو رائے چاہیں اپنی امت کے لیے طریق ارشاد پر قائم فرما دیں، جیسا کہ مردوں پر ریشم پہننا حرام فرمایا اور آپ کا قول مبارک اس حدیث میں کہ اذخر کے سوا دیگر چیزوں کو نقصان پہنچانا حرام ہے، جب آپ کے چچا عباس نے کہا تھا کہ یا رسول اللہ! اذخر کو مستثنیٰ فرما دیں تو آپ نے فرمایا کہ اذخر کو مستثنیٰ کر دیا۔ اگر اللہ عزوجل نے مکہ معظمہ کی ہر انگوری کو حرام نہ کیا ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اذخر کے مستثنیٰ فرمانے کی کیا حاجت ہوتی؟ جب آپ کے چچا نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا اور اسی طرح آپ کا یہ ارشاد کہ "اگر میں "ہاں" کہہ دیتا تو حج فرض ہو جاتی۔" اُس شخص کے جواب میں جس نے کہا تھا کہ کیا ہر سال حج فرض ہے؟

فائدہ: ان اقوال کی روشنی میں ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مالک و مختار ہیں، جس چیز کو چاہیں اپنی امت پر فرض فرما دیں اور جس چیز کو چاہیں حلال فرما دیں۔

علامہ قسطلانی کا قول:

شارح بخاری علامہ قسطلانی بیان کرتے ہیں: مِنْ خَصَائِصِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَنَّهٗ كَانَ يَخُصُّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ۔ (مواہب لدنیہ بحوالہ انوار محمدیہ، ص:319)

ترجمہ: یہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کریمہ سے ہے کہ حضور شریعت کے عام احکام میں جسے چاہتے اور جس حکم سے چاہتے خاص فرمادیتے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا قول:

آنحضرت متولی امور مملکت الٰہیہ وگماشتہ درگاہ عزت بود کہ تمامہ امور واحکام کون ومکان بوے مفوض بود کدام دائرہ مملکت واسع تر از مملکت وسلطنت وے نبود۔ (اشعۃ اللمعات، ج اول، ص:644)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سلطنت خدا کے منتظم اور دربارِ الٰہی کے مقرر کردہ حاکم ہیں، تمام کون ومکان کے احکام آپ کے سپرد ہیں اور کوئی سلطنت آپ کی سلطنت و بادشاہی سے زیادہ وسیع نہیں ہے۔

حضرات! یہ ہیں بزرگان دین اور محدثین وائمہ دین کے مبارک عقائد جس کا تھوڑا سا بیان مذکور ہوا اور چودہویں صدی کے کچھ بدنصیب آج منبروں پر کھلے عام یہ کہہ رہے ہیں کہ جناب محمد رسول اللہ کو کسی چیز پر کسی طرح کا اختیار نہیں۔ (العیاذ باللہ)

☆☆☆

چونتیسواں وعظ

گیارہویں شریف کسے کہتے ہیں؟

(رسالہ گیارہویں از مولانا علم الدین صاحب مرحوم)

تمام اہل سنت وجماعت، مسلمان اور صوفیائے کرام دیگر نذر ونیاز الٰہی اور خیرات و صدقات کے علاوہ ہر قمری ماہ کی گیارہویں تاریخ کو بھی محض اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی اور خوشنودی کے لیے حسب توفیق بکثرت کھانا پکواتے ہیں اور غربا ومساکین کو فی سبیل اللہ کھلاتے ہیں اور کسی قدر قرآن شریف پڑھ کر، یا اگر ممکن ہو تو کچھ وعظ ونصیحت اور مناقب وفضائل غوث اعظم و دیگر اولیاء اللہ بیان کر کے، اس قرآن شریف اور کھانے کا ثواب بتوسل حضور پرنور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جناب غوث اعظم وجملہ مؤمنین اور دیگر بزرگان دین کی ارواح مقدسہ کو بخشتے ہیں اور یہی نیاز عرف عام میں گیارہویں شریف کہلاتی ہے۔

گیارہویں شریف کی اصل

اب دیکھنا یہ ہے کہ گیارہویں شریف کی اصل حقیقت کیا ہے اور یہ کس طرح جاری ہوئی؟ اس کے متعلق امام یافعی نے لکھا ہے: ذکر یازدہم حضرت غوث الثقلین علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بود ارشاد شد کہ اصل یازدہم ایں بود کہ ذکر یازدہم حضرت غوث صمدانی بتاریخ یازدہم ربیع الآخر فاتحہ چہلم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کردہ بودند۔ آں نیاز آں چناں مقبول ومطبوع افتاد کہ در ہر ماہ بتاریخ یازدہم فاتحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقرر فرمودند و دیگر اتباع حضرت غوث پاک بتقلید وے علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام یازدہم میکردند۔ آخر رفتہ رفتہ یازدہم حضرت محبوب سبحانی مشہور شد، الحال مردم فاتحہ حضرت شاں در یازدہم میکنند وتاریخ وصالِ حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم

ہشتم ربیع الثانی است باتفاق۔ (قرۃ الناظر وخلاصۃ المفاخرہ، صفحہ:11)

ترجمہ: حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی گیارہویں شریف کا ذکر تھا، ارشاد ہوا کہ گیارہویں شریف کی اصل یہ تھی کہ حضرت غوث صمدانی حضور پرنور احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے چالیسویں کا ختم شریف ہمیشہ گیارہ ماہ ربیع الآخر کو کیا کرتے تھے۔ وہ نیاز اتنی مقبول اور مرغوب ہوئی کہ بعد ازاں آپ نے ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ختم شریف مقرر فرمادیا اور پھر دوسرے لوگ بھی آپ کی اتباع میں گیارہ تاریخ کو ہی نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا ختم اور نیاز دلانے لگے۔ آخر رفتہ رفتہ یہی نیاز غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گیارہویں سے مشہور گئی۔ آج کل لوگ محبوب سبحانی غوث صمدانی قطب ربانی سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ اور عرس شریف بھی گیارہ تاریخ کو ہی کرتے ہیں، جب کہ آپ کی تاریخ وفات سترہ ربیع الثانی ہے۔

نیز شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ماثبت بالسنہ، ص:127 پر حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یوم وصال بھی گیارہ ربیع الآخر اور گیارہویں شریف کو آپ کا عرس مبارک لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں: هُوَ الَّذِيْ اَدْرَكْنَا عَلَيْهِ سَيِّدَنَا الشَّيْخَ الْاِمَامَ الْعَارِفَ الْكَامِلَ الشَّيْخَ عَبْدَ الْوَهَّابِ الْقَادِرِيَّ الْمُتَّقِيْ فَاِنَّهٗ قُدِّسَ سِرُّهٗ كَانَ يُحَافِظُ فِيْ يَوْمِ عُرْسِهٖ هٰذَا التَّارِيْخَ وَ قَدِ اشْتَهَرَ فِيْ دِيَارِنَا هٰذَا الْيَوْمُ الْحَادِيْ عَشَرَ وَهُوَ الْمُتَعَارَفُ عِنْدَ مَشَائِخِنَا مِنْ اَوْلَادِهٖ۔

یعنی یہ (گیارہ ربیع الآخر) وہ تاریخ ہے جس پر ہم نے مقتدر پیشوا خدا شناس شیخ کامل عبد الوہاب قادری مکے والے کو عامل پایا ہے۔ یہ بزرگ اسی تاریخ کو نگاہ رکھتا تھا یا تو اسی روایت کے اعتماد پر یا اس سبب سے کہ اپنے پیر شیخ علی متقی کو دیکھا ہو اور ہمارے ملک میں آج کل (آپ کی تاریخ وصال) گیارہویں تاریخ ہی مشہور ہو رہی ہے اور ہمارے ملک کے مشائخ اور ان کی اولاد کے نزدیک یہی مشہور ہے اور یہ سنت یعنی نیاز گیارہویں شریف بزرگان دین متین سے ظاہر ہوئی ہے۔

ثابت ہوا کہ گیارہویں شریف خواجۂ دوسرا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب

غوث صمدانی سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس شریف ہے۔

اب ہم عرس کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔

عُرس کیا ہوتا ہے؟

اولیاء اللہ اور مومنین کے یوم وصال کو عرس کیوں کہتے ہیں؟ اس کے ثبوت کے لیے، ہم مشکوٰۃ کی کتاب الجنائز سے چند حدیثیں نقل کرتے ہیں:

1۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کی وفات کا وقت قریب آتا ہے تو اس کو رضائے الٰہی اور عنایات و بخشش الٰہی کے لیے خوشخبری دی جاتی ہے: فَلَيْسَ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا اَمَامَهٗ فَاَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ وَاَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ۔ اور وہ اس خوشخبری کو پا کر دولت وزینت دنیا کے مقابلے میں آئندہ کی ہر چیز کو محبوب رکھنے لگتا ہے۔ پس وہ مومن اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور دیدار کا مشتاق ہو جاتا ہے اور اللہ اس کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے:

خوب تریں در جہاں چہ بود کار
دوست بدوست رود یار بیار

2۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اَلْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيْحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَاَذَاهَا اِلٰى رَحْمَةِ اللّٰهِ۔ (مشکوٰۃ)

یعنی بندۂ مومن مرنے کے سبب دنیا کی تکالیف اور اس کی ایذا سے راحت اور اللہ کی رحمت کی طرف جاتا ہے۔

اسی کو امیر مینائی یوں کہتے ہیں:

روح جنت میں ہے بدن اندر مزار کے
کشتی ہماری ڈوب گئی پار اُتار کے

3۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: موت، مومن کا تحفہ ہے۔

یعنی مومن کے حق میں مرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقینی ہے، کیوں کہ اس کے سبب انسان ثواب اور دارِ آخرت کو پہنچتا ہے: ؂

بڑے ناداں ہیں جو لوگ ڈرتے ہیں امیرؔ اس سے
اجل تو نام ہے اک زندگانی کے نگہباں کا

4۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ قبضِ روح کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اگر وہ مردِ مومن صالح اور پرہیزگار ہوتا ہے تو کہتے ہیں: اُخْرُجِيْ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ اُخْرُجِيْ حَمِيْدَةً وَ اَبْشِرِيْ بِرُوْحٍ وَّرَيْحَانٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ فَلَا تَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ۔ (سنن ابن ماجہ)

یعنی اے پاک جان! جو پاک جسم میں تھی نکل اور اللہ تعالیٰ کے رزق راحت اور ملاقات سے خوش ہو، تو وہ روح نکلتی ہے اور اس سے ایسی خوشبو آتی ہے جیسے کستوری و مشک وغیرہ۔ پھر وہ رحمت کے فرشتے اسی طرح اس کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور عیش و آرام جنت کی خوشخبری دیتے ہیں، حتی کہ اسی طرح وہ روح خاص رحمت و قرب الٰہی عرش معلّٰی تک پہنچ جاتی ہے۔

سچ ہی کہا گیا ہے:

مزے جو مرنے کے عاشق بیاں کبھی کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

فائدہ: مظاہر الحق شرح مشکوٰۃ، جلد:2 ص:37 پر اس حدیث کے تحت لکھا گیا ہے:

روحِ مومن زمین و آسمان میں سیر کرتی ہے، جنت کے میوے کھاتی ہے اور جہاں دل چاہتا ہے، جاتی ہے اور عرش معلّٰی کی قندیلوں میں جگہ پکڑتی ہے اور اس کو اپنے بدن کے ساتھ بھی اس طرح کا تعلق رہتا ہے کہ وہ اپنی قبر میں قرآن شریف اور نماز ادا کرتا ہے، چین کرتا اور مانند دولہا کے سوتا ہے اور اپنے حسب مقام اور مرتبہ جنت میں اپنی منازل دیکھتا ہے: ؂

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

5۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بوقت وصالِ مومن

رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا لاتے ہیں اور روحِ مومن کو مبارکباد اور خوشخبری دیتے ہیں، تو روحِ مومن سے خوشبو، مشک اور کستوری کی طرح نکلتی ہے اور فرشتے اس کو دست بدست بطورِ تبرک و تعظیم آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر آسمان کے فرشتے کہتے ہیں:

مَا أَطْيَبُ هٰذِهِ الرِّيْحُ الَّتِيْ جَاءَتْكُمْ مِنَ الْاَرْضِ فَيَاْتُوْنَ بِهٖ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَهُمْ اَشَدُّ فَرَحًا مِّنْ اَحَدِكُمْ وَخَائِبُهٗ يَقْدِمُ عَلَيْهِ۔ (احمد و نسائی)

یعنی کتنی عمدہ خوشبو ہے جو زمین سے آئی ہے، پھر ارواحِ مومنین کے پاس اس کو لاتے ہیں اور تمام روحیں اس کو دیکھ کر اس قدر خوش ہوتی ہیں، جس طرح کہ سفر میں گئے ہوئے آدمی کی واپسی پر اس کے گھر والے خوش ہوتے ہیں، یہاں تک کہ اُسے اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاتے ہیں۔

بقول امیر مینائی: ؂

روحیں کشتوں کی گلے ملتی ہیں شاداں ہو کر
عید سے عید ہوئی یار پہ قرباں ہو کر

اور بقول اقبال: ؂

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

6۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھو اور اس کو زمین کی طرف لوٹاؤ، پھر اس کی روح جسم میں واپس آجاتی ہے اور منکر نکیر اس سے سوال کرتے ہیں۔ وہ نہایت عمدہ طریقے سے ہر سوال کا جواب دیتا ہے۔ پھر پروردگار عالم کی طرف سے ندا آتی ہے: میرے بندے نے سچ کہا۔ اس کے لیے جنتی فرش بچھا دو اور اس کو جنت کے لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کا دروازہ کھول دو، پھر جنت کی خوشبو دار ہوا آتی ہے اور اس کی قبر جہاں تک اس کی نظر جاتی ہے کشادہ ہو جاتی ہے۔ (مسند احمد عن براء بن عازب، مشکوٰۃ)

اسی کو اقبال یوں بیان کرتے ہیں: ؂

تجھے کیا بتائیں اے ہمنشیں ہمیں موت میں جو مزا ملا
نہ ملا مسیح و خضر کو وہ حیاتِ عمرِ دراز میں

7۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر ارشاد فرمایا کہ اس کے پاس ایک نہایت خوبصورت اور خوشبودار شخص آتا ہے اور بندۂ مومن کو اِن الفاظ میں مبارکباد دیتا ہے: تجھ کو اس چیز کی بشارت دیتا ہوں جو تجھے خوش کرے اور یہ وہ دن ہے جس کا تجھے دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا، پھر مومن اسے کہتا ہے کہ تو کون ہے کہ تو نہایت خوش رو اور مبارکباد دینے والا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں جو تو نے دنیا میں کیا تھا۔ (مسند احمد عن براء بن عاذب، مشکوٰۃ)

8۔ بندہ خواہش ظاہر کرتا ہے کہ کیا ہی اچھا ہوتا، اگر میں گھر واپس جا کر اپنے بال بچوں، بیوی اور عزیز و اقارب کو اللہ تعالیٰ کو اِس کرم بخشی اور بندہ نوازی کی خبر دے آتا۔ یہ سن کر فرشتے اس سے نہایت ادب و حلم سے عرض کرتے ہیں کہ اب یہیں آرام فرمائیں اور ایسے عیش و آرام اور اطمینان کے ساتھ سو جائیں جیسا کہ دولہن سوتی ہے کہ اس کو اس کے محبوب اور دل آرام کے سوا کوئی نہیں جگائے۔ (ترمذی عن ابی ہریرۃ)

قبر میں چین سے یاروں کی گزرتی ہے امیر
پاؤں پھیلائے ہوئے سوتے ہیں گھر کی صورت

آمدم برسر مطلب

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ بندۂ مومن اور اولیاء اللہ کا وصال اس کے لیے رنج و ملال نہیں، بلکہ فرحت و آرام اور خوشی و خرمی کا باعث ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مشتاق ہوتا ہے۔ رحمت کے فرشتے اسے مبارکباد دیتے ہیں اور اس کے وصال سے خوش ہوتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے اسے خوشنودی اور سرخروئی کا سہرا اور تاج عطا ہوتا ہے اور اس کی بے انتہا رحمتیں اور برکتیں اس پر نازل ہوتی ہیں۔ آسمان کے فرشتے اسے بشارت دیتے اور اس کا استقبال کرتے ہیں۔ اس کے لیے جنتی فرش بچھتا ہے، اسے فردوس کا حلّہ اور جوڑا ہوتا ہے اور اس کا عمل صالح اسے مژدۂ جانفزا اور مبارکباد دیتا ہے۔ ارواح مومنین اس سے اور وہ ان سے مل کر خوش ہوتے، شادیاں رچاتے اور خوشیاں مناتے ہیں اور اس سے کہا جاتا ہے کہ دولہا اور نوشے کی طرح عیش و آرام سے خواب ناز میں سو جا اور عیش و آرام سے رہ۔ گویا یہ دولہا اور باقی تمام فرشتے اور ارواح مومنین اس کے باراتی ہوتے ہیں، نیز خوشنودی، فرش و فروش اور جنتی لباس وغیرہ اس

کا سامانِ بارات ہوتا ہے، پس اس عروسِ جنت کے یوم وصال کو اُس کا عرس کہتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرس کا ثبوت

در منثور میں سیوطی نے حضرت انس سے اور محدث ابن جریر نے محمد بن ابراہیم سے روایت کی ہے، نیز علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاتِيْ قُبُوْرَ الشُّهَدَاءِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ يَقُوْلُ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ وَالْخُلَفَاءُ الْاَرْبَعَةُ هٰكَذَا يَفْعَلُوْنَ۔ (تفسیر کبیر)

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبور شہدا پر ہر سال یوم شہادت کے حساب سے تشریف لے جاتے اور ان کے لیے استغفار فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ تم لوگوں کے لیے سلامتی ہے، تم لوگوں کے صبر کے اجر میں، کیا ہی اچھا ہوا آخرت کا انجام۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلفائے اربعہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے:

ہمہ شیرانِ جہاں بستہ ایں سلسلہ اند
روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

چنانچہ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر سال کے شروع میں شہدا کی قبور پر تشریف لے جا کر دعائے خیر فرماتے تھے، اسی طرح کسی بزرگ کے سالِ وفات کے تمام ہونے پر ابتدائے سال میں اس کے مرقد مبارک پر جمع ہو کر یا جہاں چاہیں وہاں فاتحہ اور درود و طعام وغیرہ کا ثواب اُسے بخشتے ہیں، یہی عرس اور یہی اس کی حقیقت ہے۔

سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے عرس کیا

زبدۃ العارفین مولانا حضرت سید شاہ شرف الدین بن احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ العزیز نے اپنے ملفوظات میں لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال شریف کے گیارہ دن بعد جب

صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو بارہویں دن آپ نے بہت سا کھانا پکوایا، تا کہ حضور کی روح اطہر کو اس کا ثواب بخشیں۔ جب تمام مدینہ منورہ میں اس بات کا چرچا ہوا تو لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ آج کیا ہے؟ جنھیں اس بات کا علم تھا وہ جواب دیتے تھے: اَلْيَوْمَ عُرْسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ یعنی آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس شریف ہے۔

چنانچہ ہمیں بھی چاہیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عرس جو بصورت گیارہویں مروّج ہے، اس پر عمل پیرا ہو کر محبت رسول اور حدیث نبوی عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ۔ پر عامل ہونے کا شرف حاصل کریں۔

شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز سے عرس کا ثبوت

حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدیث دہلوی جن کی مدح میں مولوی ثناء اللہ صاحب سردار وایڈیٹر اخبار الحدیث امرتسر اس طرح رقمطراز ہیں:

”یہ وہی شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ العزیز ہیں جن کو آج علمی ہندوستان اپنا واجب التعظیم استاذ مانتا ہے۔ اس خاندان کے علم وفضل کی آوازیں ہندوستان کی چہار دیواری سے نکل کر مسلمانوں کے ممالک روم وشام میں پہنچی تھی اور جس مسئلے میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علما میں جھگڑا ہوتا تھا، وہ ثالث بالخیر شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز کو بتاتے تھے، اس کو ربانی مقبولیت کہتے ہیں اور یہ اصلی علم وفضل ہے۔“

اور پھر اسی کتاب کے ص:19 پر لکھتے ہیں: ”یہ خاندان سرچشمۂ علوم تھا۔“
(حیات طیبہ سوانح عمری اسمٰعیل شہید، ص:18)

نیز حافظ محمد صاحب لکھنوی۔ نے اپنی پنجابی تفسیر محمدی میں اس طرح لکھا ہے: ـــ

عزیز والا بڑا محدث مجتہد جگ جانے
شمس الہند کہیں تس عالم عربی دور نکانے
بھی والد اس شاہ ولی اللہ بحر علوم ایہائی
شاہ رفیع الدین نے عبدالقادر اُسدا بھائی

اسمٰعیل بھتیجا اُسدا اٹھاں علم اُبھارے
نے مولانا اسحاق نواسہ جگاندے جگ تارے
یوروپ ہند پنجاب بنگالہ دکن سندھ ولایت
خوشہ چیں اُنہاندے گھر دا عالم اہل ہدایت

یہ دونوں حضرات یعنی شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ عرس کے جواز کے قائل اور عامل ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ہمیشہ اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ کا عرس مبارک کیا کرتے تھے۔ جب ان پر مولوی عبدالحکیم صاحب پنجابی نے اعتراض کیا کہ تم نے عرس کو فرض سمجھ لیا ہے، سال بسال کرتے ہو، تو اس کا جواب جو شاہ صاحب نے تحریر فرمایا، وہ زبدۃ النصائح، ص:42 میں اس طرح مرقوم ہے:

این طعن مبنی است بر جہل احوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقرر را ہیچکس فرض نمیداند۔ آرے زیارتِ قبول وتبرک بقبول صالحین وتلاوت قرآن ودعائے خیر وتقسیم طعام وشیرنی امر مستحسن وخوب است بہ اجماع علما وتعین روز عرس برائے آنست کہ آں روز مذکر انتقال ایشاں باشند از دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود، موجب فلاح است وخلف را لازم است کہ سلفِ خود را بایں نوع بر واحسان نماید، چنانچہ در حدیث مذکور است وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْلَهٗ۔

ترجمہ: اس طعن کا سبب طعن کرنے والے کی میرے حال سے ناواقفیت کا باعث ہے۔ اس لیے کہ فرائض شرعیہ کے سوا کوئی شخص فرض نہیں جانتا، البتہ زیارت قبور اور صالحین کے مزارات سے برکت حاصل کرنا، تلاوت قرآن شریف اور دعائے خیر کرنا، شیرینی اور کھانا تقسیم کرنا امر مستحسن اور بہ اتفاق علما جائز ہے اور عرس کا روز متعین کرنا اس لیے ہے کہ وہ دن ان کے روزِ وصال کے لیے یادگار ہو، ورنہ اگر ہر روز بھی یہ کار خیر یعنی عرس مبارک کیا جائے تو فلاح کا سبب ہے۔ بعد میں آنے والے کے لیے لازم ہے کہ اپنے بزرگوں کے ساتھ اس قسم (فاتحہ، درود، عرس وغیرہ) کا احسان کرتے رہیں۔ چنانچہ احادیث نبوی میں وارد ہے کہ نیک لڑکا اپنے والد کے لیے دعائے خیر کرتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا قول

محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''ازیں جاست حفظِ اعراسِ مشائخ ومواظبت زیارتِ قبور و التزام فاتحہ خواندن وصدقہ دادن برائے ایشاں واعتنائے تمام کردن بتعظیم آثار واولاد ومنتسبانِ ایشاں۔ یعنی اسی سے یہ مشائخ کے عرسوں کی حفاظت، ان کی قبور کی زیارت کرنا اور فاتحہ پڑھنا، صدقہ دینا، اس کا اہتمام کرنا اور اُن کے آثار واولاد کی تعظیم کرنا ثابت ہے۔

مولوی اسمٰعیل دہلوی کا قول

پس ہر عبادتیکہ از مسلمان ادا میشود وثواب آں بروحِ کسے از گزشتگان برساند وطریق رسانیدن آں دعائے خیر بجناب الٰہی است، پس ایں خود البتہ بہتر ومستحسن است ودیگر آں کس کہ ثواب بروحش میرسانند از اہل حقوق اوست بہ مقدارِ حق وے خوبی رسانید ایں ثواب زیادہ تر خواہد شد پس درخوبی ایں قدر امر از امور مرسومہ واعراس ونذر ونیاز شک وشبہ نیست۔

(صراط مستقیم، ص:55)

ترجمہ: ہر عبادت جو کہ مسلمان سے ادا ہو سکے اس کا ثواب میتوں کو پہنچادے اور اس کے پہنچانے کا طریقہ جناب الٰہی میں دعائے خیر کرنا ہے۔ پس یہ خود بہتر اور بہت اچھا ہے اور اگر وہ شخص اس کے حقداروں سے ہے تو جس کی روح کو ثواب پہنچانا ہے، اسی صورت میں قدر اس کے حق کے حساب سے خوبی پہنچانا زیادہ تر ثواب کا موجب ہے، پس فاتحہ وعرس اولیاء اللہ اور ان کی نذر ونیاز اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

اسی طرح قطب عالم شیخ عبد القدوس گنگوہی اپنے مکتوب میں مولانا جلال الدین قدس سرہٗ العزیز کو لکھتے ہیں: ''اعراس پیراں برسنت بہ سماع وصفائی جاری دارند۔''

یعنی پیرانِ طریقت کا عرس ان بزرگوں کی روش پر سماع اور صفائی کے ساتھ جاری رکھیں۔

پس گیارہویں شریف جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قطب الاقطاب سید عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز کا عرس مبارک ہے اور برائے ایصال ثواب ارواح مقدسہ منعقد کیا جاتا ہے

باتفاق علمائے اہل سنت وجماعت جائز ہے۔

گیارہویں شریف کے جواز کا دوسرے طریق سے ثبوت

یاد رہے کہ فرائض اور واجبات بعض مقید بوقت ہیں، جیسے نماز خمسہ، روزۂ رمضان، قربانی، مناسک حج اور بعض غیر موقت ہیں، جیسے صدقہ فطر، عشر وخراج وغیرہ اور باقی رہی عبادت نفلی، تو اس میں منجانب شرع کوئی قید نہیں، نفلی عبادت کرنے والا مختار ہے، جب چاہے کرے، خواہ کسی وقت کو خاص کر کے کرے یا کسی وقت کو خاص کیے بغیر کرے، خواہ کسی مصلحت سے ماہ اور دن مقرر کر کے کرے، شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے اور وہ منجانب اللہ مالک ومختار ہے، بلکہ بخاری میں ہے: خَیْرُ الْاَعْمَالِ اَدْوَمُهَا۔ یعنی جس عبادت نفلی پر مداومت کرے اس کو ہمیشہ نبھائے تو زیادہ مستحق اجر ہے۔

بس یہ لحاظ رہے کہ جس عبادت کو اللہ تعالیٰ نے فرض اور واجب نہیں کیا، اس کو اپنی طرف سے فرض اور واجب نہ جانے۔ نفل کو نفل جانتے ہوئے اس پر مواظبت اور ہمیشگی کرنا مستحسن ہے، جیسے بزرگان دین کے اعراس، تاریخ مقررہ پر کرتے ہیں۔ تیجہ، چالیسواں، ختم خواجگان اور گیارہویں شریف وغیرہ معمولاتِ مشائخ کرام ہے، لیکن اس تعین تاریخ کو اعتقاداً فرض اور واجب نہیں سمجھا جاتا، اس لیے اس میں کوئی قباحت شرعی نہیں اور حدیث شریف میں نفلی عبادات کے از خود اختیار کر لینے اور اس کے جواز وتعین کی متعدد مثالیں موجود ہیں، مثلاً:

ا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے از خود بلا ارشاد نبوی تحیۃ الوضو پڑھنے کی مبارک عادت اختیار فرما رکھی تھی، جس کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت میں اپنے آگے ان کی جوتیوں کی آواز سنی اور دریافت فرمایا کہ تم کون سی عبادت کرتے ہو، جس کی وجہ سے تمھیں اتنی شان عطائی ہوئی ہے، اور اُن کے نوافل کو جائز اور برقرار بھی رکھا۔ (مشکوٰۃ جامع المناقب)

2۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک صحابی نے نماز ادا کرنے کے وقت ہر سورہ کے ساتھ قل شریف ملانے کی عادت اختیار فرما رکھی تھی۔ جب ان کا یہ حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں عرض کیا گیا تو آپ نے اس صحابی سے اس کی وجہ دریافت فرمائی، انھوں نے عرض کیا: اس آیت شریف سے بوجہ توحید الٰہی مجھے بہت محبت ہے۔

یہ سن کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ۔

یعنی توحید الٰہی سے تیری یہ محبت تجھے جنت میں لے جائے گی۔

3۔ ابوداؤد میں ہے کہ اذان فجر سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سیکھے اور آپ کو بتائے بغیر خود بخود یہ دعا پڑھنے کی عادت اختیار فرما رکھی تھی:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَحْمَدُكَ وَ أَسْتَعِينُكَ عَلَى قُرَيْشٍ أَن يُّقِيمُوا دِينَكَ۔

4۔ اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہر حدیث شریف لکھنے سے پیشتر غسل فرمانے اور دو رکعت دوگانہ ادا کرنے کی عبادت اپنے اوپر لازم فرما رکھی تھی۔

(دیباچہ تجرید البخاری، ص:5، تاریخ وفیات الاعیان علامہ ابن خلدون)

سوال یہ ہے کہ اگر یہ جملہ کارہائے خیر اور نوافل عبادات وغیرہ کے لیے اپنی طرف سے وقت اور تعداد مقرر کرنے کی ہرگز اور مطلقاً اجازت نہیں ہے تو امام بخاری علیہ الرحمہ باوجود اتنے بڑے محدث اور متقی ہونے کے اس بدعت کے کیوں مرتکب ہوئے؟ پس گیارہویں شریف کو بھی جو بحکم الٰہی وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۔ (سورۂ دہر) وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ (سورۂ مائدہ) کے لحاظ سے سخاوت مالی اور ایثار اور امداد و معاونت علی التقویٰ پر موقوف ہے اور تعین وقت و تاریخ کے اعتبار سے نوافل اور عبادات بالسعادۃ میں شامل ہے۔ اسی پر دیگر اعمال نافلہ کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

گیارہویں شریف کے جواز کا تیسرا ثبوت

صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اکثر ذکر خیر فرماتے تھے اور بسا اوقات بکری ذبح فرماتے تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کاٹ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قرابت والوں کو بھیج دیتے تھے۔

حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ نذور اولیائے کرام میں اس حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قسم دیگر آنکہ حاکم یا زمیندار برائے صلہ بریادِ روحِ میت بہ نیت خوشنودی و رضائے او یکے علی التعیین بدہد و یا بطریق سالانہ وفصلانہ بنام آں مقرر سازد، ایں قسم نیز جائز است بنا بر حمل آں کہ جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از طعام و لحم نزد صدائق حضرت خدیجہ می فرستادند۔"

ترجمہ: نذر کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی حاکم یا زمیندار کسی صلے کے طور پر یا کسی بزرگ یا نیک میت کی روح کی خوشنودی اور ثواب کے لیے وقت مقرر کردے، جیسا کہ گیارہویں شریف ہر ماہ دی جاتی ہے، یا سالانہ یا ششماہی وغیرہ اس کے نام پر مقرر کردے تو نذر کی یہ قسم بھی جائز ہے، اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دوستوں میں اکثر گوشت اور کھانا بھیجتے رہتے تھے۔

میرا کہنا ہے کہ گیارہویں شریف کی بھی اصل ہے، کیوں کہ اس میں بھی بتوسل حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب پیران پیر، جملہ مومنین اور دیگر بزرگان دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے ارواح مقدسہ کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔

گیارہویں شریف کے جواز میں مولوی ثناء اللہ امرتسری کا فتویٰ

"گیارہویں شریف بظاہر ایک بزرگ اسلام کی یادگار کا ایک جلسہ ہے۔ اگر اسے مذہب کا جامہ نہ پہنایا جاتا، بلکہ دنیاوی صورت میں بطور یادگار کے سالانہ جلسہ کیا جاتا تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔" (حیات طیبہ:12)

1۔ کسی بزرگ اسلام کا بطور یادگار جلسہ سالانہ کرنا جائز ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر سالانہ جلسہ کرنا جائز ہے تو اسی اصول کے ماتحت ماہانہ جلسہ یعنی گیارہویں وعرس ومولود وغیرہ) بھی جائز ہوگا۔

2۔ جو چیز دنیاوی صورت میں جائز ہوگی وہ دینی صورت میں بھی جائز ہوگی اور جو چیز دنیاوی صورت میں حرام ہوگی وہ دینی صورت میں بھی حرام ہوگی، کیوں کہ بندہ دنیاوی اور دینی دونوں صورتوں میں اپنے اعمال کا اللہ کی جناب میں جواب دہ اور ذمہ دار ہے اور پھر مسلمان کی

دنیا، دین سے جدا نہیں ہے، جیسا کہ: رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً. اس بات پر شاہد ہے۔

گیارہویں شریف کی نیاز مندرجہ ذیل باتوں پر مشتمل ہوتی ہے:

(1) ایصال ثواب (2) الموسوم بالغیر (3) تعین الیوم (4) فاتح بر طعام (5) اگر ممکن ہو تو کچھ وعظ ونصیحت۔

1۔ ایصالِ ثواب کا ثبوت

1۔ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا: حضور! میری ماں اچانک فوت ہوگئی، میرا خیال ہے کہ اگر وہ بولتی تو کچھ اللہ کے لیے دیتی یا صدقہ دینے کی وصیت کرتی۔ اگر میں اس کی طرف سے کچھ صدقہ دوں تو اس کو اس کا اجر ملے گا؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ہاں! ضرور ملے گا۔ (مشکوٰۃ)

2۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ایصال ثواب کے لیے اکثر بکری ذبح فرما کر اس کا گوشت تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

3۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کون ہے جو میرے لیے مسجد عشا میں دو یا چار رکعت ادا کرے اور کہے کہ اس کا ثواب ابوہریرہ کے لیے ہے۔ (مشکوٰۃ)

4۔ صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد، ابن ماجہ اور دارمی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اپنی امت کے غریب و نادار لوگوں کی طرف سے بھی قربانی دیا کرتے تھے اور بوقت ذبح فرماتے تھے: بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِيْ۔ (مشکوٰۃ)

یعنی بسم اللہ اللہ اکبر، اے مولا کریم! یہ قربانی میری اور میری امت کے ان افراد کی طرف سے قبول فرما جو بوجہ افلاس قربانی دینے سے قاصر اور معذور ہیں:

یا رب تو کریم و رسولِ تو کریم
صد شکر کہ ہستم میان دو کریم

5۔ ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت حنش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ دو دو، یعنی ایک اپنی اور ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ آپ کے وصال شریف کے بعد میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں۔ (مشکوٰۃ)

6۔ ابوداؤد، جلد: 2 ص: 30، مسلم، ج: 2، ص: 156 میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک سیاہ ٹانگوں، سیاہ آنکھوں، سیاہ منہ، سینگ دار مینڈھا لانے کا حکم فرمایا۔ جب وہ آ گیا تو ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! چھری لاؤ اور اسے پتھر پر تیز کرو، پھر آپ نے چھری لے کر مینڈھے کو ذبح کیا اور فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُّحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ. یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کرتا ہوں، یا اللہ! محمد (ﷺ) کی طرف سے اور محمد (ﷺ) کی آل کی طرف سے اور محمد (ﷺ) کی امت کی طرف سے قبول فرما۔ پھر آپ نے اس کو قربانی فرمایا۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی آل اطہار کی طرف سے قربانی فرمائی اور حضرت شیخ المشائخ سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آل اطہار سے ہیں اور قربانی بھی ایک مقررہ تاریخ دسویں دن اور گیارہویں رات کو دی جاتی ہے، تو پھر ایک مقررہ تاریخ پر کوئی کار خیر کرنا، کسی بزرگ کی طرف سے صدقہ و خیرات کرنا، یا قرآن شریف پڑھ کر کسی بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کرنا کیوں ناجائز ہوگا؟

7۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ مَّرَّ عَلَى الْمَقْبَرَةِ وَقَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اَحَدَ عَشَرَ مَرَّاتٍ ثُمَّ وَهَبَ مِنْ اَجْرِهَا لِلْاَمْوَاتِ اُعْطِيَ مِنَ الْاَجْرِ بِعَدَدِ الْاَمْوَاتِ. (دار قطنی)

ترجمہ: جو شخص مقبرے پر گزرے اور گیارہ مرتبہ آیت قل ھو اللہ شریف پڑھ کر مردوں کو ایصال ثواب کرے تو جس قدر اُن سب مردوں کو ثواب پہنچے گا، اسی قدر اس کے پڑھنے والے کو ثواب عطا ہوگا۔

8۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں ایک نیک بخت آدمی کا درجہ بلند کرتا ہے، وہ عرض کرتا ہے: باری تعالیٰ! یہ درجہ کیوں بلند ہوا؟ ارشاد ہوتا ہے: بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ۔ یعنی تیرے بیٹے کے استغفار کی وجہ سے جو اُس نے تیرے لیے کیا۔
(مشکوٰۃ میں بحوالہ مسند احمد)

9۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثُ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيْقٍ فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيُدْخِلَ عَلٰى أَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ إِنَّ هَدِيَّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ الْإِسْتِغْفَارُ لَهُمْ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی فی شعب الایمان)

یعنی مردہ قبر میں ڈوبنے والے اور فریاد کرنے والے کی مانند ہوتا ہے تا کہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑے اور وہ اپنے باپ یا ماں، بھائی یا دوست کی طرف سے دعائے خیر کا منتظر ہوتا ہے۔ جب اسے ان کی طرف سے دعائے خیر پہنچتی ہے تو وہ دعا اسے تمام دنیا اور جو کچھ دنیا کے اندر ہے، اس سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل دنیا کی دعا کا ثواب اہل قبول کو بخشش اور رحمت میں پہاڑوں کی مانند پہنچاتا ہے۔ بے شک مردوں کے لیے زندوں کا تحفہ ان کے حق میں دعائے خیر اور استغفار کرنا ہے۔

یہ حدیث شریف ایصال ثواب کا بین ثبوت ہے۔ مانعین حضرات کو جو دعا بعد نماز جنازہ اور ایصال ثواب الی الاموات میں تیجہ اور چالیسواں وغیرہ، اگرچہ اس کے لیے خاص دن مقرر کرنے کا اعتقاد نہ بھی رکھا جائے، نہایت شدت سے روک کر نہ صرف مردوں سے عداوت کرتے ہیں بلکہ کتاب وسنت کا بھی صاف انکار کرتے ہیں، انھیں سبق حاصل کرنا چاہیے۔

10۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ در ثمین فی مبشرات النبی الامین حدیث نمبر:22،

ص:8 میں ارشاد فرماتے ہیں: ''میرے والد ماجد شاہ عبد الرحیم نے بیان کیا کہ میں ہر سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میلاد شریف کے موقع پر کھانا تقسیم کیا کرتا تھا۔ ایک سال مجھے نیاز دینے کی وسعت نہ رہی، تو میں نے بھونے ہوئے چنے ہی تقسیم کر دیے، پھر خواب میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ بعینہ وہی چنے سرکار ابد قرار کے پاس رکھے ہوئے موجود تھے۔

ان احادیث شریفہ اور دلائل سے آفتاب عالم تاب کی طرح روشن اور واضح ہو گیا کہ ہمارے صدقات، دعائے خیر، قرآن شریف وغیرہ کا ثواب اموات کو پہنچ جاتا ہے۔

2۔ الموسوم بالغیر

کسی چیز کو مجازاً غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ حدیث شریف میں اس کے اکثر دلائل وشواہد موجود ہیں، مثلاً:

1۔ حضرت سعید بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: حضور! إِنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِأُمِّ سَعْدٍ۔ (ابوداؤد اور نسائی بحوالہ مشکوٰۃ)

یعنی میری ماں فوت ہو گئی ہے، اس کے لیے کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: پانی! چنانچہ حضرت سعد نے کنواں کھودا، اور کہا کہ یہ اُم سعد کے لیے ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی چیز کا غیر اللہ کے نام پر مشہور کر دینا جائز ہے، ہاں! اگر ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کی بجائے بسم محمد یا بسم غوث وغیرہ کہا جائے گا تو مذبوحہ حرام ہوگا اور اُس کا کھانا جائز نہ ہوگا، ورنہ نہیں۔ جیسا کہ تفسیر حسینی میں ہے: وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ وحرام کرد آنچہ آواز بردارند بآں در وقت ذبح بغیر اللہ برائے غیر تعالیٰ بنام بتاں یا اسم پیغمبر بکشند۔

یعنی جس جانور پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے بجائے بتوں یا پیغمبروں کا نام لیا جائے اُسے اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے۔

تفسیر مواہب الرحمن میں ہے: وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ جس چیز کے ساتھ غیر اللہ کا نام پکارا

گیا، یعنی اللہ تعالیٰ کے بجائے غیر کے لیے ذبح کیا گیا۔ یہ نام پکارنا اس واسطے فرمایا گیا ہے کہ بت پرست بتوں کے نام سے پکارتے تھے اور ذبح کے وقت بتوں کا نام بھی لیتے تھے۔

تفسیر بیضاوی، کشاف، مدارک، جامع البیان، درمنثور اور تفسیر احمدی وغیرہ میں بھی یہی معنی لکھے ہیں: اَیْ رَفَعَ بِالصَّوْتِ عِنْدَ الذَّبْحِ لِلصَّنَمِ۔ یعنی جس پر بوقت ذبح بت کا نام لیا جائے اس کا گوشت کھانا حرام ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ۔ (سورۂ انعام، آیت: 121)

اسی طرح صاحب تفسیر معالم التنزیل نے لکھا ہے: وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اَیْ مَا ذُبِحَ لِلْاَصْنَامِ وَالطَّوَاغِيْتِ۔ یعنی جو جانور بتوں اور شیاطین کے نام پر ذبح کیا جائے وہ حرام ہے اور یوں کہنا کہ یہ بکرا غوث پاک کا ہے یا غریب نواز کا ہے وغیرہ وغیرہ اور پھر ذبح کے وقت اُسے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کیا تو ایسا ذبیحہ حلال ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ۔ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ۔ (انعام، آیت: 118-119)

ترجمہ: کھاؤ اُس چیز میں سے ذبح کرتے وقت جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے، اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان لانے والے ہو، اور یہ کہ نہ کھاؤ اُس چیز میں سے کہ ذبح کرتے وقت اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اور تحقیق تفصیل بیان کر دی، اللہ تعالیٰ نے واسطے تمہارے اس چیز کی جو تم پر حرام کر دی گئی ہے، مگر وہ چیز کہ بے بس ہو گئے ہو طرف اس کے اور بہت سے لوگ واقعی گمراہ کرتے ہیں خلق کو اپنی خواہشوں کے سبب بے علمی سے، یقیناً تیرا رب وہ ہے بڑا جاننے والا حد سے گزر جانے والوں کو۔ (تفسیر حسینی)

چنانچہ اس کی تائید مولوی اسمٰعیل دہلوی نے صراط مستقیم تقریر ذبیحہ میں اس طرح کی ہے:

"اگر شخصے بزے را در خانہ پرور کند تا گوشت او خوب شود او را ذبح کردہ پختہ فاتحہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخواند بخوراند خللے نیست"۔

یعنی اگر کوئی آدمی ایک بکرا گھر میں پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ خوب فربہ اور موٹا

ہو جائے، پھر اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت پکا کر اس پر حضرت غوث اعظم کی فاتحہ پڑھ کر لوگوں کو کھلا دے تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ کسی چیز پر مجازاً کسی دوسرے کا نام لینے سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔

2۔ کتاب الآثار امام محمد بن حسن شیبانی کے باب الایمان میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے ریوڑ میں ایک بکری حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے نامزد کی ہوئی تھی، الفاظ حدیث یہ ہیں: اِنَّهٗ سَمّٰى شَاةً مِّنْ غَنَمِهٖ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ یہ بکری اس کی حبشن خادمہ ریوڑ کے ساتھ چرایا کرتی تھی۔ کچھ مدت کے بعد وہ بکری ریوڑ سے گم ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ اس سے ناراض ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ماجرا بیان کیا۔ حضور پر نور نے خادمہ کو بلا کر اس کے ایمان دار ہونے کی تصدیق فرمائی اور حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اسے آزاد کر دیا۔ (ملخصاً)

3۔ کتاب اشاعت اسلام مؤلفہ مولوی حبیب الرحمن دیوبندی سابق مفتی حیدر آباد دکن میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ صحابہ کے لشکر سے جب کہ وہ بلاد ایران یا افریقہ کی فتح کے لیے نکلے تھے، پانی ختم ہو گیا، سب نے سربسجود ہو کر پانی کے لیے دعا کی۔ ایک غازی کے گھوڑے نے اپنے سُم سے زمین کو کریدا تو وہاں سے بحکم الٰہی ایک پانی کا چشمہ دستیاب ہوا۔ تمام لشکر اس کا پانی پی کر سیراب ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا، اس کا نام "ماء الفرس" یعنی گھوڑے کا پانی رکھا گیا۔

4۔ حجۃ اللہ علی العالمین اور دلائل النبوۃ حافظ ابو نعیم، جلد اوّل میں حکیم بن عطا صفری سے روایت ہے کہ بنو ظفر نے راشد بن عبد ربّہ کو "سواع بُت" کے لیے نذر دے کر بھیجا۔ راشد کہتا ہے کہ میں ابھی بُت کے پاس بھی نہیں پہنچا تھا کہ دوسرے بتوں نے بیک زبان کہا: خاندان عبدالمطلب میں ایک پیغمبر جن کا نام مبارک احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے پیدا ہو چکے ہیں، جو زنا کاری، سود خوری، بتوں کی نذر و نیاز سے روک کر ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا امر فرمانے اور زکاۃ دینے، بنی نوع انسان سے ہمدردی، اُنس و محبت اور صلہ رحمی کرنے کا حکم فرماتے ہیں۔ افسوس! تم تا حال بُت پوجتے ہو۔ اتنے میں دو گیدڑوں نے "سواع بُت" پر پیشاب کر دیا اور چل دیے۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں بُت کی پوجا سے نفرت پیدا ہو گئی اور میں مدینہ طیبہ میں

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا کر مسلمان ہو گیا۔ سرکار والا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "معلات" میں میری درخواست پر مجھے ایک زمین عطا فرمائی اور ایک پانی کی بھری ہوئی مشک میں لعاب مبارک ڈال کر عطا کی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسب الارشاد ایک گڑھے میں اس کو گرادیا جو ایک چشمہ بن گیا اور اب تک موجود ہے، اس پر کھجوروں کے درخت بھی لگوائے۔ رباط کے لوگ وہاں سے پانی پیتے اور نہاتے: وَسَمَّاهَا النَّاسُ مَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ﷺ) وَفِيْ رِوَايَةٍ مَاءَ الرَّسُوْلِ (ﷺ) مُلَخَّصًا۔ لوگ اس پانی کو "ماء رسول اللہ" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پانی کہا کرتے تھے اور مریضوں کو بطور آبِ شفا پلاتے تھے۔

ان احادیث مبارکہ میں جس طرح الفاظ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ شَاةٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ، مَاءُ الْفَرَسِ وَمَاءُ الرَّسُوْلِ۔ آئے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نام کی جس نیاز کا ثواب جناب پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کی روح پرفتوح کو بخشا جاتا ہے، اس کے لیے "گیارہویں شریف شیخ عبد القادر جیلانی" کے الفاظ کا اطلاق بھی جائز ہو گا، ورنہ اگر کوئی چیز محض غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے حرام ہو جاتی ہو تو پھر بیوی بھی خاوند پر حلال نہیں ہو سکتی، کیوں کہ وہ جب تک اللہ کی بندی کہلائی سب پر حرام رہی۔ جب اس پر غیر اللہ کا نام آیا یعنی فلاں کی بیوی تب وہ اسے حلال ہوئی، اسی طرح میرا مکان، بکر کی گائے، زید کا بکرا، اہل حدیث کی مسجد، صبح کی نماز، آسمان دنیا وغیرہ سب موسوم بالغیر کی مثالیں ہیں۔

مولیٰ کریم ارشاد فرماتا ہے: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ (سورۂ بقر)

یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لیے پیدا کیا۔

صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں: "جمہور علما اس آیت خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ سے اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ جب تک کوئی ممانعت شرعیہ نہ معلوم ہو، ہر چیز مباح اور حلال ہے، کیوں کہ اصل اشیا میں حلت ہے۔

صاحب تفسیر مواہب الرحمن اس آیت شریفہ کی شرح میں لکھتے ہیں: "اسی واسطے علما کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا، اس میں اصل اباحت ہے، یعنی اصل میں سب مباح ہے، پھر جس چیز کی نسبت دلیل خاص قائم ہو کہ اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے فقط

وہی حرام ہو گی اور حلال ہونے کے واسطے دلیل ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ وہ تو اسی آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیا کو آدمیوں کے نفع کے واسطے پیدا فرمایا ہے۔ جب تک کسی چیز کی نسبت بالخصوص حرام کر دینے کی دلیل معلوم نہ ہو، تب تک سب مباح ہے اور وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ کی بحث میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ جو جانور اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے یا جو نذر و نیاز غیر اللہ کے نام سے دی جائے وہ حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام کی نذر و نیاز یا ذبیحہ جس کا ثواب صالحین کی ارواح طیبہ کو ہدیہ کیا جائے، مطلق حلال اور طیب ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ۔

3۔ تعین الیوم

مانعین گیارہویں شریف کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ کسی کارِ خیر کے لیے دن مقرر کرنا ناجائز اور بدعت ہے، تو یہ بات درست نہیں بلکہ کارِ خیر کے لیے کسی دن کا مقرر کرنا سنتِ نبوی ہے جیسا کہ:

1۔ ابوداؤد میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے رحمتِ عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش نہ ہونے کا شکوہ کیا تو آپ نے عید گاہ میں منبر رکھنے کا حکم فرمایا: وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ۔ یعنی ایک دن معین فرمایا کہ اس دن سب لوگ عید گاہ چلیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دن طلوع آفتاب کے وقت عید گاہ تشریف لے گئے اور بارانِ رحمت کی دعا فرمائی۔ (مشکوٰۃ الاستقاء)

2۔ صحیح مسلم اور بخاری میں ہے: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِيْ مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَّرَاكِبًا فَيُصَلِّيْ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ۔ (مشکوٰۃ)

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے مسجد قبا میں کبھی پیدل اور کبھی سوار ہو کر تشریف لاتے اور دو رکعت تحیۃ المسجد نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ (مظاہر الحق، جلد دوم، ص: 347)

فائدہ: اس میں دلیل ہے کہ ملاقات کرنا صلحا سے ہفتے کے دن سنت ہے۔

3۔ صحیح بخاری کتاب العلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِی الْاَیَّامِ کَرَاہِیَةَ السَّآمَةِ عَلَیْنَا۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے پریشان ہوجانے کے خیال سے وعظ فرمانے کے لیے چند دن (سوموار، جمعرات) مقرر فرمائے ہوئے تھے۔

3۔ بخاری اور مسلم میں حضرت شقیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ یُذَکِّرُ النَّاسَ فِیْ کُلِّ خَمِیْسٍ۔

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعرات لوگوں کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔

5۔ اسی طرح بخاری میں ہے: عَنْ کَعْبِ ابْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَلَّمَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ اِذَا خَرَجَ فِیْ سَفَرٍ اِلَّا یَوْمَ الْخَمِیْسِ۔

ترجمہ: حضرت ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعرات کے سوا کسی اور دن سفر فرمایا ہو۔

سوال یہ ہے کہ آیا جمعرات کے سوا باقی دن اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نہیں تھے؟ چنانچہ ثابت ہوا کہ جمعرات کا دن مقرر کرنے میں کوئی خاص راز اور برکات مخفی تھے جو جناب رسالت مآب کے سوا دوسرا کوئی نہیں جانتا۔

6۔ مشکوٰۃ، کتاب الجنائز بحوالہ سنن بیہقی حضرت محمد بن نعمان سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَیْہِ اَوْ اَحَدِہِمَا فِیْ کُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَ لَہٗ وَکُتِبَ بِرًّا۔ یعنی جو آدمی اپنے ماں باپ یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قبر کی جمعہ کے دن زیارت کرے تو اُس کی بخشش کی جاتی ہے اور اُسے والدین کے ساتھ احسان کرنے والا لکھا جاتا ہے۔

7۔ صحیح بخاری میں حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خاتون ہمیں ہر جمعہ چقندر اور جو کے آٹے سے تیار کیے ہوئے کھانے کی ضیافت کیا کرتی تھی اور پھر فرماتے ہیں: وَ کُنَّا نَتَمَنّٰی یَوْمَ الْجُمُعَةِ لِطَعَامِہَا ذٰلِکَ۔ یعنی ہم اس کی ضیافت کھانے کے لیے جمعہ مبارک کا انتظار کیا کرتے تھے۔

8۔ بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے خواتین کی درخواست پر ایک دن مقرر کر کے اُنھیں وعظ و نصیحت فرمائی۔

معلوم ہوا کہ کارِ خیر کے لیے دن مقرر کرنا جائز ہے۔

9۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پیر کا روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا، آپ نے ارشاد فرمایا: فِیْہِ وُلِدْتُ وَفِیْہِ اُنْزِلَ عَلَیَّ۔

یعنی اسی سوموار کو میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر قرآن شریف نازل ہونا شروع ہوا۔

10۔ سنن ترمذی میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بارگاہِ الٰہی میں پیر اور جمعرات کے عمل پیش کیے جاتے ہیں، اس لیے میں اس دن روزہ رکھنا محبوب جانتا ہوں۔ (مشکوٰۃ)

11۔ ابوداؤد اور نسائی میں اُمّ سلمہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے ہر مہینے کے تین دن پیر، منگل، بدھ یا جمعرات، جمعہ، ہفتہ کے دنوں میں روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

12۔ سنن دارمی میں حضرت مکحول سے روایت ہے کہ جو آدمی جمعہ کو سورۂ آل عمران پڑھے، فرشتے رات تک اس کے لیے دعا اور استغفار کرتے رہتے ہیں۔

13۔ سنن دارمی میں حضرت کعب سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جمعہ کو سورۂ ہود پڑھنے کا حکم فرمایا کہ اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ ہُوْدٍ یَوْمَ الْجُمُعَةِ۔

14۔ حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ جو آدمی جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے دو جمعوں تک اس کے دل میں نور ایمان و ہدایت روشن رہتا ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں: مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْکَہْفِ فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ اَضَاءَ لَہُ النُّوْرُ مَا بَیْنَ الْجُمُعَتَیْنِ۔ (مشکوٰۃ)

15۔ حضرت اوس بن اوس سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فِیْہِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْہِ قُبِضَ وَفِیْہِ النَّفْخَةُ وَفِیْہِ الصَّعْقَةُ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِیْہِ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَیَّ۔

(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، بیہقی)

ترجمہ: تمہارے لیے بہتر دنوں میں جمعہ مبارک کا دن ہے، اسی میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے، اسی دن وفات پائی، اسی دن دوسرا نفخہ پھونک کر مردے زندہ کیے

جائیں گے، اسی دن پہلا نفخہ پھونک کر مارے جائیں گے، اسی دن مجھ پر بکثرت درود شریف بھیجا کرو، کیوں کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

16۔ اسی طرح حضرت ابوداؤد سے روایت ہے: أَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔
یعنی جمعہ کے دن مجھ پر بہ کثرت درود شریف بھیجا کرو۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابن ماجہ)

باری تعالیٰ نے بھی وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللهِ۔ یعنی ایام اللہ ان کو یاد دلائیں فرما کر ایام انعام نزول من وسلویٰ وغیرہ کی تخصیص فرمائی۔

ہم مانعین گیارہویں شریف سے پوچھتے ہیں کہ جب حدیث نبوی سے دن مقرر کر کے استسقا کی نماز ادا کرنا، وعظ ونصائح کرنا، سفر کے لیے دن مقرر کرنا، دن مقرر کر کے اہل اسلام کی ضیافتیں کرنا، مساکین کو کھانا کھلانا، خاص ایام میں خاص سورتوں کا پڑھنا، روزے رکھنا اور درود شریف بکثرت بھیجنے کے لیے جمعہ کی تخصیص فرمانا، یہ تمام باتیں بوجہ احسن ثابت ہیں تو پھر دن مقرر کر کے گیارہویں شریف میں فی سبیل اللہ کھانا کھلانے کو وہ کس دلیل سے ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں؟

17۔ تمام فرائض واحکام اسلامی، نماز، روزہ، حج، زکاۃ وغیرہ دن اور وقت مقررہ پر ادا کیے جاتے ہیں۔

18۔ دن مقرر کر کے نذر ونیاز دینے سے بہت سے مساکین اور اہل اسلام اکٹھے ہو جاتے ہیں، جن کے باہمی میل ملاپ اور فیض صحبت سے ایک دوسرے کو دینی اور دنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے: وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ۔ (مشکوٰۃ، موطا)

یعنی میری محبت ان لوگوں کے واسطے واجب ہوگئی جو آپس میں صرف میرے لیے ہی محبت کرتے ہیں، میرے لیے ہی باہم مل کر بیٹھتے ہیں، میرے لیے ہی ایک دوسرے کی زیارت کرتے اور میرے ہی واسطے آپس میں خرچ کرتے ہیں۔ اس پر بھی بوجہ احسن عمل ہو جاتا ہے۔

19۔ تمام قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں کہیں ایک جگہ بھی حکم نہیں ہے کہ کار خیر کے لیے دن مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔

20۔ دن مقرر کر کے نذر ونیاز دینے سے کھانا کھانے کے لیے فقرا ومساکین خود بخود جمع ہو جاتے ہیں، پھر مجلس ذکر میں شمولیت اور وعظ سننے کے لیے اہل اسلام بھی جمع ہو جاتے ہیں۔

21۔ دن مقرر کر کے نذر ونیاز دینے سے عمل خیر پر مداومت مقصود ہوتی ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ۔ (بخاری ومسلم)

یعنی محبوب ترین عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔

نیز فرمایا: یَا عَبْدَ اللهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ۔ (متفق علیہ)

اے عبد اللہ! تم فلاں شخص کی طرح نہ ہو جانا کہ اس نے رات کو نفل پڑھنے کی عادت ڈال کر ترک کر دی۔

دیکھئے رات کا قیام اگرچہ فرض واجب نہ تھا، مگر شروع کر کے چھوڑ دینا معیوب ٹھہرا، اسی طرح ایصال ثواب کی غرض سے کیا جانے والا عمل، گیارہویں شریف اور اعراس کو بھی سمجھنا چاہیے، مگر یاد رہے کہ ہمارا یہ اعتقاد ہرگز نہیں ہے کہ دن مقرر کرنا فرض ہے یا واجب ہے اور دن مقرر کیے بغیر دوسرے دنوں میں نذر ونیاز اور عمل خیر قبول ہی نہیں ہوتا بلکہ ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ جس دن بھی اللہ کی راہ میں نذر ونیاز دی جائے یا اعمال صالح کیے جائیں وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ہماری فلاح کا باعث ہیں۔ ہم اسے ایک امر مستحسن جانتے ہیں، کیوں کہ تمام سلف صالحین نے اسے اچھا جان کر اس پر مداوت فرمائی ہے، جیسا کہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی فتاویٰ عزیزیہ میں فرماتے ہیں: ”عرس کا دن اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ وہ ان کے وصال کے لیے یادگار ہو۔“ اور ایسے ہی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی پیر ومرشد علمائے دیوبند رحمۃ اللہ علیہ بھی فیصلہ ہفت مسئلہ، ص:8 تا 10 میں ارشاد فرماتے ہیں: ”رہا تعین تاریخ تو یہ بات تجربہ سے معلوم ہوئی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت معمول ہو، اس وقت وہ یاد آجاتا ہے اور ضرور ہو رہتا ہے، نہیں تو سالہا سال گزر جاتے ہیں کبھی اس کا خیال بھی نہیں آتا، پس اس مصلحت کی بنا پر بھی گیارہویں اور اعراس وغیرہ کے لیے دن مقرر کیا جاتا ہے۔“

اب ہم دن مقرر کرنے کے جواب کے متعلق جناب مولوی ثناء اللہ ایڈیٹر اخبار اہلحدیث

امرتسر کا فتویٰ نقل کرتے ہیں۔ امید ہے کہ اس میں محافل ذکر خیر مولود شریف وغیرہ کو بدعت کہنے کا جواب بھی آجائے گا۔

دن مقرر کرنے کے جواز میں مولوی ثناء اللہ صاحب کا فتویٰ

اخبار اہلحدیث، امرتسر، 20 اگست 1937، صفحہ: 13 میں ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

سوال نمبر: 223، مدرسہ وانجمنیں وکتب خانے قائم کرنے اوران کے نام رکھنا، جیسے دارالعلوم، مدرسۃ الحدیث، انجمن اہلحدیث، آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس، آل انڈیا مومن کانفرنس، اتحاد المسلمین، جمعیۃ العلماء، سعید لائبریری، اسلامیہ لائبریری وامثالہا اوران ناموں کے سائن بورڈ لگانا اوران کے متعلق سالانہ مقررہ وغیر مقررہ جلسے اوران کے اشتہار دینا، ڈھنڈورکرنا، لوگوں کو بلانا اور ریزولیوشن، میموریل، ضیافت، شامیانہ، فرض، روشنی، زینت، اسٹیج، پنڈال وغیرہ بنانا اور ناظم اور خزانچی وصدر وممبر وغیرہ مقرر کرنا اوران کے دستور العمل بنانا اور لوگوں کو ان کا پابند کرنا، تعلیم وتقریر، کتب بینی کے لیے اوقات مقرر کرنا، تقریر اور امثالہا میں صدر کی اجازت وہدایت کا لوگوں کو پابند کرنا اوران میں غیر مسلمین کو شریک کرنا ثابت وجائز ہے یا نہیں؟

جواب نمبر: 223، یہ تمام امور بہ نیت خیر کرنے جائز ہیں: ذَرُوْنِیْ مَاتَرَکْتُکُمْ وَلِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ اسی اصول کے مطابق بزم غوثیہ، بزم چشتیہ وغیرہ منا کر بزرگان دین کے عرس شریف، میلاد النبی اور گیارہویں شریف کے جلسے دن اور وقت مقرر کر کے کیے جاتے ہیں، جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ماثبت بالسنہ میں دن مقرر کرنے کے متعلق لکھتے ہیں: اِنَّمَا ھُوَ مِنْ مُسْتَحْسَنَاتِ الْمُتَاَخِّرِیْنَ۔ یعنی دن مقرر کرنا علمائے متاخرین کے نزدیک مستحسن ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

4۔ فاتحہ وختم برطعام

طعام کو سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ وختم یعنی آیات قرآنیہ وکلمات طیبات کا پڑھنا جائز، باعث

ثواب اور سنت نبوی ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہیں: خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً تُطَھِّرُھُمْ وَ تُزَکِّیْھِمْ بِھَا وَ صَلِّ عَلَیْھِمْ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمْ۔ (سورۂ توبہ)

ترجمہ: ان کے مال سے خیرات لے کر پاک کرے ان کو یعنی طاہر اور پاکیزہ کرے تو ان کو ساتھ اس کے یعنی باطن میں اور دعا خیر بھیج اوپر ان کے، بے شک دعائے خیر تیری، تسکین ہے واسطے ان کے۔ (مطابق ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلوی)

اس آیت شریفہ کے تحت امام بخاری علیہ الرحمہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت کرتے ہیں: کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَاہُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِھِمْ قَالَ: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ فُلَانٍ فَاَتَاہُ اَبِیْ بِصَدَقَتِہٖ فَقَالَ: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی۔ (بخاری)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ جب کوئی شخص آپ کے پاس صدقہ لے کر آتا، تو آپ فرماتے: یا اللہ! فلاں کی اولاد پر رحم فرما۔ چنانچہ جب میرے والد آپ کے پاس صدقہ لے کر آئے، تو آپ نے فرمایا: یا اللہ! ابواوفی کی اولاد پر رحم فرما۔

2۔ مشکوٰۃ، باب المعجزات میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہ انصاری نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھوک کی وجہ سے آواز سست پا کر اپنی بیوی ام سلیم سے کہا کہ اگر تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے تو لاؤ۔ چنانچہ انھوں نے کچھ جَو کی روٹیوں کو اس مسجد میں جو غزوۂ خندق میں حضور نے نماز ادا کرنے کے لیے بنائی تھی، لے گئے اور بعد سلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: حضور! یہ روٹیاں ابوطلحہ نے بھیجی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اس وقت بہت سے لوگ موجود تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ آپ سب لوگ ضیافت کھانے کے لیے ابوطلحہ کے گھر چلیں۔ چنانچہ آپ ابوطلحہ کے گھر تشریف لے گئے، ام سلیم نے روٹیاں پیش کیں۔ حضور نے ان کو تڑوا کر یعنی ریزہ ریزہ کروا کر ان میں گھی کا کُپّا نچڑوایا اور مالیدہ بنوایا، پھر:

دَعَا فِیْہِ بِالْبَرَکَۃِ فَعَادَ کَمَا کَانَ فَقَالَ دُوْنَکُمْ ھٰذَا۔ (صحیح مسلم)

یعنی اس میں برکت کے لیے دعا فرمائی، پھر دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلانا شروع کیا حتی کہ

اسی آدمی کھا چکے یا اس سے زیادہ، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود تناول فرمایا اور ابوطلحہ کے تمام گھر والوں نے بھی کھایا، مگر کھانے میں پہلے سے ذرا بھی کمی واقع نہ ہوئی۔

مظاہر الحق میں ہے کہ حضور نے اس کھانے پر ان الفاظ میں دعا فرمائی: بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ فِيْهَا الْبَرَكَةَ. یعنی اے مولی! اس کھانے میں زیادہ برکت عطا فرما۔

3۔ ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ایک شخص نے بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا کھایا، پھر جب ایک لقمہ باقی رہ گیا تو بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ کہہ کر اس کو منہ میں رکھ لیا۔ اس بات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی اور ارشاد فرمایا کہ اس کے ساتھ شیطان کھا رہا تھا، مگر جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان نے جو کچھ کھایا تھا کھڑے ہو کر قے کر دیا۔

اسی طرح صحیح مسلم میں روایت ہے کہ جس کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس میں شیطان کا حصہ ہو جاتا ہے۔

مقام غور ہے کہ جب قرآن شریف کی ایک آیت ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کا پڑھنا کھانے پر جائز اور ضروری ہوا تو دوسری قرآنی آیات جو فاتحہ میں پڑھی جاتی ہیں، کیوں ناجائز اور بدعت ہوں گی۔

4۔ مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک میں جب لوگ بھوک سے نڈھال ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دعا کرانی چاہی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی کے پاس بچا ہوا تھوڑا، بہت کھانا موجود ہو، لے آئے۔ چنانچہ ایک چمڑے کے دسترخوان پر کسی نے مٹھی بھر جوار، کسی نے مٹھی بھر کھجور اور کسی نے روٹی کے ٹکڑے لا کر جمع کر دیے: فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَرَكَةِ. چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کھانے پر دعا فرمائی۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ، جلد: 4، ص: 591 میں اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں: ''ولشکر در غزوہ تبوک گفتہ اند کہ بصد ہزار رسیدہ بود''۔

یعنی اس موقع پر پورے ایک لاکھ صحابہ کرام موجود تھے، جن کے سامنے حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے کھانا آگے رکھ کر اس پر دعا فرمائی۔

پس ان احادیث کریمہ سے ثابت ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھانے پر دعا مانگی ہے۔ ہاں! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ دعا فرمائی جس کی آپ کو ضرورت تھی، اور ہم وہ دعا مانگتے ہیں جس کی ہمیں ضرورت ہوتی ہے۔ مگر نفسِ دعا میں دونوں برابر ہیں۔ باقی رہا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ثبوت، تو جامع صغیر علامہ جلال الدین سیوطی کی ایک حدیث ہے: اِنَّهٗ كَانَ اِذَا دَعَا جَعَلَ بَطْنَ كَفَّيْهِ اِلٰى وَجْهِهٖ. یعنی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا فرماتے تو ہاتھ اٹھانے میں اپنی ہاتھ کی ہتھیلی اپنے چہرۂ مبارک کی طرف کرتے۔

پس اس (قولی اور فعلی) دعا میں ہاتھ اٹھانا بھی ثابت ہو گیا۔

شاہ ولی اللہ دہلوی سے فاتحہ بر طعام کا ثبوت

وہ فرماتے ہیں: ''پس دہ مرتبہ درود خوانده تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگانِ چشت عموماً بخوانند و حاجت از خدا تعالیٰ سوال نمایند''۔ (انتباہ فی سلاسل اولیا، ص: 100)

یعنی اس کے بعد دس دفعہ درود شریف پڑھ کر اور کچھ شیرینی پر خواجگان چشت کے نام کی فاتحہ پڑھیں اور اپنی حاجات کے رفع ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔

مزید زبدۃ النصائح، ص: 132 میں فرماتے ہیں: اگر ملیدہ شیر برنج بناء بر فاتحہ بزرگے بقصدِ ایصال ثواب بروحِ ایشاں پزند بخورانند مضائقہ نیست جائز است و طعام نذر اللہ اغنیا را خوردن حلال نیست، اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ پس اغنیا را ہم خوردن دراں جائز است۔

یعنی اگر خورمہ یا کھیر وغیرہ پر کسی بزرگ کی روح کے ایصال ثواب کے لیے فاتحہ پڑھ کر کسی کو کھلا دیں کوئی حرج نہیں ہے، نیز اللہ تعالیٰ کی نیاز کا کھانا صرف مساکین کے لیے روا ہے اور کسی بزرگ کا فاتحہ دیا ہوا کھانا امیر غریب سب کے لیے جائز ہے۔

شاہ عبد العزیز دہلوی سے کھانے پر دعا مانگنے کا ثبوت

وہ فرماتے ہیں:

1۔ حضرت امیر وذریۂ طاہر اورا تمام امت برمثال پیراں ومرشداں می پرستند وامور تکوینیہ راوابستہ ایشاں دانندہ وفاتحہ ودرود وصدقات ونذر بنام ایشاں رائج ومعمول گردید۔

یعنی امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضور کی اولاد مطہرہ کو تمام امت بمنزلہ پیروں اور مرشدوں کے جانتی اور امور تکوینیہ کو ان سے وابستہ جانتی ہے، نیز لوگ فاتحہ، درود، نذرو صدقات وغیرہ ان کے نام دیتے ہیں۔ چنانچہ دوسرے اولیائے کرام کے ساتھ بھی لوگ یہی معاملہ کرتے ہیں۔

2۔ پھر سوالات عشرۂ محرم کے سوال نہم کے جواب میں لکھتے ہیں: ''طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند وبرآں فاتحہ وقل ودرود خوانند تبرک میشود وخوردن آں بیسار خوب است۔''

یعنی جس کھانے اور نیاز کا ثواب حضرت امامین علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ارواح طیبہ کو بخشیں اور اس پر فاتحہ وقل ودرود پڑھیں تو وہ کھانا متبرک ہوجاتا ہے اور اس کا کھانا بہت بہتر ہے۔

(فتاویٰ عزیزی، ج:1، ص:5)

3۔ نیز تفسیر عزیزی میں ارشاد فرماتے ہیں: ''چنانچہ فاتحہ وقل ودرود خواندن طریق متعین است برائے رسانیدن ماکولات ومشروبات بارواح''۔ یعنی اسلام میں قل شریف اور الحمد شریف پڑھ کر کھانے اور شربت وغیرہ کا ثواب اموات کو پہنچانے کا طریقہ متعین اور مقرر ہے۔

مولوی اسمٰعیل دہلوی سے فاتحہ برطعام کا ثبوت

صراط مستقیم، صفحہ: 64 میں لکھتے ہیں: ''نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست۔ چہ ایں معنی بہتر وافضل''۔ یعنی یہ نہ سمجھیں کہ مردوں کے لیے طعام اور فاتحہ خوانی کے ذریعے سے نفع پہنچانا درست نہیں، بلکہ ایسا کرنا بہتر اور افضل ہے۔

تفسیر مدارک، معالم، بیضاوی اور کبیر میں روایت ہے کہ نماز ظہر کے وقت ایک سائل نے مسجد نبوی میں آکر سوال کیا، جب اسے کچھ نہ ملا تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا: یا اللہ! تو گواہ رہنا کہ میں نے مسجد نبوی میں سوال کیا اور محروم رہا۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اس وقت رکوع میں تھے، اپنا دایاں ہاتھ اس کی طرف کر دیا۔ اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے سامنے ہی انگوٹھی آپ کے دست اقدس سے اتار لی۔ مولیٰ کریم نے یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ۔ (سورۂ مائدہ) یعنی زکاۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں، کے ذریعے آپ کی تعریف فرمائی۔

اس سے ثابت ہوا کہ حالت نماز میں جب کسی قسم کی غیر حرکت کرنا منع ہے، جمع بین العبادتین جائز ہے تو خارج از نماز بھی تلاوت قرآن مجید، دعا تقسیم شیرینی اور طعام جو بصورت ختم مروج ہے، جائز ہوگا۔ نیز پروردگار عالم قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے:

اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ (سورۂ بقرہ)

یعنی پہنچتا ہوں پکارنے والے کی پکار کو جس وقت مجھے پکارتا ہے۔ (ترجمہ شاہ عبدالقادر)

اس آیت شریفہ سے جب ہر وقت دعا مانگنے کی اجازت ثابت ہے تو کوئی آدمی اگر تیجہ، چہلم، عرس شریف اور گیارہویں شریف کے دن کھانے یا شیرنی پر دعا کرے گا، تو کیوں جائز نہ ہوگا؟ نیز اللہ رب العزت فرماتا ہے: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔ یعنی اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاص وعام مسلمان مردوں اور خواتین کے گناہوں کی معافی مانگو۔

اس آیت شریفہ میں مومنین سے زندہ اور مردہ دونوں مراد ہیں اور اس آیت شریفہ میں تخصیص زمانی اور مکانی بھی نہیں ہے۔ پس اس سے ہر وقت اور ہر جگہ استغفار زندوں اور مردوں دونوں کے لیے درست ثابت ہوا۔

تمام قرآن پاک اور حدیث شریف میں کہیں بھی کھانے پر دعا نہ مانگنے کا حکم نہیں، لہٰذا خواہ مخواہ منع کرنا بھی جائز اور درست نہیں ہے۔

فائدہ: یاد رہے کہ کھانے پر دعا مانگنا مستحب ہے، واجب نہیں۔

مزارات اولیاء اللہ پر حاضر ہو کر قربانی ونذر ادا کرنے کا ثبوت

مشکوٰۃ میں بحوالہ ابوداؤد حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ وہ ایک اونٹ مقام بوانہ (مکہ معظمہ کے نیچے ایک گاؤں) پر جاکر قربانی کرے گا۔ چنانچہ وہ شخص حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور اس کی اجازت چاہی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا وہاں زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت ہے جو اب تک پوجا جاتا ہے؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: کیا وہاں زمانہ جاہلیت کے مشرکوں کا میلہ ہوتا ہے جیسا کہ وہ کیا کرتے تھے؟ عرض کیا: نہیں، یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ۔ یعنی اپنی نذر پوری کرو، اس لیے کہ وہ نذر پوری نہیں ہونی چاہیے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آئے اور نہ وہ نذر جس پر انسان قدرت اور طاقت نہ رکھتا ہو۔

فائدہ: اگر کوئی نذر مانے کہ میں فلاں ولی کے مزار پر بیٹے کی قربانی دوں گا یا طوائف نچاؤں گا، یا آتش بازی کروں گا، تو یہ نذر بوجہ معصیت سخت ممنوع ہوگی۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ میں فلاں درگاہ کے درویشوں یا فلاں مزار کے فقرا کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کھانا کھلاؤں گا تو یہ نذر ہر طرح سے جائز ہے، جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

''حضرت ایشاں یعنی آپ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم در قصبہ ڈانسہ بزیارت مخدوم الٰہ دیا رفتہ بودند۔ شب ہنگام بود، دراں فرمودند کہ مخدوم ضیافت ما می کنند و می گویند کہ چیزے خوردہ روید توقف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد و ملال بر یاراں غالب آمد۔ آنگاہ زنے بیامد طبق برنج و شیرینی بر سر و گفت کہ نذر کردہ بودم کہ زوجش من بیاید۔ ہماں ساعت ایں طعام پختہ بہ نشینندگان درگارہ مخدوم اللہ دیا رسانم، دریں وقت آمد، ایفائے نذر کردم و آرزو کردم کہ کسے آنجا باشد تا تناول کند۔ (انفاس العارفین)

ترجمہ: ایک دفعہ والد ماجد قصبہ ڈانسہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ رات کا وقت تھا، والد صاحب نے فرمایا کہ مخدوم ہماری ضیافت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کچھ کھانا کھا کر چلے جانا۔ ہم ٹھہر گئے، حتیٰ کہ لوگوں کی آمد و رفت بند ہوگئی۔ زیادہ دیر ہوجانے کی وجہ سے دوستوں کو ملال پیدا ہوا۔ اسی وقت ایک خاتون چاول اور شیرینی کا تھال سر پر رکھے ہوئے آئی اور کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جب میرا خاوند آئے گا تو کھانا پکا کر مخدوم اللہ دیا کے درباریوں کو کھلاؤں گی۔ اس وقت میرا خاوند آیا، میں نے نذر پوری کردی۔ خیال تھا کہ

اگر کوئی وہاں ہوگا تو کھالے گا۔

مزاراتِ اولیاء اللہ یا قبرستان میں وعظ کرنے کا ثبوت

وعظ و ہدایت کرنا امر الٰہی اور بذاتِ خود ایک مستحسن اور مقبول فعل ہے اور دن مقرر کر کے وعظ و ہدایت کرنے کا ثبوت بروایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحوالہ بخاری و مسلم، باب تعین الیوم میں پیچھے لکھا جا چکا ہے۔ ہاں! اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بزرگانِ دین کے مزارات مقدسہ پر اعراس وغیرہ کے دنوں میں اکٹھے ہو کر وعظ و نصیحت و مسائل وغیرہ کرنے کا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ بخاری مطبع مجتبائی، صفحہ: 182 باب موعظة المحدث عند القبر و قعود اصحابہ حولہ میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ ہم بقیع غرقد میں ایک جنازہ میں تھے۔ ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آکر بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھے۔ آپ کے پاس ایک چھڑی تھی، جس کو زمین پر ٹکا کر سر جھکا لیا اور اپنی چھڑی سے زمین کو کریدنا شروع کیا، پھر فرمایا: مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ مَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوسَةٍ إِلَّا كُتِبَ مَكَانُهَا مِنَ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ إِلَّا وَ قَدْ كُتِبَتْ شَقِيَّةً أَوْ سَعِيدَةً. فَقَالَ: رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلَى كِتَابِنَا وَ نَدَعُ الْعَمَلَ فَمَنْ كَانَ مِنَّا مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيَصِيرُ إِلَى عَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ وَ أَمَّا مَنْ كَانَ مِنَّا مِنْ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيَصِيرُ إِلَى عَمَلِ الشَّقَاوَةِ قَالَ: (أَمَّا أَهْلُ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُونَ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَ أَمَّا أَهْلُ الشَّقَاوَةِ فَيُيَسَّرُونَ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ) ثُمَّ قَرَأَ: فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَ اتَّقَى ۔ (بخاری، موعظة المحدث)

یعنی تم میں سے کوئی نہیں جس کا ٹھکانا جنت و دوزخ لکھا گیا ہے اور لیکن اس کا شقی یا سعید ہونا ضرور لکھا گیا ہے۔ تب ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے نوشتہ پر بھروسہ نہ کریں اور عمل کرنا چھوڑ دیں کہ ہم میں جو شخص اہلِ سعادت سے ہوگا، وہ عنقریب نیک عمل کا بدلہ پائے گا اور ہم میں جو شخص اہل شقاوت ہوگا، وہ عنقریب برے عمل کا بدلہ پائے گا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن اہل سعادت پر اس کے نیک عمل کے سبب آسانیاں کی جائیں گی اور اہل شقاوت پر اس کے برے عمل کے سبب آسانیاں کی جائیں گی، پھر آپ نے یہ

آیت تلاوت کی: فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی۔

اب اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ گیارہویں شریف بدعت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، تو ہم کہیں گے کہ بری بدعت وہ ہوتی ہے جو قرآن وحدیث کے مخالف ہو، اور اس کی اصل قرآن وحدیث میں نہ پائی جائے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ۔ (مشکوٰۃ)

یعنی جو شخص ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالے جو اس میں موجود نہ ہو تو وہ رد ہے۔

اسی لیے مظاہر الحق شرح مشکوٰۃ میں ہے:

''نکالنا اس چیز کا کہ مخالف کتاب اور سنت کے نہ ہو، بُرا نہیں ہے۔''

اور گیارہویں شریف کی غرض وغایت محض ایصال ثواب ہے، جس کا ثبوت قرآن وحدیث پاک میں موجود ہے، تو پھر اس پر بدعت سیئہ کا اطلاق کس طرح جائز ہوگا اور اس کے مجوزین نعوذ باللہ مشرک کیسے ہوں گے؟ جیسا کہ حافظ عبداللہ روپڑی ایڈیٹر اخبار تنظیم اہلحدیث نے کسی سائل کے فتویٰ پوچھنے کے جواب میں گیارہویں شریف کرنے والے کو مشرک ٹھہرایا ہے۔

حافظ عبداللہ روپڑی کا فتویٰ

3۔ اگر واقعہ بالکل سچ ہے، تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ لڑکا بھی گیارہویں دیتا اور کھاتا ہے، تو وہ مشرک ہے اور مشرک کے ساتھ نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔

(اخبار تنظیم اہلحدیث روپڑی، ص:5، 15رفروری 1953)

مولوی رشید احمد دیوبندی فتاویٰ رشیدیہ، حصہ اول، ص:95 میں لکھتے ہیں:

''گیارہویں حرام ہے۔'' (قرآن پڑھایا ہوا یا صدقہ) ایسے عقائد فاسد موجب کفر ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو محض فروعات کی بنا پر باہمی تکفیر اور تفرقہ بازی سے محفوظ رکھے۔ (آمین بحرمت سید المرسلین)

نیز جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ مبارک کے بعد امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ مبارک کی پہلی اذان بڑھادی (دیکھو بخاری، کتاب الجمعہ بروایت

سائب بن یزید) اسی طرح نماز تراویح باقاعدہ اور باجماعت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ مبارک میں قائم ہوئی۔ (دیکھو بخاری ودیگر کتب حدیث) چنانچہ اسی اصول کے مطابق نیاز گیارہویں شریف کی مالی عبادت کو بھی قیاس کرلو، جس کا مقصد محض ایصالِ ثواب ہے۔

آخر میں ناظرین آپ سے التماس ہے کہ اگر میری کم مائیگی کی وجہ سے اس میں کوئی خامی دیکھیں تو چشم پوشی فرمائیں اور اگر کوئی بات پسند خاطر آجائے تو اس بندۂ گنہگار امیدوار رحمتِ پروردگار کے حق میں دعا خیر فرمائیں:

بر کریماں کارہا دُشوار نیست

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا، وَاغْفِرْ لَنَا، وَارْحَمْنَا، أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ (آمین)

ثبوت جوازِ استمدادِ اولیاء اللہ

اخبار اہلحدیث، امرتسر، صفحہ:13، 20راگست 1937، باب الفتاویٰ میں مرقوم ہے:

''سوال 217: عدالت وحکام پولیس، وکیل، مختار، ڈاکٹر، حکیم، نائی، دھوبی، درزی، گاڑیبان اور یکّے بان، کاریگر، مزدور، نوکر چاکر، ماما دائی، گاڑی، گھوڑے وغیرہ سے اپنے کاموں، حاجتوں میں مدد توسل چاہنا، وقتِ حاجت ندا کرنا، جناب باری سے قطع نظر کر کے ان کو حاجت روائے مستقل وحقیقی جان کر شرک ہے یا نہیں؟

جواب 217: ان کو حقیقی حاجت روا سمجھنا شرک ہے، ایسا کوئی نہیں کرتا۔ ہاں! حسب ضرورت ان سے مدد لینا بحکم آیت تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔ ان سے تعاون جائز ہے، انتہی کلامہ۔

میں کہتا ہوں کہ جب نواب صدیق حسن خاں بھوپالوی (سردار اہلحدیث) کا مولوی عبدالحی لکھنوی نے ناک میں دم کیا، تو آپ نے بھی اپنے استاذ ملا شوکانی اور علامہ ابن قیم سے استمداد فرما کر مندرجہ بالا فتویٰ کی اپنی کتاب نفخ الطیب میں اس طرح تائید کی:

زمرہ رائے در افتاد بر اصحاب سنن
ابن قیم مددے، قاضی شوکاں مددے

2۔ علامہ وحید الزماں شارحِ صحاح ستہ پیشوائے اہلحدیث نے بھی عقائد اہلحدیث مطبوعہ میور پریس دہلی کے ص:23 پر اس کے جواز کا اس طرح فتویٰ دیا:

اَلنِّدَاءُ فَتَجُوْزُ لِغَیْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی مُطْلَقًا سَوَاءٌ کَانَ حَیًّا اَوْ مَیِّتًا۔
یعنی ندائے لغیر اللہ زندہ اور مردہ دونوں کے لیے مطلقاً جائز ہے۔

3۔ اسی طرح حافظ محمد لکھنوی (سردار اہلحدیث) بھی اولیاء اللہ کے بحکم خدا مدد کرنے کی زینت الاسلام، جلد اول، ص:46 کے بایں الفاظ تائید کرتے ہیں: ؎

جسے تنگی ترشی رب ونجادن چاہے آپ کدائیں
روح ولیاں دے مدد بھیجے کچھ تعجب ناہیں

نیز حصن حصین میں بروایت عتبہ بن غزواں بحوالہ طبرانی بزاز و ابن ابی شیبہ وغیرہ روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ”جب کوئی مصیبت پہنچے اور وہاں کوئی امداد کنندہ نہ ہو تو کہو:

یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ اَعِیْنُوْنِیْ۔ یعنی اللہ کے بندو! بحکم خدا میری مدد کرو۔“

چنانچہ اسی اصول کے مطابق اللہ تعالیٰ کو ہی حقیقی حاجت روا سمجھتے ہوئے اولیاء اللہ سے توسل اختیار کرتے وقت: ؎

غوث اعظم بمن بے سروساماں مددے
نورِ ایماں مددے سید جیلاں مددے
بگرداب بلا افتادہ کشتی
مدد کن یا معین الدین چشتی

کہنا بھی جائز ہوگا۔ (از شیخ التفسیر صدر الافاضل حضرت مولانا الحاج سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی)

گیارہویں شریف

اسی طرح گیارہویں تاریخ کو کسی خوش عقیدہ مسلمان نے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ کر دی تو ناراض ہو گئے۔ ارے ناٹکوں سے نہ چڑنے والے، سینماؤں سے نہ کھسیانے والے، سیاسی جلسوں اور جلوسوں میں بے پردہ خواتین کے ساتھ اختلاط رکھنے والے، ان کی تقریریں سننے والے، ایسے مجامع میں جہاں بے پردہ خواتین بے حجابانہ تقریریں کرتی ہوں، شرکت کرنے والے بھائیو! گیارہویں شریف میں آزردہ کرنے والی کون سی چیز ہے؟ قرآن کریم کی تلاوت مومن کے گھبرانے کی بات نہیں: وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ۔ جب خدائے وحدہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل پریشان ہو جاتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے: وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ۔ کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں بیہودہ شور مچاؤ، تاکہ تم غالب رہو۔

قرآن پاک کے سننے سے گھبرانا، اس سے چڑنا اور برا ماننا یہ تو قرآن پاک نے کفار کا کام بتایا ہے۔ گیارہویں کی فاتحہ میں قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے۔ آپ اس سے گھبراتے ہیں، اس کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے، کچھ طعام یا شیرینی حاضرین کو دی جاتی ہے؟ اس میں کیا مضائقہ ہے؟ حسن سلوک اور احسان شریعت میں محمود ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی علامتوں میں شمار فرمایا ہے: لوگوں کو کھانا کھلانا۔ کوئی بہت ہی بڑا سخت دل کنجوس ہوتا وہ بھی دوسرے کے خرچ کرنے پر برا نہ مانتا۔ آپ میں کیا صفت ہے جو آپ انفاق علی المسلمین سے بگڑ کر خیر سے منع کرنے والے بنتے جا رہے ہیں۔ اس میں آپ کو کون سی چیز ناجائز نظر آئی؟ ہاں! ایک یہ بات شاید آپ کہیں کہ تلاوت و طعام کا ایصال ثواب کیا جاتا ہے حضور غوث پاک کو، تو آپ کو یہ معلوم نہیں کہ ایصال ثواب عباداتِ بدنیہ و مالیہ کا شریعت نے جائز رکھا۔

حضرت سعد نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم کے حسب ارشاد اپنی

والدہ کے ایصال ثواب کے لیے کنواں کھدوایا۔ حدیث شریف میں موجود ہے۔ اس مسئلے پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے۔ شرح عقائد اور تمام دینی کتب میں مصرح ہے، پھر وہ کیا چیز ہے جو آپ کو بدعت لگتی ہے؟ صرف گیارہویں تاریخ کا تعین؟ تو کیا اس کی ممانعت میں کوئی حدیث وارد ہوگئی ہے؟ عمل خیر کے لیے تعین اور خاص اموات کے ایصال ثواب کے لیے حدیث شریف سے ثابت ہے۔ خود حضور انور روح مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سالانہ شہدائے اُحد کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ اس سے تعین کا پتہ چلا اور تعین کا پتہ چلانا ہو تو احادیث کی کتابیں مالا مال ہیں۔ حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ السلام کی لشکر فرعون سے نجات کے روز فتح کی خوشی کے لیے اسی تاریخ میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے کے لیے فرمایا۔ اپنی ولادت شریف کے روز یعنی دوشنبہ کو حضور سید عالم روزہ رکھتے تھے اور فرماتے تھے: فِيْهِ وُلِدْتُ.

اس دن میری پیدائش ہوئی ہے۔ یہ تعین ہوا، یا کیا؟

غرض کہ کوئی عذر وحیلہ ان کے بنائے نہیں بنتا۔ کوئی شرعی دلیل اس امر کی ممانعت پر قائم ہوتی تو موقعہ تھا کہ انکار کرتے، مگر نفس وہوا کے لیے انکار اور اہل اسلام میں تفرقہ اندازی نہایت افسوسناک جرم ہے۔ (ملخصاً از خبار الفقیہ امرتسر و ہفتہ روزہ 'رشوان' لاہور۔ 28 رمئی 1952)

☆☆☆